MASOOD FAISAL JHANDIR LIBRARY
Acc No: 83587
MAILSI

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

TECHNICAL SUPPORT BY
CHUGHTAI
PUBLIC LIBRARY

قل رب ادخلنی مدخل صدق و اخرجنی مخرج صدق
و اجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً ہ

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ
اولئک الذین ھداھم اللہ و اولئک ھم اولوا الالباب (۲۳/۲)

العلی سلطاناً نصیراً

مصنفہ و مرتبہ

محققِ دوران سید محمد عبداللہ شاہ صاحب عبد
موسوی کاظمی المشہدی
(سید کسرانی گوجر خاں راولپنڈی) حال
نیاز بیگ لاہور۔ اسلامی درسگاہ حسینیت

ناشر

مکتبہ تہذیب الاسلام۔ لاہور (پاکستان غربی)
(ع ۱۹۱۵/E ڈبی بازار ۔ لاہور)

[redacted] قیمت بغیر جلد تین روپے ۵۰ پیسے

۔۔۔ی برادرز۔ تاجران کتب انارکلی لاہور ۲

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم
بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله الذی مدبر الامور فی سلطانه و مظهر الآیات فی شانه و مدلّ الدلائل و برهانه و معلم الانسان قرانه و بیانه و جعل الانسان خلیفة فی عالم امکانه و جعل الاسماء الحسنیٰ لاوصاف ذاته و للاسماء الحسنیٰ جعل مظهر اوصافه و جعل المعرفة مظهر اوصافه معرفة ذاته نحمده حمداً کثیراً دائماً والصلوات والسلام علی نور الالهیّة والخلق الاولیة و مظهر اوصاف الالهیته والمدینة العلوم الهیّة والمرکز الانوار الالهیة حقیقة الوجودیة المحمدیة صلوٰة کثیراً دائماً و علی باب المدینة العلوم الالهیّة و نکتة بائیة و مظهر قدرة الالهیّة و قدرة الجبار فی هیکل البشریة و نور الذی خلق الاولیّة و ربوب المخلوق الالهیّة و نصرت الله للمخلوق السماویة والارضیّة والمنشی کتب السماویة والعالم الکتاب الالهیة امیر المومنین و یعسوب الدین و قاعد الغر المحجلین غالب علی کل غالب مطلوب کل طالب علی بن ابیطالب و اولاده الطاهرة المطهرة بتطهیر الالهیة والملکوت کل شی فی هیاکل البشریة صلوات الله و سلامه علیهم اجمعین اما بعد نقد قال الله تعالیٰ فی کتابه المجید و قوله الحق -

فہرست مندرجات کتاب

مآخذ کتاب

— قرآن حکیم — اقوال معصومینؑ
— استدلال مصنف
— الکافی (ابوجعفر محمد ابن یعقوب الکلینی علیہ الرحمہ)
— نہج البلاغۃ (کلام امیر المومنینؑ۔ جامع کتاب شریف رضی)
— توقیع رفیع (حضور صاحب الامرؑ)
— بحار الانوار (علامہ ملا محمد باقر مجلسیؒ)
— توریت (عہد نامہ قدیم) — انجیل (عہد نامہ جدید)
— حیات القلوب (علی بن حمزہ)
— بصائر الدرجات (فضل بن عیسےٰ)
— صحیح بخاری (محمد ابن اسمٰعیل بخاری)

— صحیح مسلم (مسلم بن حجاج القشیری)
— مشکوٰۃ (شیخ ولی الدین محمد)
— شرح نہج البلاغۃ (ابن ابی الحدید اہلسنت معتزلی)
— ارجح المطالب (عبید اللہ بسمل امرتسری حنفی)
— کوکب دُری (صوفی محمد صالح کشفی۔ حنفی)
— مطالب السئول فی مناقب آلِ رسولؐ (محمد ابن طلحہ شافعی)
— صواعقِ محرقہ (ابن حجر مکیؒ اہلسنت)
— صراط السوی (علامہ سید محمد سبطینؒ)
— نسیم الریاض (شہاب الدین خفاجی)
— تفسیر دُرِ منثور (جلال الدین سیوطی)
— ازالۃ الخفا (ولی اللہ محدث اہلسنت دہلوی)
— برہان الانصاف (مولوی سید زین العابدین بٹالوی)
— ماہنامہ البرہان لدھیانہ — ماہنامہ سلسبیل۔ لاہور
— ہفت روزہ اسد۔ لاہور
— مضمون معرفت الائمہ بالنورانیہ (مولوی نبی بخش اعلی اللہ مقامہ)
— منتخب تواریخ اسلام — لغت عربی
— مثنوی مولوی معنوی رومی — کلام امام شافعی
— کلام خواجہ حافظِ شیرازی — کلام شیخ سعدیؒ شیرازی
— کلام اقبالؒ — کلام خادم حسین آصفی

وغیرہ وغیرہ

پیش لفظ ناشر

"استمداد از غیر اللہ" (یعنی غیر خدا سے مدد مانگنا) کے فقرے پر اگر صرف اُس کے ترجمہ کے لحاظ سے غور کیا جائے تو یہ ہر مسلمان کو کھٹکے گا۔ کیونکہ منبع اعانت حقیقت میں اللہ تعالےٰ ہی ہے۔ مگر اس مسئلہ پر اگر معمولی سا غور و فکر بھی کیا جائے تو عیاں ہو گا کہ اللہ تعالےٰ جسم و جسمانیات سے قطعاً مُبرّہ ہے کیونکہ یہ صفت مخلوق کی ہے خالق کی نہیں۔ اگر خالق میں یہ صفت (یعنی جسمانیت) تسلیم کر لی جائے تو اُسے حادث ماننا پڑے گا اور جو حادث ہو گا وہ خالق نہ رہیگا۔ اور مدد اُس نے مخلوق کی کرنا ہے۔ لہذا وہ اپنی مخلوقِ خاص کے ذریعہ ہی مخلوق کی مدد کرتا ہے۔ کیونکہ وہ خود تو چل کر مخلوق کے پاس نہیں پہنچے گا —— "ہدایتِ خلق" سب سے بڑی اعانتِ کبریا ہے۔ اُس کے لئے بھی ضرورتِ انبیاء پیش آئی۔ اور انبیاء کو پیغام پہنچانے کے لئے بھی ملائکہ وارواحِ مقدسہ و روح القدس کا ذریعہ پکڑا گیا۔ یہ تو رہی ہدایت کی بات اس کے علاوہ دیگر امور میں مدد کے لئے بھی واضح ارشاداتِ ربانی قرآنِ حکیم میں ہیں، ایک نہیں کئی۔ مثلاً ارشاد ہے۔ . . . . والمستضعفین من الرجال والنساءِ والولدان الذین یقولون ربنا

اخرجنا من ھٰذہ القریۃ الظالم اھلھا ج واجعل لنا من لدنک ولیاً ج واجعل لنا من لدنک نصیراہ (النساء ۷۵) (اور مردوں میں سے جو ناتواں بنا دیئے گئے اور عورتیں اور بچے کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس بستی سے نکال جس کے رہنے والے ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی ولی مقرر فرما اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کسی کو مدد کرنے والا بنا دے)۔

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اُس وقت خدا تعالےٰ بھی موجود اور رسولؐ بھی موجود۔ پھر یہ دُعا! ظاہر ہے کہ خداؑ و رسولِ خداؐ کے علاوہ بھی ایک مددگار اُمت موجود ہے۔

زیرِ نظر کتاب مستطاب ہیں جناب بحر العلوم حضرت سیّد محمد عبد اللہ شاہ صاحب الکاظمی المشھدی نے بیشک علم کے دریا بہا دیئے ہیں۔ اور صاحبانِ علم و فہم ہی اس کا اندازہ لگا سکیں گے۔

بلا شبہ یہ کتاب مسئلہ زیرِ بحث کے لئے حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے ؎

گر قبول افتد زہے عز و شرف

(ناشر)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الۡحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَلَوۡ كَرِهَ الۡمُجۡرِمُوۡنَ ؀ ۱۲

اور اللہ حق کو اپنے کلمات کے ذریعہ سے حق ثابت کرتا ہے
اگرچہ مجرم لوگ ناپسند کریں۔

(اس حکم سے ثابت ہے کہ امر حق کو حق ثابت کرنے کے لئے
کسی کی ناپسندی کی پرواہ نہ کرنی چاہیئے۔)

تمہید

قرآن مجید میں تدبر کرنے والوں سے یہ امر پوشیدہ نہیں رہتا کہ اسلام میں اختلاف عقائد و احکام دین کی بنیاد منافقین اسلام نے رکھی ہے قرآن شاہد ہے کہ اسلام میں منافقین کی کثرت رہی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ بانیٔ اسلام رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگانی میں یہ لوگ اپنے مقصد نفاق میں کامیاب نہیں ہو سکتے تھے کہ رسولؐ اسلام کی موجودگی اور نزول قرآن نے ان کو مقید کیا ہوا تھا حضرت ختمی مرتبت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت اور نزول قرآن کے بند ہو جانے سے یہ لوگ اس قید سے آزاد ہو گئے۔ تو عقائد اور احکام دین اسلام کو سادہ لوح مسلمانوں کے سامنے بدل کر بیان کرتے رہے اور مسلمان ان کو اصحاب رسولؐ جان کر ان سے عقائد و احکام کو قبول کرتے رہے۔ اور ان کے بیان کردہ امور کو تعلیم رسولؐ اسلام سمجھ کر دل وجان سے اقرار و عمل کرتے رہے۔

اور ان آیات قرآنیہ کو جو رسولؐ اسلام اور آلؑ رسولؐ کی مدح میں

خدا نے نازل فرمائی تھیں ان کو اپنی من گھڑت تاویلوں سے بدل کر دوسرے لوگوں کے حق میں بیان کرتے رہے جس سے اختلاف کی خلیج پیدا ہو گئی جو آج تک نہیں بھری جا سکی بلکہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ جس کا اثر اسلامی فرقوں سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اور جملہ گروہ اسلامیہ اس کے قائل ہیں کہ ان کا گروہ منافقیت سے پاک ہے اور دوسرے گروہ منافقیت سے پاک نہیں۔ اسی وجہ سے ہر گروہ اپنے کو جنّتی اور دوسروں کو جہنمی کہتے آ رہے ہیں۔ اور تا حال اسی پر قائم ہیں۔ اور اس اختلاف کی بنیاد توحید پرستی پر رکھی گئی ہے۔ توحید پرستی کے پردہ میں اسلام کو بدلا گیا ہے۔

یہ حسی امر ہے کہ جب کبھی کسی وباء کا دورہ ہوتا ہے تو اس سے صحت مند وجود بھی کم و بیش ضرور متاثر ہو جاتے ہیں۔

اسی طرح محبان اہلبیتؑ و شیعان اہلبیتؑ بھی اس وباء سے عقائد میں متاثر ہو گئے جس سے فضائل اور شان اہلبیتؑ میں دو طرح کا عقیدہ پیدا ہو گیا۔ بلند پایہ فضائل اہلبیتؑ کو تسلیم و نشر کرنے والوں کو غالی کہا جانے لگا اور کم درجہ کے فضائل اہلبیتؑ کو تسلیم کرنے والوں کو مقصر کہا گیا۔ جس کا ثبوت آج کل کی تحریروں اور تقریروں میں موجود ہے۔

میرے عقیدہ کی سرگذشت

والدین کے ارشاد کے مطابق عبد عاصی کی پیدائش ۱۸۹۲ء دسمبر میں بمقام سید کسران ضلع راولپنڈی ہوئی۔ بفضلہ تعالیٰ ہمارا خاندان موسوی المشہدی جو آج کل کاظمی المشہدی کہلا رہا ہے۔ اوّل سے ہی یعنی حضرت

اسحاق بن امام موسےٰ کاظم علیہ السلام سے لیکر آج تک محبان اہلبیت اور شیعان اہلبیت علیہم السلام میں داخل رہا ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے بڑے بڑے مصائب و آلام کے زمانہ میں بھی اپنے آبائی دین و مذہب کو نہیں چھوڑا بلکہ ہر زمانہ میں علے الاعلان شیعہ اہلبیتؑ کہلاتے آئے ہیں۔ اس لئے بوقت پیدائش ہی علیؑ ولیُّ اللہ کی آواز کان میں دی گئی جب ذرا ہوش و حواس جسم میں تقویت و طاقت پیدا ہوئی تو والدین اور بزرگوں کی زبان سے یہ آوازیں کان میں ضبط ہونی جاری ہوگئیں ؎

یا علیؑ للہِ دِللہِ یا علیؑ ہر مشکلم بکشا لِللہِ یا علیؑ

شاہِ مرداں شیرِ یزداں قوتِ پروردگار

لافتیٰ الّا علیؑ لا سیف الّا ذوالفقار

ہر بلائے رد یا شد ایں بخواں ہفتاد بار

غرضیکہ اپنے خاندان کے ان بزرگوں کو جن کی عمریں ہمارے بچپنے میں ایک سو بیس سال سے بھی بڑھی ہوئی تھیں کو دیکھا کہ بیٹھتے اُٹھتے یا علیؑ اور کئی ورد زباں ہوتا تھا اور اپنی ضعیفہ دادیوں کی زبان سے بچوں کو یا علیؑ یا علیؑ کی لوریاں دیتے سنا اور اپنے باپ چچاؤں اور ماموؤں اور ان کے ہم عصر دیگر قوم کے جوانوں کو ہر کام میں ہر میدان میں یا علیؑ کے نعروں سے فضاء آسمانی کی لہروں میں طوفان و تلاطم پیدا کرتے دیکھا۔ گویا کسی بزرگ کے اس فرمان کا نقشہ دیکھا ؎

علیؑ کا نام بھی نام خدا کیا راحت جاں ہے

عصائے پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

ازاں بعد آب و دانہ کی قید نے تقریباً ۱۸۹۹/۱۹۰۰ء میں علاقہ نوابصاحب

علی رضاء آباد ضلع لاہور میں پہنچا دیا۔ اس زمانہ میں مولانا ابوالقاسم حائری لاہوری اعلی اللہ مقامہ مجتہد العصر موجود تھے جن کی تقلید میں خاندان نواب قزلباش اعمال بجالاتا تھا۔ یہاں آکر بھی دیکھا تو ہر وقت یا علیؑ اور کبھی اور یا حضرت عباسؑ علمدار کا ورد ہر خورد و کلاں کی زبان پر ہر آن موجود دیکھا۔

نواب محمد علی خان مرحوم کو بارہا دیکھا کہ جب کوئی مشکل درپیش آجاتی فوراً سقاخانہ میں شربت یا دودھ کی لسی کی چھبیل لگا کر بچوں کو پلانا جاری کر دیتے تھے۔ اختتام شربت پر مشکل حل ہو جاتی تھی۔ اس کے بعد آب و دانہ مزنگ لاہور لے آیا یہاں مولوی محمد علی بھٹی مرحوم جو پرائیویٹ سکول کے استاد تھے ان سے سابقہ پڑا وہ مرحوم سابقاً اہلسنت والجماعت تھے اور بڑے سخت متعصب تھے۔ خود بیان فرماتے تھے کہ ایک لڑکے کو میں نے یا علیؑ کہنے پر نماز توڑ کر اتنا مارا تھا کہ اس کے منہ سے خون جاری ہو گیا تھا۔ مگر جب ہم نے بھٹی صاحب کو دیکھا تو سوائے یا علیؑ کے اور کوئی ورد ہی نہ تھا پھر آب و دانہ وطن لے گیا تو پھر وہی تعلیم آبائی موجود تھی۔

پھر ۱۹۱۲/۱۹۱۱ء میں لاہور آیا تو اس وقت سرکار علامہ عبد العلی ہروی الطہرانی مرحوم اعلے اللہ مقامہ کے مواعظ کا زور تھا جو سابقہ تعلیم آبائی کا موئد ہی نہ تھا بلکہ مؤسس اور مبرہن بھی تھا۔ وہی آبائی تعلیم آیات و احادیث کی نصوص اور بشارات سے دل پر نقش کالحجر ہو گئی اور اسی پر قائم ہیں انشاء اللہ تا مرگ قائم رہیں گے۔

متحدہ ہندوستان کے زمانہ میں بہت خفیف سی آواز اس عقیدہ کے خلاف کبھی کبھی سنائی دیتی تھی جو خود ہی ختم ہو جاتی تھی۔ ہمارے موضع

سید ضلع راولپنڈی میں ایک کتاب اصلاح الرسوم آئی جس کی وجہ سے بڑے چرچے اور بحثیں چلتی رہیں خصوصاً اس بحث نے طول پکڑا کہ سادات کے بزرگوں کی قبروں پر جو چڑھاوے آتے ہیں ان کا کھانا حرام ہے یہ بحث سادات اور غیر سادات شیعہ حضرات کے درمیان تھی اس لئے غیر سادات حضرات نے نجف اشرف و کربلا معلےٰ کے علماء اعلام سے فتوے طلب کئے جو ان کے خلاف آئے جس سے یہ بحث ختم ہو گئی معترض نے اعلانیہ اعتراض کرنا چھوڑ دیا گو اپنی جگہ تذکرہ جاری رکھا لیکن پھر عام طور پر گفتگو بند ہو گئی۔

قیام پاکستان کے بعد پاکستان بھر میں اس عقیدہ نے زور پکڑ لیا ہے کہ سوائے خداوند عالم کے اور کسی سے مدد طلب کرنا حرام ہے جو تقریروں اور تحریروں میں علے اعلان جاری ہے۔

اور اس کے خلاف بھی علماء کرام کے واعظ اور تحریریں جواباً جاری ہیں لیکن عوام حضرات پھر بھی مضطرب ہیں کہ تقریروں کو ضبط نہیں کر سکتے اور عالمانہ تحریروں کو پوری طرح سمجھ نہیں سکتے۔ ایسے حضرات کو جب کوئی اہل علم مل جاتا ہے تو وہ سوال کرتے رہتے ہیں اور اہل علم بزرگوار کوئی ایک طرف کی تائید کر جاتا ہے اور کوئی دوسری طرف کی تائید کر جاتا ہے جس سے ان کا اعتقادی چکر ختم نہیں ہوتا ان کی خاطر یہ مضمون لکھنا ضروری معلوم ہوا تاکہ وہ اپنے اعتقاد کو قائم رکھ سکیں یا کر سکیں۔

اور اپنی اعتقادی سرگذشت کو اس لئے لکھا ہے کہ ہمیں یہ اعتقاد مذہب اہلبیتؑ اور عزائے حسینی کے ساتھ اپنے اباء واجداد سے وراثتاً ملا ہے کسی تقلید سے حاصل نہیں ہوا مقصد یہ ہے ہمارا یہ اعتقاد مذہب اہلبیتؑ اور عزائے حسینی کی طرح قدیمی ہے اور حضرات معصومین علیہم السلام

سے لیا ہوا ہے جو اَباً عن جداً کے سلسلہ سے وراثتاً ہم تک پہنچا ہے۔
ممکن ہے کہ اس کے اثبات میں کہیں کوئی تبدیلی ہوئی ہو لیکن اعتقاد میں تبدیلی نہیں ہوئی مذہب اور عزاداری کے ساتھ یہ قدیم زمانہ سے ہمارے آباؤ واجداد میں چلا آرہا ہے۔ ہمارے آباؤ واجداد کے پاس تو یا علیؑ مدد کے جواز کے عملی ثبوت تھے اپنے بچپنے کے زمانہ میں ہم نے بزرگوں سے بارہا دیکھا ہے۔ کہ وہ معترض اور حاجت مند کو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی امداد عملاً دکھا دیا کرتے تھے۔ اس کے ثبوت کے لئے انہیں ورق گردانی کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ وہ عملی ثبوت دیا کرتے تھے۔ جس سے ہم اپنی شومئی قسمت کی وجہ سے محروم رہ گئے جس کی وجہ سے اوراق گردانی کے اثبات پر مجبور ہیں۔ اپنی وسعت نفسی کے مطابق کلمات اللہ سے حق کے حق ہونے کا ثبوت پیش کر کے سرکار امامت امیرالمومنین علیہ السلام والصلوات کی خدمت میں ایک ذرہ بھر ادنیٰ سی ایمانی خدمت پیش کرتے ہیں۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

عبد العاصی عبید

ثبوت جواز "یا علیؑ مدد"

ھل من خالق غیر اللہ —— ھل من حاکم غیر اللہ
ھل من ولی غیر اللہ —— ھل من ناصر غیر اللہ
ھل من معین غیر اللہ —— ھل من موفق غیر اللہ
ھل من رازق غیر اللہ —— ھل من معبود غیر اللہ
ھل من مسجود غیر اللہ —— وغیرھم ——
لا بیعہ الا للہ —— لا حکم الا للہ —— لا طاعہ الا للہ
لا عظمۃ الا للہ —— لا عبادۃ الا للہ —— لا سجدۃ الا للہ
لا ذبیحۃ حلال الا باسم اللہ —— وغیرھم
الغرض کوئی ایسا امر نہیں جو غیر اللہ کی طرف منسوب کیا جا سکے۔
لا محی الا اللہ لا ممیت الا اللہ ——

لیکن یہ دیکھنا مقصود ہے کہ غیر اللہ کی حد کیا ہے کہاں پر ہم اعتقاد رکھنے اور عمل کرنے میں غیر اللہ کی حد میں داخل ہو جاتے ہیں اور وہ کون سے امور ہیں جو ہمیں غیر اللہ میں داخل کر دیتے ہیں اور وہ کون سے امور ہیں جو ہمیں من اللہ یا فی اللہ یا باللہ یا الی اللہ میں داخل کرتے ہیں۔ مثلاً عمل ذبح کو دیکھئے کہ جانور حلال ہے اس کو ذبح کرنا جائز ہے اور اس کو ذبح کرتے وقت خدا کا نام لینا فرض ہے لیکن بحالت اختیاری اگر رو بقبلہ ذبح نہ کیا جائے تو مذبوحہ حرام ہو جائیگا اور

اس کا کھانا حرام ہوگا۔ جانور حلال تھا۔ ذبح کرنے والا مسلمان تھا۔ خدا کا نام لیکر ذبح کرنے والا مسلمان تھا۔ خدا کا نام لیکر ذبح کیا تھا شرائط ذبح سب ٹھیک اور درست تھیں صرف روبقبلہ نہ ہونے سے وہ ذبیحہ حرام ہوگیا پس اس مقام پر قبلہ کو غیر اللہ میں داخل کیا جائے تو ارتکاب کفر ہوگا۔ لہذا مجبور قبلہ کو من اللہ اور باللہ میں تسلیم کرنا ہوگا۔ اگرچہ قبلہ خدا نہیں ہے لیکن اس عمل میں بامر اللہ داخل ہے۔ لہذا قبلہ غیر اللہ ہوکر بھی غیر اللہ نہیں ہے۔ جب تک قبلہ کو بامر اللہ و من اللہ و باللہ تسلیم کرکے عمل نہ کروگے مذبوحہ حلال نہ ہوگا لیکن بحالت اضطراری روبقبلہ نہ ہوسکے تو مذبوحہ جانور حلال ہوگا کیونکہ اضطرار مستلزم انکار نہیں ہوتا اور یہی صورت نماز اور ان امور میں ہے جن میں روبقبلہ ہونا لازمی یا کہ واجبی ہے کہ بغیر روبقبلہ بحالت اختیاری نماز باطل ہوگی بلکہ قبلہ کو غیر اللہ جان کر اس کی طرف رخ نہ کروگے تو وہ نماز صرف باطل ہی نہ ہوگی بلکہ باعث جہنم بھی ہوگی۔

پس اس سے ثابت ہے۔ اگرچہ قبلہ خدا نہیں ہے بلکہ غیر اللہ ہے لیکن خدا نے اس کو اپنے حکم سے غیر اللہ سے نکال کر بامر اللہ و من اللہ و باللہ میں داخل کردیا ہے۔ اب کسی مسلم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ قبلہ کو غیر اللہ تصور کرے یا خیال ہی کرے۔ پس جو ایسا کریگا وہ اسلام سے خارج ہو جائیگا۔ مومن و مسلم نہ رہیگا۔ بلکہ ارایت الذی اتخذ الٰھہٗ ھوٰہ ١٩/٢ (کیا تونے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو خدا بنالیا) میں داخل ہوکر مشرک یا کافر ہوجائیگا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ بعض چیزیں غیر اللہ ہوکر بھی غیر اللہ میں داخل نہیں ہوتیں اور نہیں رہتیں بلکہ بامر اللہ من اللہ و

الی اللہ ہو جاتی ہیں۔

لا عظمة الا للّٰہ

العظمۃ للّٰہ مشہور و معروف ہے کہ عظمت صرف اللہ تعالیٰ کے لئے ہے لہذا غیر اللہ کی عظمت حرام ہے۔ لیکن خدا فرماتا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۱۷/۱۲ فانہا من تقوی القلوب ـــــ) جو شعائر اللہ کی تعظیم بجا لائے پس وہ دل کی پرہیزگاری سے ہے) پس خداوند عالم نے اپنے اس فرمان سے شعائر اللہ کی تعظیم کو اپنی عظمت و تعظیم میں داخل کر لیا ہے۔ اب جو کوئی مسلم ان کو غیر اللہ جان کر شعائر اللہ کی تعظیم نہ کرے تو وہ اس حکم سے کافر ہو جائیگا لہذا کسی مسلم کی مجال نہیں کہ وہ شعائر اللہ کو غیر اللہ میں داخل کر کے ان کی تعظیم سے انکار کر سکے اور جو کوئی ایسا کرے وہ مسلم نہیں ہے بلکہ غیر مسلم ہے اگرچہ وہ عظمت الٰہی کی وجہ سے ان کی عظمت نہ کرتا ہو۔

اور یہ بھی خیال رہے کہ شعائر اللہ میں بذات خود کوئی عظمت نہیں۔ بلکہ یہ کسی سے منسوب ہو کر شعائر اللہ ہیں۔

هل من حاکم غیر اللہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں ہے

لا حکم الا للّٰہ

خدا کے سوا کسی کا کوئی حکم نہیں

لیکن خداوند عالم مسلمانوں کو امر کرتا ہے۔ جیسا کہ فرماتا ہے۔

فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیما۔ ۵/۴ ۔ پس تیرے رب کی قسم یہ ایماندار نہ ہونگے۔ جب

تک کہ اپنے جھگڑوں میں تجھے حاکم نہ بنالیں پھر تیرے فیصلہ کے خلاف اپنے دلوں میں ذرا بھر تنگی نہ کریں اور اس طرح قبول کرلیں جس طرح مان لینے کا حق ہے۔

پس خداوند عالم کے اس حکم کے بعد وہ کون مسلمان ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا حاکم نہ مانے۔ اور اس طرح کا حاکم نہ مانے جس طرح کا خدا نے حکم دیا ہے۔ اگر کوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو حاکم نہ مانے تو وہ مومن کیا بلکہ مسلم ہی نہ رہیگا۔ لہذا ثابت ہوا کہ خدا کو حاکم ماننے کا مقصد یہی ہے کہ رسول خدا کو حاکم مانا جائے کیونکہ خدا کے حکم کو رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ہی جاری کرتا ہے لہذا رسول خدا کو حاکم ماننا غیر اللہ میں داخل نہیں ہے بلکہ بامر اللہ عند اللہ ومن اللہ والی اللہ میں داخل ہے پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاکم ماننا اور ان کے حکم کی اطاعت کرنا ہی خدا کو ماننا ہے۔

ھل من ولیٌ غیر اللہ

کیا خدا کے سوا کوئی اور ولی ہے

لا ولی الا اللہ

ہرگز کوئی ولی نہیں مگر اللہ تعٰ ہی ولی ہے۔

پس جو کوئی غیر اللہ کو ولی مانے وہ مسلم نہیں رہتا لیکن خداوند عالم فرماتا ہے۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والمؤمنون الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون ۶/۱۲

سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارا ولی یعنی مالک اور حاکم اللہ ہے اور اس کا رسولؐ ہے اور وہ مومنین ہیں جو نماز کو قائم کرتے اور زکوٰۃ کو

حالت رکوع میں ادا کرتے ہیں - یا دیتے ہیں -

پس اس حکم میں خداوند عالم نے تمام امت محمدی کے لئے اپنی ذات اور اپنے رسولؐ اور مومنین کے خاص گروہ کو ولی قرار دیا ہے جس سے ثابت ہے کہ خدا اور رسولؐ اور رکوع میں زکوٰت دینے والے مومنین کل مسلمانوں کے ولی ہیں پس جو مسلم خدا کے اس حکم کے تحت رسولؐ اور ان مومنین کو اپنا ولی نہ مانے وہ خدا کی ولایت کا ہی منکر ہوگا -

لہٰذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رکوع میں زکات دینے والے مومنین کو اپنا ولی ماننا ہر مسلم پر فرض اور واجب ہے جس سے ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور رکوع میں زکات دینے والے مومنین کو اپنا ولی ماننا غیر اللہ میں داخل نہیں ہے بلکہ امر اللہ سے من اللہ و عند اللہ و الی اللہ میں داخل ہے پس رسولؐ خدا اور ان کے مومنین کی ولایت کا انکار خدا کی ولایت کا انکار ہوگا -

لا بیعۃ الا للہ

خداوند تعالےٰ کے سوا کسی کی بیعت جائز نہیں -

واقعاً ہی سوائے خدا کے اپنی جان کو کسی اور کے پاس بیچنا فروخت کرنا حرام ہے - لیکن خداوند عالم فرماتا ہے - ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم ۲۶/۹ بے شک جو لوگ تیرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں ہے کہ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں - ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے -

پس اس آیت سے ثابت ہے کہ خدا کے پاس اپنی جان کو فروخت کرنے کے لئے رسولؐ خدا کے ہاتھ کی ضرورت ہے رسولؐ خدا کے ہاتھ کے بغیر

خدا کی بیعت ہو ہی نہیں سکتی جب تک خدا اور بندہ کے درمیان رسولؐ خدا کا ہاتھ نہ آئے۔ بندہ کی بیعت خدا سے نہ ہوگی بلکہ غیر اللہ سے ہوگی۔ پس جن بیعت کرنے والوں کے ہاتھ پر رسول خداؐ کا ہاتھ نہ ہو ان کی بیعت غیر اللہ سے ہوگی لہٰذا ایسی بیعت جو رسول خداؐ کے بغیر ہوگی وہ حرام ہوگی۔ اسی واسطے جب خوارج نہروان نے "لا حکم الا للہ" کا نعرہ لگایا۔ تو حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کلمۃ الحق یراد بہ الباطل کہ کلمہ تو حق ہے مگر ارادہ باطل کی حمایت کا ہے۔ پس جب کلمہ حق سے مراد باطل کی حمایت ہو تو وہ باطل میں شمار ہوتا ہے۔

جس مقصد یا کہ اعتقاد کی بابت یہ مضمون عرض کیا جا رہا ہے اس کی بھی یہی صورت ہے کہ "غیر اللہ سے مدد طلب کرنا حرام ہے"۔ یہ کلمہ بھی حق ہے لیکن اس سے مراد باطل لی جا رہی ہے جس کی وضاحت آتی ہے (انشاء اللہ العزیز)

ھل من خالق غیر اللہ

کیا خداوند عالم کے سوا کوئی اور خالق ہے۔ بے شک خدا کے سوا اور کوئی خالق نہیں ہوسکتا اور غیر اللہ کو خالق ماننا کفر و شرک میں داخل ہے۔ لیکن خدا فرماتا ہے کہ حضرت عیسٰے علیہ السلام نے لوگوں سے فرمایا۔ انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ۔ میں بناتا ہوں مٹی سے پرندہ کی صورت پھر اس میں پھونک مارتا ہوں پس وہ خدا کے حکم سے اڑتا ہوا جانور ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں خدا نے لفظ "خلق" فرمایا ہے کہ میں خلق کرتا ہوں۔

جس سے حضرت عیسٰیؑ کا خلق کرنے کا عمل ثابت ہوتا ہے۔ لیکن باذن اللہ فرماکر ثابت کر دیا کہ عیسٰیؑ کا یہ عمل غیر اللہ میں داخل نہیں ہے کہ خدا نے حضرت عیسٰیؑ کو خلق کرنے کی قدرت اور اجازت دی ہوئی تھی۔

پس حضرت عیسٰیؑ کا یہ عمل خلق غیر اللہ میں داخل نہیں تھا بلکہ باذن اللہ میں داخل تھا۔ پس ممکن ہے کہ کوئی نئی نبوت کے عقیدہ کی تقلید میں کہدے کہ یہ خلق تو ایک نظر بندی کا شعبدہ تھا لیکن اس سے خداؑ کی تکذیب ہوگی۔ کہ وہ ایک شعبدہ کے عمل کا ذکر کر کے اپنی اجازت دینے پر اس کی تصدیق فرما رہا ہے۔ جو ایک کذب ہے کہ شعبدہ کذب میں ہی داخل ہوتا ہے۔ صدق نہیں ہوتا۔ لہذا کذب کی تائید صادق کبھی نہیں کر سکتا۔ اور اس امر میں خداوند عالم حضرت عیسٰیؑ کے عمل کی صداقت صریحاً تصدیق فرما رہا ہے۔ لہذا یہ تاویل کرنے والا خداؑ کی تکذیب کر رہا ہے جس سے اس کا اسلام ہی ختم ہو گیا۔ اس لئے ایسا شخص خداوند عالم اصدق الصادقین کے بالمقابل اکذب الکاذبین میں داخل ہو گا جس کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس جگہ اپنے اہل علم و فضل اور صاحبان عقل و معرفت حضرات کو دعوت تدبیر دی جاتی ہے وہ غور و فکر کریں اور حقیقت معلوم کریں اور وہ یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے انی خالق بشراً من طین $\frac{۲۳}{۱۴}$ اور حضرت عیسٰیؑ فرماتے ہیں انی اخلق لکم من الطین $\frac{۳}{۱۳}$ دونوں آیات کے متحدہ الفاظ سے کیا حاصل ہوتا ہے۔ چونکہ یہ بحث طویل ہے اور اصل مقصد میں دوری پیدا کر دیگی لہذا اس دروازہ کو کھولا نہیں جاتا اسی اشارہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا ہے۔ وابرئ الاکمہ و

الابرص ۳/۱۳ اور مادر زاد پیدائشی اندھوں اور کوڑھوں کو اچھا کرتا ہوں یعنی شفا دیتا ہوں۔ یہ امر پہلے امر سے بلند تر ہے۔ جس میں غور نہیں کی جاتی صرف رسمی اور تقلیدی طور پر اس کے مطلب کو ادا کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بڑا اہم مقام ہے۔ کہ خداوند عالم کسی شخص کو حسب حال و مصلحت و ضرورت اندھا یا لنگڑا لولہا اور کوڑھا خلق کرتا ہے۔ اس پر تقدیر تخلیقی جاری کرتا ہے کہ اس کو فلاں فلاں وجوہات و اسباب اور لوازمات کے تحت ناقص خلق کیا جائے اور وہ اس حالت میں خلق کیا جاتا ہے اس پر خدا کی تقدیر تخلیقی جاری اور واقع ہو جاتی ہے۔
اس کے بعد وہ شخص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اور آپ سے درخواست کرتا ہے کہ میری ناقص خلقت کو کامل کر دیں تو آپ اس کے بدن سے صرف ہاتھ کو مس کرتے ہیں فوراً ہی خدا کی تقدیر تخلیقی بدل جاتی ہے اور اس کی خلقت کا نقص دور ہو جاتا ہے۔
اور وہ ایسا ہو جاتا ہے کہ اس کی ناقص خلقت کا کوئی نقص نہیں رہتا پس یہ خلق کرنا نہیں تو اور کیا ہے جس چیز کو خداوند عالم نے اس کے جسم میں خلق نہ فرمایا تھا۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام اس کو صرف ہاتھ سے مس کر کے خلق کر دیتے ہیں۔

پس حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی یہ خلقت غیر اللہ میں داخل نہیں بلکہ باذن اللہ و بامر اللہ میں داخل تھی جس سے ان کے خلق کرنے کا واضح ثبوت ملتا ہے تفکروا فی النصوص الالٰہیہ۔

اس کے بعد فرمایا ہے واحی الموتیٰ ۳/۱۳ اور تمہارے لئے مردہ کو زندہ کرتا ہوں۔ یہ اس سے بھی اہم امر ہے کہ وہ مردہ شخص

تقدیر اور قضا و قدر کے تحت اپنی مقررہ زندگی گذار کر اپنی اجل محتومہ کے تحت مر چکا ہوتا ہے اجل محتومہ نے جسم اور روح و نفس میں دائمی جدائی ڈال دی ہوتی ہے۔ اور جسم گل سڑ کر تحلیل در فنا ہو چکا ہوتا ہے پھر اس کو دوبارہ مثل اول صحیح و سالم زندہ کر دینا خلق کرنا نہیں تو اور کیا ہے اور ان امور پر نص قرانی موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ ان امور کو غیر اللہ میں داخل کر کے انکار کرنے والا خداوند عالم کی نصوص متواترہ کا انکاری ہے۔

هل من معبود غیر الله　هل من مسجود غیر الله
لا عبادة الا لله　ولا سجدة الا لله

پس خداوند عالم کے سوا کوئی معبود نہیں ہے غیر اللہ کی عبادت حرام اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام ایسا عمل کرنے والا ضرور کافر مشرک ہوگا اور ہو جاتا ہے۔ لیکن خداوند عالم فرماتا ہے۔ اذ قال ربک للملئکة انی خالق بشراً من طین فاذا سویته و نفخت فیه من روحی فقعوا له سجدین $\frac{۲۳}{۱۴}$ جب کہ تیرے رب نے ملائکہ سے فرمایا کہ میں مٹی سے ایک بشر کو خلق کرنے والا ہوں۔ پس جب میں اس کو درست اور ٹھیک بنا کر اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو تم فوراً اس کے لئے سجدہ کرنا۔

پس اس آیت سے ثابت ہے کہ خداوند عالم نے ملائکہ سے آدم کو سجدہ کرایا۔ نہ معلوم خداوند عالم نے ملائکہ کو خلقت آدم سے کتنی مدت پہلے یہ حکم دیا تھا جس کی مصلحت یہ تھی کہ نفخ روح کے ساتھ ہی فوراً سجدہ کیا جائے۔ نفخ روح اور سجدہ میں دیر نہ ہو۔ روح کے بدن میں داخل ہو جانے

پر فوراً سجدہ کریں۔ غور رہے کہ ملائکہ نے خلافت آدم پر اعتراض کیا تھا۔ مگر سجدہ پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ صاحبان علم و فضل غور کریں۔

اس سے ثابت ہے کہ ملائکہ نے مسجود کو نہیں دیکھا بلکہ امر الٰہیہ کو دیکھا یا امر خدا فوراً مستعد و تیار ہو گئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ جب روح آدم پھونکی جا رہی تھی تو ملائکہ دیکھ رہے تھے غرض یہ تھی کہ نفخ روح کی تکمیل اور ہمارے سجدہ میں دیر نہ ہو یعنی فاصلہ اور وقفہ نہ ہو۔ وہ تیار اور منتظر تھے کہ تکمیل نفخ روح کے ساتھ بلا وقفہ سجدہ کریں۔ تاکہ امر خدا کی اطاعت میں فرق نہ آنے پائے۔

لیکن عزازیل سوچ رہا تھا کہ یہ تو غیر اللہ کے سجدہ کی تیاری کر رہے ہیں میں تو غیر اللہ کو سجدہ نہ کرونگا۔ کہ خدا نے غیر اللہ کے سجدہ کو حرام قرار دیا ہوا ہے۔ یہ کرتے ہیں تو کرتے رہیں میں تو غیر اللہ کے آگے سجدہ کرنے والا نہیں میں کبھی اس کا سجدہ نہ کرونگا۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی خطا ملائکہ کر لیں تو کر لیں میں تو اس خطا کا ہرگز شکار نہ بنونگا۔ وہ اسی ادھیڑ بن میں مصروف تھا۔ وہ غیر اللہ کے سجدہ کے جواز و ناجواز کو ہی سوچتا رہا ملائکہ کے ساتھ سجدہ آدم میں شامل نہ ہو سکا اپنے اسی خیال کو وہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

قال رب بما اغویتنی ۱۴/۳ اس نے کہا اے رب جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ کہ غیر اللہ کے سجدہ کو حرام قرار دیکر پھر عمل کرا رہا ہے۔ قال ءاسجد لمن خلقت طینا ۱۵/۲ وہ کہنے لگا میں اس کو سجدہ کروں جس کو تو نے مٹی سے خلق کیا ہے۔

پس شیطان اپنی رائے اجتہادی کی خطا میں پھنس گیا۔ وہ ایک

طرف آدم کو غیر اللہ سمجھ رہا تھا اور یہ ظاہر ہے آدم غیر اللہ ہی تھا۔ اللہ نہ تھا۔ اور دوسری طرف سے وہ اس رائے میں پھنس گیا کہ مٹی سے بنے ہوئے جسم کو کس طرح سجدہ کروں یہ بھی اس کا قیاس ظاہریت پر مبنی تھا۔ کہ آدم کا ظاہری وجود مٹی کا ہی تھا۔ لیکن اس کی اس اجتہادی و قیاسی رائے کو کفر میں کس نے داخل کیا وہ کافر کیوں کہلایا۔ حالانکہ اس نے اپنے عمل نہ کرنے کی دو وجہیں پیش کر دی تھیں۔ ایک غیر اللہ کے سجدہ کا حرام ہونا۔ دوسرا مٹی کے پتلے یعنی بشر کو اعلےٰ ماننا۔ لیکن ان دونوں امروں میں اس نے حکم خدا کی طرف خیال نہ کیا۔ کہ خدا کا امر کیا ہے وہ کیا فرماتا ہے۔ اسی لئے خدا نے فرمایا ہے (ففسق عن امر ربہٖ) پس اس نے اپنے رب کے امر میں فسق کیا۔ وکان من الکافرین ۱۵/۷ اور کافروں میں سے ہو گیا۔

اس سے ثابت ہے کہ امر رب کے بالمقابل اجتہادی رائے کافر بنا دیتی ہے۔ دراصل اس اجتہاد کے مسئلہ نے ہی بڑی خرابی پیدا کی ہے اور اس کی ابتداء اسی نے جاری کی ہے۔

اجتہاد کے اصلی مقام و ضرورت پر لکھنے سے منزل مقصود دور ہو جاتی ہے لہٰذا اشارہ ہی کافی ہے کہ اجتہاد تفقہ فی الدین کا دوسرا نام ہے اور دین مکمل ہو چکا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عمل کر کے دکھا دیا ہے اور صاحبان عصمت نے تین سو ساٹھ سال تک احکام شرعیہ کو واضح کر کے تعلیم دیدی ہے۔ جن لوگوں کا خیال ہے کہ بعد میں پیدا ہونے والے امور کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے ان کو ہمارے دین محمدی سے اور امت محمدی سے نکل جانا چاہیئے۔ کسی

نئے دین اور نئی نبوت کی امت میں داخل ہو جانا چاہئے۔ دین محمدی ان کو اپنے دامن میں لینا نہیں چاہتا اور بس۔ تفصیل طویل اور غیر محل ہے۔

پس اس غیر اللہ کے ہوّے نے سجدہ آدم کی اہمیت کو بالکل فنا کر دیا ہے اور اس سجدہ کی تاویلیں بھی اسی ہوّے نے پیدا کی ہیں۔ جن کا مقصد سجدہ آدم کی اہمیت کو نابود و برباد کرنا تھا۔ اور ان تاویلوں نے ہمارے بزرگوں کو بھی متاثر کئے بغیر نہیں چھوڑا یہ بھی کافی طویل بحث ہے۔

الغرض آدم کے سجدہ کو غیر اللہ میں داخل کرنے کا ہوّا اسی ابلیس نے پیدا کیا تھا اسی وجہ اس کو ابلیس بھی کہا گیا ہے اور اس کے اسی وسوسہ کو رفع کرنے کے لئے یہ چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں۔ تاکہ غیر اللہ کی شناخت ہو جائے حالانکہ ظاہر ہے کہ ملائکہ جو ابلیس سے کہیں زیادہ عالم اور خدا کے فرمانبردار اور وحدت کے پرستار اور غیر اللہ سے بیزار و پرہیزگار تھے انہوں نے نفخ روح کی تکمیل پر فوراً سجدہ کر دیا تھا جب وہ سجدہ کر رہے ہیں جن کے حق میں "لا یعصون بامر اللہ" آیا ہے تو پھر اس سجدہ کو غیر اللہ میں کیوں داخل کیا جا رہا ہے اور اس کے لئے سجدہ عبادتی اور سجدہ تعظیمی کی اصطلاحیں یا تاویلیں کیوں کی جاتی ہیں یہ سب امور ثابت کرتے ہیں کہ واقعاً سجدہ آدم غیر اللہ کا سجدہ تھا۔ خدا رحم کرے ہمارے احباب بھی غیر اللہ کی حد کو نہیں معلوم کر سکے۔ دراصل وہ جانتے ہیں اور سمجھے ہیں مگر آدم کے سجدہ کو غیر اللہ کا سجدہ بتانے والوں سے مرعوب ہو کر یہ تفریق و تاویل یا تمیز قائم کی ہے حالانکہ یہ واضح ہے جس طرح عبادت محض خدا کے لئے ہے اسی طرح عظمت بھی محض اسی کے لئے ہے۔

العظمة للّٰہ والشفقة علی خلق اللہ - فرمان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود و درخشاں ہے پس عبادت ہو یا کہ عظمت ہو سب ہی خداوند عالم کے لئے ہیں - یہ معلوم نہیں کہ سجدہ عبادتی اور سجدہ تعظیمی سے ان کی مراد کیا ہے اس واسطے اس پر کچھ لکھنا موزوں نہیں - لیکن لفظ عبادت و عظمت کے مفہوم کو عرض کیا جاتا ہے عظمت الٰہیہ پر کو حدیث بالا اور قرآن مجید (وھو العلی العظیم) ناطق ہے کہ عظمت صرف اللہ کے لئے ہے - اور تعظیم تصدیق دل اور اقرار زبان سے بھی ہو جاتی ہے - اور کسی کے لئے کھڑے ہونے سے بھی ہو جاتی ہے اور کسی کے آگے جھک جانے سے بھی ہو جاتی ہے اور کسی کے لئے سجدہ کرنے سے بھی ہو جاتی ہے اور ہوتی ہے - اور نماز میں جس کو عبادت کہا جاتا ہے اس میں یہ سب امور داخل ہیں - تصدیق دل بھی ہے اقرار زبان بھی ہے اور قیام و رکوع و سجدہ بھی ہے اور انہی افعال کا نام عبادت ہے بنا بریں اس تاویل سے فائدہ کیا ہوا اور فرق کیا ہوا - غور کریں کہ نمازی نماز میں یہ سب امور خدا کے لئے بجا لاتا ہے اور اس کی تعظیم کے لئے بھی بجا لاتا ہے - اور انہی افعال کو عبادت بھی مانا جاتا ہے - اور یہی امور نماز کے علاوہ ہر شخص اپنے استاد اور پیشنماز یا امام جماعت اور عالم دین مفتی دین اور ہر دولتمند اور جابر آدمی اور حکومت کے ہر ملازم وغیرہ کے لئے بھی عمل میں لاتا ہے ہاں سجدہ ہر وقت نہیں کیا جاتا - اس کے لئے خاص مقام ہوتے ہیں - جہاں یہ عمل بھی کر لیا جاتا ہے - اور یہی افعال ملائکہ نے بھی ادا کئے تھے - بتائیے کیوں کئے تھے - اگر غیر اللہ کو تعظیمی سجدہ کرنا جائز مانا جائیگا تو ہر شخص جو غیر اللہ کو سجدہ کرتا ہو اس کے عمل

کا جواز ثابت ہو جائیگا۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ شیطان جہاں جاہل کو گمراہ کرنے سے نہیں چھوڑتا وہاں عالم و فاضل مفتی و مجتہد کو بھی گمراہ کرنے سے باز نہیں رہتا۔ بلکہ ثابت ہے کہ وہ علماء و فضلاء وغیرہم کے دلوں میں وسوسہ ڈال کر زیادہ گمراہ کرتا ہے جس سے اس کو عوام کے گمراہ کرنے کی ضرورت نہیں رہتی وہی بزرگوار اس کا کام کرتے رہتے ہیں جس کا ظاہری ثبوت فرقہ ہائے اسلامی کے علماء و فقہا سے موجود ہے اسی لئے رسولؐ خدا نے فرمایا تھا:۔ اذا ضل العالم ضلّ العالم واذا فسد العالم فسد العالم۔

جب کوئی عالم گمراہ یا کہ فاسد ہو جائے تو وہ پورے عالم یعنی ملک بھر کو گمراہ اور فاسد بنا دیتا ہے۔ یہ واقعات ہر کس کی آنکھوں کے سامنے موجود ہیں ابلیس لعین نے خدا سے کہدیا تھا۔ قال رب بما اغویتنی لازینن لھم فی الارض ولاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم مخلصین ۱۴/۱۳ اس نے کہا اے رب جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی زمین میں ان کے لئے زینت دونگا اور ضرور ہی ان سب کو گمراہ کر دونگا سوائے تیرے مخلص بندوں۔

اس آیت میں مسلمین مومنین زاہدین فاضلین عالمین وغیرہم نہیں آیا بلکہ مخلصین آیا ہے اور خدا کے مخلص بندے وہی ہوتے ہیں جن کو خدا اپنی خاص روح عطا فرماتا ہے اور وہی خدا کے بندے انبیاء اللہ اور اوصیاء اللہ ہیں ان کے سوا دوسرا کوئی بھی ہو اس کی اغوا سے نہیں بچ سکتا۔ لہذا علماء کی کوئی تاویل قابل اعتبار نہیں ہوتی۔ جب تک کہ

خدا و رسولؐ اور امام کے فرمان کے مطابق نہ ہو۔ علماء کو تاویل قرآن کا کوئی حق نہیں مبنی بر ایں سجدہ آدم کی تاویلیں وہی صحیح ہونگی جو خدا و رسولؐ نے فرمائی ہو۔ اس کے بعد سجدہ عبادتی کے تحت غور کریں۔ کہ عبادت سے کیا مراد ہے۔ ویسے تمام مذاہب خاص قسم کے عمل کو عبادت خدا مانتے اور جانتے ہیں جس کا نام نماز و صلوٰۃ و بندگی اور پوجا و پرستش وغیرہم رکھا ہوا ہے لیکن مقصود یہ ہونا چاہیئے کہ خداوند عالم جس کی عبادت کی جاتی ہے وہ لفظ عبادت سے کیا مراد لیتا ہے وہ لفظ عبادت کو کن کن امور پر استعمال کرتا ہے جس سے اصل مقصد تک رسائی ہو سکے۔ اہل مذاہب کی اطاعت سے دین حاصل نہیں ہو سکتا کہ ہر مذہب نے عبادت کی علیحدہ صورت اختیار کر رکھی ہے اس لئے اس امر میں خدا کی طرف رجوع کرنا لازمی ہے۔ اور وہ فرماتا ہے۔ الم اعھد الیکم یا بنی آدم ان لاتعبد و الشیطٰن ۔ یٰس ۔ اے اولاد آدم کیا تم سے عہد نہ لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔

اس آیت میں خدا فرماتا ہے کہ میں نے تمام اولاد آدم سے اقرار و عہد لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا۔ مگر اولاد آدم نے اس اقرار و عہد کو بھلا دیا اور شیطان کی عبادت کرنے لگ گئے۔

لیکن پھر بھی اگر دنیا میں کسی آدمی سے پوچھا جائے کہ کیا آپ شیطان کی عبادت کرتے ہیں"۔ تو وہ شیطان کا نام سن کر اس کو کئی بے نقط کی سنا دیگا اور ساتھ ہی سائل کو بھی کچھ نہ کچھ کہدیگا۔ مگر کیا یہ درست ہے کہ وہ اس کی عبادت نہیں کرتا۔ غیر مسلم کو تو علیحدہ رکھو خود مسلمانوں کو ہی دیکھو کہ صحیح حدیث رسولؐ خدا کے مطابق تہتر فرقوں میں ایک فرقہ

جنتی اور ہدایت یافتہ ہے باقی سب فرقے گمراہی پر ہیں۔ پس مسلمانوں کے جو فرقے گمراہی پر ہیں ان کی گمراہی کا سبب کیا ہے وہی شیطان کی عبادت حالانکہ ہر مسلمان شیطان پر لعنت کرتا ہے لیکن پھر بھی گمراہی پر چل رہا ہے جس سے ثابت ہے کہ مسلمانوں کے بہتر فرقے باوجود شیطان پر لعنت کرنے کے بھی اس کی عبادت کرتے ہیں۔

پس اس سے معلوم و ثابت ہوتا ہے کہ اس آیت میں عبادت سے مراد شیطان کی اطاعت ہے۔ لہذا خداوند عالم کی عبادت سے مراد اطاعت و تابعداری ہے۔ اور اسی امر کو خدا نے دوسری طرح بیان فرمایا ہے۔ ارءیت الذی من اتخذ الٰھہٗ ھونٰہٗ ۱۹/۲ و ۲۵/۱۹ کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے۔

اس فرمان سے ثابت ہے کہ اپنی خواہش پر چلنے والا اپنی خواہش کو ہی خدا مانتا ہے جس سے واضح ہے کہ خواہش کی اطاعت کرنا اس کو خدا بنا لیتا ہے۔ لہذا یہی اطاعت اس کی عبادت میں شمار ہوگی۔ اس بیان سے ثابت ہے کہ خداوند عالم کے ہر حکم کی اطاعت کرنا اس کی عبادت میں داخل ہے۔ پس ملائکہ کا بامر اللہ آدم کا سجدہ کرنا ان کی عبادت اور آدمؑ کی عظمت میں داخل تھا۔ جس نے حکم خدا سے انکار کیا اسی نے آدمؑ کو غیر اللہ سمجھا۔ اسی نے غیر اللہ کا اعتقاد جاری کیا۔

پس حکم خدا کی اطاعت کرنا ہی عبادت ہے اسی واسطے مسلمان کا ہر وہ فعل جو حکم خداؑ کے تحت ہو عبادت میں داخل ہے۔ خواہ کسی قسم کا ہو۔ اور زندگی کے کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتا ہو۔

مثلاً ایک مسلمان کو جب پاک و حلال آب و غذا نہ ملے اور

وہ بھوک و پیاس سے ہلاکت کے قریب ہو جائے تو اس حالت میں نجس اور حرام آب و غذا جان بچانے کی غرض سے بحکم خدا کھا لینا اپنی جان ہلاکت سے بچا لینا بڑی اعلےٰ عبادت میں داخل ہے اور اگر وہ نجس و حرام آب و غذا کی ممانعت خدا کو مدنظر رکھ کر نہ کھائے اور ہلاک ہو جائے یعنی مر جائے تو ایک مسلم اور مومن کے قتل عمد کا مجرم ہو کر جہنم کی دائمی سزا کا مستحق ہو جائیگا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ دراصل حکم خدا کی اطاعت ہی اصل عبادت ہے۔ خواہ کسی امر اور فعل میں ہو لہذا ہر وہ سجدہ جس کے کرنے کا حکم خدا دے عبادت میں داخل ہے۔ اس بنا پر ملائکہ کا آدم کو سجدہ کرنا عبادتی سجدہ تھا۔ لہذا تاویلات یا کہ توجیہات قابل اعتماد نہ رہیں پس ملائکہ کے عمل نے ثابت کر دیا کہ آدم کا سجدہ غیر اللہ نہ تھا بلکہ بامر اللہ تھا۔ خداتعالےٰ نے ملائکہ کو آدم کے سجدہ کا حکم دیکر امر فرما کر اس سجدہ کو غیر اللہ کی حد سے باہر کر دیا تھا۔ اگر ملائکہ بغیر امر خدا اپنی طرف سے اپنی مرضی و خواہش سے آدم کا سجدہ کرتے تو ان کا یہ سجدہ ضرور غیر اللہ کا سجدہ ہوتا جس کی سزا وہی ہوتی جو ابلیس کو دی گئی کہ اس نے اس سجدہ کو غیر اللہ کا سجدہ جان کر ہی انکار کیا تھا۔

پس جو فعل بامر اللہ کیا جائے وہ غیر اللہ میں داخل نہیں ہوا اور جو فعل بلا امر اللہ کیا جائے وہی غیر اللہ میں داخل ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص صبح کی نماز تین یا چار رکعت پڑھے تو اس کی نماز غیر اللہ کی ہو گی۔ کہ خداتعالےٰ نے اس طرح پڑھنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ ظاہر ہے اس نے کوئی برا عمل نہیں کیا نماز پڑھی ہے مگر خدا نے اس طرح پڑھنے کا حکم نہیں دیا لہذا یہ اس کی نماز غیر اللہ کی نماز ہو گی۔

پس جس فعل کا خدا حکم دے وہ غیر اللہ نہیں ہوتا اور جس فعل کا خدا حکم نہ دے انسان خود اپنی طرف سے کرے وہی غیر اللہ میں داخل ہوگا۔

پس ملائکہ کے عمل نے بلکہ خدا کے حکم نے علماء کی تاویلوں اور توجیہوں کا دروازہ بند کر دیا ہوا ہے۔ کیونکہ موجودہ علماء سے ملائکہ کہیں زیادہ عالم اور عارف تھے ابلیس اسی امر کو نہ سمجھنے کی وجہ سے انکار کر گیا کہ وہ امر اللہ کو غیر اللہ جانتا رہا۔ ممکن ہے کہ بعض حضرات امر اللہ کو پس پشت ڈال کر سجدہ آدمؑ کو دیکھتے رہیں لہٰذا ان کو سمجھانا ہمارے بس کا روگ نہیں۔

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔ خدا سے تو کوئی پوچھ ہی نہیں کہ تو نے ایسا کیوں کیا یا کہ ایسا کیوں نہ کیا یا ایسا حکم کیوں دیا اور ایسا حکم کیوں نہ دیا۔ کہ یہی سوال ہی شیطان اور نافرمان بنا دیتا ہے لہٰذا ہماری تو مجال نہیں کہ یہ کہہ سکیں کہ خدا نے سجدہ آدم کا حکم کیوں دیا۔ ہم بندے ہیں بندوں کا کام ہے حکم کی اطاعت کرنا اور تسلیم کر کے عمل کرنا اور یہی عبدیت اور عبودیت کی علامت اور نشانی ہوتی ہے خدا کے امر و حکم پر چوں چراں کرنا ہی عبدیت و عبودیت سے خارج ہونے کی علامت ہے۔

اور یہ ظاہر ہے کہ خداوند عالم حکیم مطلق اور حکیم ازلی ہے اور فعل حکیم کبھی حکمت سے خالی نہیں ہوا کرتا۔ "فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ" مشہور و معروف ہے لہٰذا خدا کا ملائکہ کو سجدہ آدمؑ کا امر کرنا حکمت سے خالی نہیں اور یہ حکم بشریت آدمؑ کو بیان فرما کر نفخ روح کی تکمیل کے ساتھ دیا گیا ہے چونکہ آدمؑ کی خلافت کا اعلان ہو چکا تھا

اس لئے اب ان کی خلقت کا ذکر کرکے ان کی خلافت کی حرمت اور عظمت کو اپنی حرمت وعظمت میں داخل اور ثابت کرنے کے واسطے اپنی مقرب بارگاہ مخلوق کو انتہائی ذلت اور عجز کے عمل سجدہ کا حکم دے دیا۔جو محض اسی کی ذات سے ہی مخصوص تھا۔ اور اب بھی ہے کہ غیر اللہ کا سجدہ قطعاً حرام ہے۔ مگر جب خدا ہی کسی کا سجدہ کرائے تو اب حرام نہیں بلکہ واجب ہے نہ کرنے والا کافر ہے۔ ابی واستکبرا وکان من الکفرین۔

پس خداوند عالم کا حضرت آدمؑ کو سجدہ کرانا محض اپنی خلافت کی عظمت ثابت کرنے کے واسطے ہی تھا۔ اور اسی خلافت کی عظمت کے لئے اپنے خلیفہ کو وہ علم بھی عطا فرمایا جو خلیفہ کے لئے ضروری ولازمی تھا اور ملائکہ کو خلیفہ نہیں بنانا تھا۔ اس وجہ سے ان کو وہ علم بھی نہ عطا فرمایا جس کا تعلق خلافت سے لازمی تھا۔ اور اس حکمت اور مصلحت سے اس امر کو ظاہر اور واضح فرمایا کہ یہ میرا خلیفہ سب سے پہلا خلیفہ ہے۔ اس کے بعد جو میرے اور خلیفے ہونے ہیں جن کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوگی جن میں سے یہ اول ہے یعنی پہلا ہے جو علم اور عظمت میں اپنے بعد ہونے والے خلفاء الٰہیہ سے کم درجہ ہے

نرفع درجٰت من نشاء وفوق کل ذی علم علیم ۱۳/۲ ہم جس کے چاہتے ہیں درجات کو بلند کردیتے ہیں اور ہر صاحب علم پر علیم کو فوقیت حاصل ہوتی ہے۔ جیسا کہ تمام خلفاء اللہ انبیاء علیہم السلام کے حالات اور درجات سے واضح ہے۔ پس جب میری مقرب مخلوق ملائکہ اس پہلے خلیفہ جو سب سے کم درجہ اور علم میں بھی ان سے کم ہے کا علم اور

عظمت میں مقابلہ و موازنہ نہیں کر سکتے تو اس کے بعد آنے والے خلفاء سے کس طرح کر سکیں گے۔

یہ یاد رہے کہ ملائکہ کے لئے کسی امر میں ترقی و بلندی درجات نہیں ہوتی ان کو جو کچھ عطا ہو چکا ہے وہ اول دن سے ہی عطا ہو چکا ہے۔ وما منا الا لہ مقام معلوم ۲۳/۹ اور ہم میں سے جو بھی ہے اس کا ایک مقام مقرر اور معلوم ہے۔ پس ملائکہ اپنے مقام مقررہ سے بالا نہیں بڑھ سکتے۔ اور خلفاء اللہ انبیاء علیہم السلام کے درجات اور علم میں بلندی ہوتی رہی ہے۔ جو مقام ختم پر آکر نکتہ واحد پر رک گئی درجات کی ترقی تو رک گئی مگر علم کی ترقی یعنی زیادتی حسب ضرورت ہوتی رہیگی۔ کل یوم ھو فی شان ۲۷/۱۲ خدا کی شان ہر روز بڑھتی رہیگی جس سے ہمارے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم بھی اس کے شان کے مطابق بڑھتا رہیگا۔

پس سجدہ آدمؑ کی وجہ خلیفہ خداؑ کی شناخت بھی تھی کہ خلیفہ خداؑ وہ ہے جو مسجود ملائکہ ہو سکے۔ لہٰذا خلیفہ خداؑ کا سجدہ غیر اللہ میں داخل نہیں بلکہ خدا کا سجدہ ہے کہ خدا کی خلافت کی وجہ اور عظمت سے سجدہ ہے اور بامر اللہ ہے۔

ھل من ناصر غیر اللہ

کیا خدا کے سوا کوئی اور ناصر و مددگار ہے۔ بلا شک خدا ہی سب کا ناصر ہے وہی مددگار ہے۔ لیکن خداوند عالم فرماتا ہے :-

(۱) یایھا الذین امنوا ان تنصروا اللہ ینصرکم ۲۶/۵ اے ایمان والو اگر تم اللہ کی نصرت کروگے تو وہ بھی تمہاری نصرت و مدد کریگا۔

(۲) ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب ۲۷/۲۰ تاکہ خدا بھی معلوم کرے کہ اس کی اور اس کے رسولوں کی بن دیکھے کون نصرت کرتا ہے۔

(۳) یاایہا الذین امنوا کونوا انصار اللہ کما قال عیسے بن مریم الحواریین من انصاری الی اللہ ۲۸/۱۰ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی نصرت کرو جیسا کہ عیسے بن مریم نے اپنے حواریوں سے کہا تھا کون میری نصرت خدا کے لئے کریگا۔

(۴) ولینصرن من ینصرہ ۱۷/۱۳ اور اللہ تعالیٰ ضرور اس کی نصرت کریگا جو اس کی نصرت کرے۔

(۵) الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ ۱۰/۱۲ اگر تم اس کی نصرت نہ کروگے تو بے شک اللہ تعالیٰ نے اس کی نصرت کی۔

(۶) ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین ۱۰/۲ اللہ وہی ہے جس نے اپنی اور مومنین کی نصرت سے تجھے طاقت دی۔

(۷) واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً = ۱۵/۹ اور بنا میرے واسطے اپنے پاس سے ایک غالب نصرت کرنے والا۔

پہلی چار آیات مذکورہ سے واضح ہے کہ خدا تعالیٰ خود اور اس کے رسول بھی مومنین سے نصرت طلب کرتے رہتے ہیں جس سے ثابت ہے کہ مومنین سے نصرت طلب کرنا غیر اللہ کی نصرت میں داخل نہیں۔ اور اس کے بعد کی دو آیات میں خداوند عالم اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بندوں سے نصرت دینے کا ذکر فرماتا ہے۔ اور تیسری آیت میں فرماتا ہے کہ تو مجھ سے ایک غالب نصرت کرنے والا طلب کر۔ جس سے ثابت ہے کہ

ایّاک نستعین سے طلب نصرت از بندگان مراد نہیں ہے۔ یہ مراد غیر اللہ کے قیاسی وسواسی اور تقلیدی ہوئے اور ضد وہٹ دھرمی نے بنالی ہے۔ جو حقیقت کے خلاف ہے۔

اس مقام پر سنّی و شیعہ حضرات تحریراً و تقریراً اور عقیدۃً گرفتار ہیں اہلسنت والجماعت حضرات خواہ کسی فرقہ سے تعلق رکھنے والے ہوں سب ہی تحریراً و تقریراً اقبالی ہیں کہ رسول خدا صلعم نے خداوند عالم سے دعا کی تھی کہ خداوندا ابوجہل یا عمرؓ ابن خطاب کو مسلمان بنا کر تبلیغ اسلام میں میری نصرت فرما جس کے بعد خدا نے حضرت عمرؓ کے دل میں اسلام کی محبت ڈالی اور وہ مسلمان ہو گئے تو ان کی نصرت سے اسلام اور باقی اسلام کی قوت بڑھ گئی۔ جس کو فخریہ بیان کیا جاتا اور اعتقاد بھی رکھا جاتا ہے جس سے ثابت ہے کہ رسول خدا ص اور خود خدا بھی بندوں کی نصرت کے محتاج تھے لہٰذا ایاک نستعین سے طلب نصرت از بندگان کی ممنوعیت مراد نہیں اور حضرات شیعہ تو کامل ایمان و یقین رکھتے ہیں کہ سلطاناً نصیراً سے مراد امیر المومنین علیہ السلام کی ذات اقدس ہے اور یہ واقعتاً ہی صحیح ہے حضرت عمرؓ کے متعلق صرف روایت ہی ہے۔ جس کی نفی لغت میں اور روایات بھی موجود ہیں جن کا بیان کرنا اہل مناظرہ کا فریضہ ہے ہم مناظرہ نہیں لکھ رہے بلکہ طلب نصرت از آئمہ طاہرین علیہم السلام کے جواز میں گواہیاں پیش کر رہے ہیں۔ لیکن ایمانی فریضہ کے تحت ان دونوں روایات کی صحت کے واسطے واقعات کو پیش کر کے نتیجہ عرض کرتے ہیں۔

جنگ خیبر در پیش ہے قلعہ قاموس کے سوا اور مفتوح ہو چکے ہیں۔

لہ حسب روایت

اس قلعہ کی فتح حاصل نہیں ہو رہی - فوج اسلام اس کی فتح سے مایوس ہو چکی ہے اور بنا بر مشہور فتح کے وعدہ کی میعاد میں ایک دن باقی ہے اور یہودی لوگ فوج اسلام کی ناکامیابی سے مطمئن ہو چکے ہیں اور اپنی فتح کی امید کو واقعہ ہونے کی صورت کے منتظر ہیں - بانی اسلام حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حالات دیکھ رہے ہیں وحی جبرائیل کا انتظار رہے اچانک امین وحی جبرائیل علیہ السلام کا نزول ہوتا ہے حکم خدا مل جاتا ہے - فوج اسلام فریضیہ مغربین ادا کرنے کو خدمت رسول خدا میں حاضر ہے - آپ اعلان فرماتے ہیں -

مسلمانوں مطمئن رہو - میں کل علم جنگ اس مرد کو دونگا عطا کرونگا جو کرار یا ربار حملے کرنے والا ہے اور غیر فرار ہے جس نے کبھی فرار نہیں کیا - وہ خداؐ اور اُس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسولؐ اُس کو دوست رکھتے ہیں - خدا اس کے ہاتھ پر فتح دیگا - لاعطین الرایۃ غداً رجلاً کراراً غیر فرار یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ یفتح اللہ علے یدیہ - اس اعلان میں حضرت رسولؐ خدا نے نام نہیں لیا بلکہ چند صفتیں بیان فرمائی ہیں -

(۱) پہلی صفت میں اس کو رجل یعنی مرد فرمایا ہے - پس یہ ظاہر ہے کہ فوج اسلام میں سب مرد ہی تھے لیکن صفت مردانگی میں کامل نہ تھے - مگر جس کو کل علم جنگ ملتا ہے وہ کامل بلکہ اکمل اور اکمل تر مرد ہے -

(۲) دوسری صفت کرار بیان فرمائی ہے یعنی بار بار حملہ کرنا اس سے ثابت ہے کہ جنگ خیبر میں شامل ہونے والے مسلمانوں میں اس صفت والا اور کوئی شخص نہ تھا - اگر کوئی اور بھی ایسا ہوتا تو یہ

تشخیص وشناخت اور علامت مشترک ہو کر بیکار ہوتی۔ جس سے تکذیب اعلان رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلکہ تکذیب وحی خدا پیدا ہو جاتی لہذا سوائے اس کے اور کوئی مسلمان ایسا نہ تھا۔

(۳) تیسری صفت غیر فرار بیان فرمائی ہے۔ یعنی فرار کی صفت کا غیر ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ کسی مقام اور کسی امر میں صفت فرار اس کے قریب نہیں جا سکتی۔ ورنہ غیر فرار بامر تعیین ومشخص وممیز بیان ہوتا لہذا اس صفت کا بھی اور کوئی مسلمان نہ تھا۔

(۴) چوتھی صفت اس کی یہ بیان فرمائی ہے کہ اللہ اور اس کا رسولؐ اس کو دوست رکھتے ہیں۔ مجموعی صورت میں کہا جا سکتا ہے کہ خداؐ سارے مسلمانوں سے راضی ہے (رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ) وغیرہ۔ لیکن اس طرح فرد واحد کے لئے مشخص ومعین کر کے خصوصی صورت میں کسی فرد کے لئے کوئی حکم ایسا صادر نہیں ہوا جو کسی کو مخصوص ومشخص کر سکے۔ لہذا یہ حکم اس کے لئے فیصلہ کن شناخت اور شہادت ہے جس کو کل عَلَم جنگ عطا ہوتا ہے

(۵) پانچویں صفت اس کی یہ فرمائی ہے کہ وہ خداؐ اور اس کے رسولؐ کو دوست رکھتا ہے۔ کون سا مسلم ہے جو خداؐ اور رسولؐ کو دوست نہ رکھتا ہو لیکن اوروں کی دوستی کی تصدیق نہیں کی گئی۔ صرف دعوٰی ہی دعوٰی ہے۔ تصدیق وشہادت دعوٰی مفقود ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس کی دوستی کی تصدیق وشہادت بغیر اس کے دعوٰی کرنے کے خداؐ اور رسولؐ نے فرما دی ہے۔ پس ایسا شخص بھی مسلمانوں میں اور کوئی نہ تھا۔

(۶) چھٹی صفت اس کی یہ بیان فرمائی ہے کہ خدا نے فتح کو اس کے قبضہ میں دے دیا ہے وہ بلا فتح کبھی واپس نہ ہوگا جہاں جائیگا فتح کر کے واپس آئیگا بلا فتح کبھی واپس نہ ہوگا۔ پس ایسا آدمی بھی مسلمانوں میں اور کوئی نہ تھا۔ اسی لئے ڈاکٹر اقبال مرحوم کو کہنا پڑا ہے اور حق کہا ہے۔ ؎

اسلام کے دامن میں اور اس کے سوا کیا ہے
اِک ضرب یداللّٰہی اک سجدہ شبیری

پس اگر خدا نے حضرت عمرؓ کو غلبہ اسلام کے لئے رسول خداؐ کی دعا سے مسلمان بنایا ہوتا تو فتح خیبر کا علم ان کو ہی عطا فرمایا ہوتا۔ لیکن ایسا نہ ہوا جس سے روایت کی تصدیق نہیں ہوتی۔ حالانکہ تاریخ بیان کرتی ہے کہ خود وہ فرمایا کرتے تھے کہ "میں نے اس دن کے سوا کبھی امیر لشکر بننے کی خواہش نہیں کی" (کوکب دری ص ۳۵۵) وغیرہ

اور یہ بھی خیال رہے کہ اس دن سے پہلے باری باری سب حضرات کو علم جنگ عطا ہوتا رہا تھا۔ لیکن وہ اس شمار میں نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے ساتھ یہ چھ زرّین تمغے نہ تھے۔ لیکن قسمت نے ساتھ نہ دیا۔ اگر اس وقت بھی فتح حاصل کر لیتے تو روایت مذکورہ کی کچھ تو تائید ہو جاتی لہذا یہ روایت صرف روایت ہی رہی۔ جس کا تعلق واقعہ اور درایت سے قطعاً نہیں۔

دوسرا دن طلوع ہوا تو فوج اسلام کے سردار دربار رسالت پر علم جنگ حاصل کرنے کو رنگ برنگ کی امیدوں اور لباسوں کے ساتھ حاضر ہو گئے۔ تاریخ خبر دیتی ہے کہ بعض سردار پنجوں کے بل کھڑے

تھے تاکہ رسولؐ کی نظر سے پوشیدہ نہ رہ جائیں۔ وغیرہ۔ یہاں سے
علم فتح ملنے والے کی بابت تاریخ میں دو طرح کے بیان درج ہیں۔
(۱) ایک بیان یہ ہے۔ کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام بھی
ساتھ گئے تھے اور خیبر میں موجود تھے۔ مگر آشوب چشم کی وجہ سے جنگ
کے لائق نہ تھے اور نہ ہی سرداران فوج میں اس وقت موجود تھے۔
پس حضورؐ انور نے سب پر نظر ڈال کر فرمایا کہ علیؑ کو بلاؤ عرض کیا گیا
کہ وہ آشوب چشم کے باعث چلنے سے معذور ہیں فرمایا اسی حالت
میں ہاتھ پکڑ کر لے آؤ۔ پس لائے گئے رسولؐ خدا نے اپنا لعاب
دہن مبارک اُن کی آنکھوں میں لگایا فوراً شفا ہوئی تو علم فتح جنگ
خیبر ان کو عطا فرمایا۔
(۲) دوسرا بیان یہ ہے۔ کہ حضرت علی علیہ السلام آشوب چشم
کی وجہ سے مدینہ میں ہی رہ گئے تھے۔ آپ کے ساتھ خیبر میں نہ جا
سکے تھے۔ رسولؐ خدا ؐ نے بوقت شب بحکم رب ان الفاظ میں
آواز دی جو جبرئیل علیہ السلام کی زبان سے اس طرح ادا ہوئے۔
ناد علیاً مظہر العجائب۔ تجدہ عوناً لک فی النوائب۔
کل ھم و غم سینجلی۔ بعلی بعلی بعلی بعلی۔ یہ دعائے ناد
علیؑ کے نام سے آج بھی کتب فریقین میں موجود ہے جس سے ثبوت ملتا
ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بحکم خدا بروز فتح خیبر حضرت علی
علیہ السلام کو اپنی مدد کے لئے پکارا آواز دی، ندا کی جس سے حضرت
امیرالمومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مدد طلب کرنا سنت رسول
خدا اور جائز کا منصوصی ثبوت ملتا ہے۔ جس کی تفصیل اور بھی

آتی ہے۔

پس اس بیان سے ثابت ہوا کہ حضرت علی علیہ السلام سے طلب تصرت کرنا ایاک نستعین کے قطعاً خلاف نہیں کیونکہ بامر اللہ اور سنت رسولؐ خدا ہے جس پر اعتراض کرنا۔ جہالت یا جاہدانہ انکار پر مبنی ہے۔ لہٰذا ہمارے فاضلین حضرات کو اعتراض سے اجتناب کرنا اور سابقہ عمل سے توبہ کرنا فرض ہے۔

نادعلیؑ پر دیوبندی فاضلیت کے ایک نئے اعتراض کی خبر ۱۳ مارچ ۶۶ئ کے دن علیرضا آباد علاقہ نواب صاحب میں ملی ہے جس کا ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے تاکہ اس اعتراض کا جواب ہو جائے۔ اور وہ یہ ہے کہ ایک سیّد صاحب جن کا نام ہمیں معلوم نہیں اور نہ ہی پوچھا تھا ہمارے سید کسراں ضلع راولپنڈی کے چند میرے عزیزوں کے ساتھ کھانا کھانے میں وہ دونوں بھائی شریک تھے دوران گفتگو میں مولانا حافظ سیف اللہ صاحب مدظلہ کے بیان کا ذکر پیش ہو گیا تو اس سیّد صاحب نے فرمایا کہ حافظ صاحب قبلہ آج کل ہمارے ہاں ہیں ان سے اس قسم کا کبھی بیان نہیں سنا گیا۔ ہاں وہ فرمایا کرتے ہیں کہ لوگ اچھا جانیں یا کہ بُرا مانیں میں احکام دین کی تبلیغ سے باز نہ آؤنگا یہ سُن کر سب نے کہا کہ یہ تو حق ہے اس سے بُرا ماننے والے تو دین کو بُرا ماننے والے ہیں ہمارا مقصد تو اس بیان کی اشاعت پر ہے۔ کہ (وہ فرماتے ہیں کہ ہر آدمی اپنے احاطہ اور وسعت کے اندر مشکل کشا ہے اسی طرح حضرت علی بھی اپنے احاطہ کے اندر مشکل کشا ہیں) تو اس سیّد صاحب نے فرمایا نہیں یہ کبھی ہم نے ان سے نہیں سنا۔

البتہ یہ بات ان سے سنی گئی ہے کہ (وہ فرماتے ہیں کہ نادعلی میں لفظ ناد کا مخاطب رسولؐ تھا جس کو پکارنے کا امر کیا گیا تھا - اور آپ لوگ جب اس نادعلیؑ کو پڑھتے ہیں تو کس کو امر کرتے ہیں - اس واسطے اس دعا کو نہیں پڑھنا چاہئیے) چنانچہ میں خود پڑھا کرتا تھا - اب نہیں پڑھتا صرف یا علیؑ ادرکنی پڑھتا ہوں -

اس بات کو سن کر میرے عزیز سید سجاد حسین شاہ صاحب صوبیدار میجر پنشنر بول اُٹھے اور کافی گفتگو کی جس پر وہ سید صاحب بولے کہ ہم ان سب باتوں کے قائل ہیں اور مانتے اور ایمان رکھتے ہیں - مگر مقصد یہ ہے کہ نادعلیؑ میں رسولؐ کو فرمایا گیا تھا کہ تو علیؑ کو آواز دے - اب ہم جو پڑھتے ہیں تو کس کو کہتے ہیں کہ تو علیؑ کو آواز دے - اس کے جواب میں عزیز سجاد حسین شاہ بولے تو میں نے ان کو روک دیا کہ آپ ان کو مناظر سمجھ کر گفتگو کر رہے ہیں یہ مناظر نہیں ایک سائل ہیں - انہوں نے مولانا صاحب سے سنی ہوئی بات بیان فرمائی ہے جس کا جواب آپ کے پاس نہیں لہذا آپ سنئیے - یہ کہہ کر میں نے ان سے عرض کی جناب شاہ صاحب یہ اعتراض اس علم کی بنا پر کیا گیا ہے جس کو مولانا صاحب مدظلہ نے دیوبند کے مدرسہ یا کالج وغیرہ سے حاصل کر کے فاضلیت کی ڈگری حاصل کی ہے - (تو انہوں نے تصدیق کی ہاں ٹھیک ہے) تو میں نے عرض کی کہ جب مولانا صاحب دیوبند سے فاضلیت کی سند لے کر اپنے مقام پر تشریف لائے تو نماز کے لئے وضو میں اسی علم کی بنا پر پاؤں کو دھویا کرتے تھے - اس وقت ان کو اس علم نے کوئی ہدایت

نہ کی کہ وضوء میں خدا نے پاؤں کو دھونے کا حکم نہیں دیا بلکہ مسح کا حکم دیا ہے۔ مولانا صاحب مدظلہ شیعہ ہونے تک اسی علم کی روشنی میں اسی ابیت وضو سے پاؤں کو دھونا واجب و فرض سمجھتے رہے۔ شیعہ ہونے کے بعد ان کے پاس علم وہی ہے۔ لیکن اب وہی علم ان کو کہتا ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح کرو۔ کہ خدا نے دھونے کا حکم نہیں دیا۔ جب وہ اہلسنت تھے تو یہی علم ان کو پاؤں کو دھونا بتاتا تھا۔ جب وہ شیعہ اہلبیت میں داخل ہو گئے تو یہی علم ان کو پاؤں پر مسح کرنا بتاتا ہے۔ پس اگر یہ علم ان کو ہدایت کر سکتا — تو اول دن فاضل ہونے سے ہی ان کو ایک عمل پر قائم رکھتا جو علم ان کو سنی ہوتے ہیں اور عمل بتائے اور شیعہ ہوتے ہیں اور عمل کرائے تو ایسے علم کی بنا پر اعتراض کرنے کو کس طرح حق مان لیا جائے۔ اس بات کے بعد وہ بولنے لگے تو ان کے چھوٹے بھائی صاحب نے روک دیا کہ بس بات ختم ہو گئی ہے جس کو آپ نہیں سمجھ رہے جواب کافی ہو گیا اتنے میں اور لوگ مہمان آ گئے جن کے لئے جگہ خالی کرنی پڑی تو باہر نکل کر مجلس میں چلے گئے۔ مزید کوئی گفتگو نہ ہو سکی۔ اب اس بات پر ایک جملہ اور عرض کر کے اپنے مقصد پر آتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ اعتراض کی اس بنا پر جس کو مولانا مدظلہ نے قائم فرمایا ہے۔ ہم مولانا صاحب مدظلہ سے عرض کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی بے شمار آیات میں اور چاروں قل کی سورتوں میں لفظ قل موجود ہے۔ جس میں خدا نے رسولؐ کو مخاطب فرمایا ہے۔ اب مولانا صاحب مدظلہ سے عرض ہے کہ وہ قرآن پڑھتے وقت یا کہ ان سورتوں کو پڑھتے

وقت اس لفظ قل کو چھوڑ دیتے ہیں یا کہ پڑھتے ہیں۔ اگر چھوڑ دیتے ہیں تو معاذ اللہ (.....) وہ اور ناظرین خود فیصلہ کریں اور اگر پڑھتے ہیں، تو خدا کا خطاب رسولؐ کی طرف تھا اب مولانا مدظلہ کس کو خطاب کرتے ہیں۔ فما ھو جوابنا فھو جوابکم۔ جو جواب اس کا ہمیں دینگے وہی ہمارا جواب سمجھ لیں۔

اس واقعہ کو عرض کرنے کی غرض یہ ہے کہ مولانا صاحب مدظلہ اس لئے شیعہ ہوئے ہیں کہ در اہلبیتؑ سے جنت کی رسید حاصل کر لیں۔ لیکن عمل یہ کر رہے ہیں کہ شیعان اہلبیتؑ خصوصاً اولاد اہلبیتؑ کو ساتھ لے کر دیوبندی گمراہی میں داخل کر رہے ہیں جس کو ترک کر کے آئے ہیں۔ انہیں اہلبیتؑ رسولؐ سے خالص عقیدت پیدا کرنی چاہئے اور خاندان سادات میں سے کسی عارف مستبصر سے رابطہ رکھنا چاہئے۔

ھل من معین غیر اللہ

کیا کوئی سوائے خدا کے اعانت کر سکتا ہے بے شک وشبہ کوئی نہیں کر سکتا۔ خداوند عالم ہی اعانت و معاونت کرنے والا ہے۔ لیکن خداوند عالم فرماتا ہے۔ تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان ۵/۲ نیکی اور پرہیزگاری کے کام میں دوسروں کی مدد کرو اور گناہ اور نافرمانی میں کسی کی مدد اعانت نہ کرو۔ اس آیت مبارکہ میں اعانت و معاونت کرنے کا حکم اور امر فرمایا گیا ہے جس سے ثابت ہے کہ اعانت و معاونت کرنا فرض ہے اور یہ فریضہ نبی و رسولؐ اور امام پر بھی فرض ہے لہذا نبی و رسولؐ امام پر فرض ہے

کہ وہ لوگوں کی اعانت ومعاونت کریں۔ جب ان پر لوگوں کی اعانت ومعاونت کرنا فرض ہے تو پھر لوگوں کا ان سے اعانت ومعاونت طلب کرنا اعانت ومعاونت کے لئے ان کو پکارنا بلانا بھی جائز ہوا۔ اور اسی طرح عوام کو بھی اعانت ومعاونت کے لئے پکارنا بلانا جائز ہوا۔ لہٰذا یہ عمل ایاک نستعین کے خلاف نہیں ہے۔ ورنہ اس کا امر نہ دیا جاتا۔ اس سے معلوم و ثابت ہے کہ اس امر کو غیر اللہ میں داخل کرنا صریحاً قیاس اور وسواس ہے۔

اب رہا ان کا یہ اعتراض کہ اعانت ومعاونت زندہ سے طلب کرنی جائز ہے مردہ سے طلب کرنا جائز نہیں۔ تو دراصل یہ اعتراض معترض کی جہالت یا جاحدیت پر مبنی ہے کہ وہ نہ تو موت اور زندگی کو سمجھتا ہے اور نہ ہی رسول خدا اور امام کی معرفت رکھتا ہے اور نہ امام کی غیبت کو جانتا ہے جس کے لئے علیحدہ مضمون و بحث کی ضرورت ہے۔ اردو خواندہ حضرات علامہ محمد سبطین مرحوم اعلی اللہ مقامہ کے مضمون (وسیلہ اور توحید اسلامی اور عقائد الاسلام و تعلیم الامام کو البرہان کے پرچوں میں دیکھیں) غالباً اگست ۱۹۳۶ء سے لے کر تا آخر۔

اہل اسلام نے موت اور زندگی کا مفہوم غیر اسلام سے اخذ کیا ہے۔ اس سے اس قسم کی خرابیاں پیدا ہوگئیں ہیں تعلیم اسلام میں موت کا وہ مفہوم نہیں جو غیروں میں ہے۔ بہر حال ایاک نستعین کا یہ مفہوم نہیں جو لیا جا رہا ہے۔ پس جس طرح اعانت ومعاونت کرنا فرض ہے اسی طرح طلب کرنا بھی فرض ہے جیسا کہ امر ہوا ہے

یاایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ۲/۱۵۳
اے ایمان والو صبر اور صلوٰۃ سے اعانت طلب کرو۔

اس آیہ مبارکہ میں اعانت طلب کرنے کا امر فرمایا گیا ہے۔ لیکن طلب اعانت صبر اور صلوات سے ہے انسانوں سے نہیں اس مفہوم کے مطابق یہ تو ثابت ہو گیا کہ صبر اور صلوات ایاک میں داخل نہیں کہ ایاک سے مراد صرف ذات احدیت ہی ہے اور صبر اور صلوٰۃ خدا نہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ جو اعانت ایاک نستعین سے مراد ہے وہ اور ہی ہے۔ اور جس سے ایک کا اطلاق دوسری پر نہیں ہو سکتا۔ لیکن طلب اعانت از غیر اللہ کا جواز ثابت ہو گیا کہ غیر اللہ سے طلب اعانت کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ بامر خدا فرض ہے کہ استعینوا امر ہے اور امر وجوب کو چاہتا ہے امر واجب پر عمل کرنا فرض ہوتا ہے۔

لہٰذا ایاک نستعین کا جو مطلب لیا جاتا ہے وہ صحیح نہیں کہ قرآن مجید میں تضاد پیدا ہوتا ہے۔ جو ابطال کلام خدا کا باعث بنتا ہے۔ لہٰذا ہمارے فاضلین کو ایاک نستعین کے اصلی مفہوم کو تلاش چاہیئے نہ لوگوں پر غیر اللہ کی پرستش کے فتوے دینا چاہیئے بلکہ اپنی اصلاح کرنی چاہیئے کہ وہ خود غیر موزوں رستہ اختیار کر چکے ہیں جس کا انجام بخیر نہیں۔

حضرت ذوالقرنین اور طلب اعانت از غیر اللہ :۔

حضرت ذوالقرنین کا ذکر خدا نے قرآن مجید میں بوضاحت فرمایا ہے اور ان کو ہر طرح کے سامان کو عطا فرمانے کا بیان فرمایا ہے۔

ان کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا ہے کہ جب لوگوں نے ان سے کہا کہ ہم مال و دولت آپ کو دیتے ہیں جس کے عوض میں یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہمارے اور یاجوج ماجوج کے درمیان ان پہاڑوں میں دیوار بنا کر ان کا رستہ بند کر دیں۔

قال ما مکنّی فیہ ربی خیر فاعینونی بقوۃ ١٦/٢ (تو) ذوالقرنین نے کہا جو کچھ میرے رب نے جو مجھے عطا فرمایا ہے۔ وہ تمہارے مال و دولت سے بہتر ہے۔ پس تم اپنی قوت بدنی سے میری اعانت کرو تاکہ میں دیوار بنا دوں۔

پس اس آیت سے ثابت ہے کہ حضرت ذوالقرنین خدا کے مخلص بندے لوگوں سے اعانت طلب کر رہے ہیں تو کیا ان کا اعانت طلب کرنا ایاک نستعین کے خلاف تھا اگر نہ تھا تو آپ کیا فرماتے ہیں اور کیوں لوگوں کو غیر اللہ کا قیاسی وسواسی ہوا دکھا کر ڈراتے ہیں۔ پس اس سے ثابت ہے کہ حضرات فاضلین جو لوگوں کو غیر اللہ کے کھڈے سے نکالتے ہیں خود غیر اللہ کے گہرے سمندر میں ڈوبتے جاتے ہیں کہ نہ وہ غیر اللہ کو جانتے ہیں اور نہ ہی ایاک نستعین کے مفہوم کو سمجھے ہیں میرے محسن فاضل کا تحریری یہ جملہ کہ (منہ سے ایاک نستعین کا اظہار اور دل میں غیر اللہ کی مدد و نصرت کا اقرار خدا سے غداری ہے) محض بیکار اور نادانی پہ مبنی ہیں اور یہی حال ان کے اس جملہ کا ہے کہ (آئمہ پاک باذن سب کچھ کر سکتے ہیں مگر بے اذن اللہ نہیں کر سکتے) کیونکہ وہ اذن اللہ اور غیر اللہ کو نہیں سمجھ رہے۔

ایاک نستعین اور غیر اللہ کے مفہوم کو کافی عرض کر دیا گیا ہے

جو صاحبان فہم کے لئے کافی ہے کہ اس کا تعلق ان مقامات اور امور سے نہیں ہے جہاں پرستاران وحدت اس کو استعمال و چسپاں کرتے ہیں جن کی مثالیں تبصرہ الہیہ پیش کر دی ہیں۔ پس جن مقامات اور امور سے اس کا تعلق ہے اس کی خود تلاش کریں ورنہ کھڈے میں نہیں اسی سمندر میں پڑے رہیں جس میں ڈوبے ہوئے ہیں جو مفہوم دے رہے ہیں بلکہ اس کا دروازہ بیان مذکورہ سے بند ہے بلکہ یہاں دروازہ ہے ہی نہیں جس کو کھولا جائے یا کھولنے کی کوشش کی جائے یہاں تو شہر علم کی پختہ دیوار قائم ہے جس میں سوراخ کرنا نقب زنی میں داخل ہے۔ وأتوا البيوت من ابوابها ۲/۸ لہذا اس کا دروازہ تلاش کریں۔

ہماری مقدس فاضلیت ایک وصف یہ بھی رکھتی ہے کہ وہ اپنی تقلید جس کو وہ اپنی تعلیم کہا کرتے ہیں کے بغیر دوسرے سے حق بات کو بھی قبول کرنے سے گریز کرتے ہیں جب تک ان کی اپنی تعلیم تصدیق نہ کرے۔ اس واسطے ہم ان کو دعوت تحقیق دیتے ہیں کہ وہ اپنے ان دو جملوں کی تحقیق کریں۔ اور اس کا اظہار کریں۔

(۱) کہ (ہاں آئمہ طاہرین علیہم السلام باذن اللہ و بامر اللہ سب کچھ کر سکتے ہیں) لیکن اذن اللہ کی تشریح نہیں کیا کرتے کہ ان کے نزدیک اذن اللہ کی کیا صورت متحقق و ثابت ہے۔ اس کے بعد یہ بھی فرمایا کرتے ہیں (کہ ان کے وسیلہ سے خدا سے مدد مانگنی چاہیئے) وہ اپنی وہابیت کو ان دو پردوں میں مستور رکھنے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ لہذا ان پردوں کو اٹھانے کی خاطر عرض کی جاتی ہے۔

باذن اللہ۔ قرآن مجید میں غور کریں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اولوالعزم رسول اور صاحب شریعت اور صاحب وحی اور کلیم اللہ اپنے معلم علیہ السلام کے ساتھ جا رہے ہیں۔ وہ کشتی توڑنے کا عمل کرتے ہیں۔ کیا انہوں نے کشتی توڑنے کا عمل خدا سے اجازت اذن حاصل کر کے کشتی توڑی تھی۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو حضرت موسےٰ علیہ السلام ان کے فعل پر اعتراض کیوں کرتے۔ جبکہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ معلم علیہ السلام نے خدا سے اذن حاصل کر کے کشتی توڑی ہے۔ یا کہ ان پر کشتی توڑنے کی وحی ہوئی تھی۔ پس جناب موسےٰ علیہ السلام کا اپنے معلم علیہ السلام کے تینوں عملوں پر اعتراض کرنا ثابت کرتا ہے۔ کہ ان کاموں کے کرنے کے وقت انہوں نے نہ تو ظاہری طریق بذریعہ دعا وغیرہ کے اذن حاصل کیا تھا اور نہ ہی ان کو باطنی طور پر بذریعہ وحی والہام وغیر اذن دیا گیا تھا اور وہ کام شریعت موسےٰ ہی نہیں بلکہ موجودہ شریعت کے بھی خلاف تھے اسی وجہ سے حضرت موسےٰ علیہ السلام صاحب شریعت نے اعتراض بھی کیا تھا جو ظاہراً صحیح تھا لیکن ان کاموں کی باطنی علت نے اعتراض کو بے جا اور عمل کو بجا ثابت کر دیا۔ اسی وجہ سے حضرت معلم علیہ السلام نے حضرت موسےٰؑ سے فرمایا تھا۔ وما فعلتہٗ عن امری ۱۶/۱ اور میں نے اپنی طرف سے یہ کام نہیں کئے (عن امری) اپنے امر سے۔ جب اپنے امر کی نفی ہو گئی تو وہ کام بامر اللہ و باذن اللہ ثابت ہو گئے۔ پس حضرت معلم علیہ السلام نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ عمل کرنے کے وقت ہم کو اذن لینے کی ضرورت نہیں ہوتی پس جو ائمہ طاہرین علیہم السلام کے لئے اذن کے اس طریقہ کے خلاف اذن

لینے کی کسی اور صورت کی ضرورت سمجھے وہی پکا وہابی ہے۔ لہذا اس جملہ کا پردہ وہابیت کو چھپا نہیں سکتا۔ فتفہم وتدبر۔

یہ اور بات ہے کہ ان حضرات نے ہدایت خلق واصلاح خلق کے لئے کبھی کوئی عام اور محسوس طریقہ سے بھی اذن طلب فرمایا ہو۔ اس کا ذکر بھی کتب میں موجود ہو بلکہ ان کی ہی زبان اقدس سے وارد ہوا ہو۔ مگر یہ طریقہ اپنی ذات اور ضرورت کے لئے نہیں بلکہ عوام کی اصلاح کے لئے اختیار فرمایا گیا ہوگا تاکہ ان کی ہدایت اور اصلاح ہو جائے نہ کہ اپنی ذاتی ضرورت کے لئے، حضرت معلم موسےٰ علیہ السلام کے ساتھ اگر حضرت موسےٰ صاحب شریعت اور وحی والھام نہ ہوتے کوئی اور عام آدمی ہوتا تو ممکن ہے کہ یہاں بھی اس کی اصلاح کی غرض سے کوئی اور طریقہ اختیار فرماتے چونکہ اولوالعزم رسول صاحب وحی و الھام کا ساتھ لھذا ان کے گمراہ ہونے کا خوف نہ تھا اس لئے اصلی وحقیقی اذن کی صورت کو عمل میں لائے۔ فتدبروا فیہ انہ حقیق ودقیق۔

لہذا ایسے بیانات وہابیت پوشی کی دلیل نہیں ہوسکتے بلکہ ان کا اس مقام پر ذکر کرنا ہی وہابیت کی دلیل اور ثبوت ہوتا ہے۔ ورنہ ان کا مقام وہ ہے جہاں حضرت موسےٰ علیہ السلام ہی نہیں بلکہ حضرت عیسےٰ فاضل الانبیاء ماسبق علیہ السلام اور سید الملائکہ امین وحی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی بھی علمی اور بلندی درجات کی پرواز جلتی ہے۔ (باقی اپنے مقام پر انشاء اللہ)

ان کے وسیلہ کے ذریعہ سے خدا سے مدد مانگنی چاہیئے،

ضرورت وسیلہ کی طرف رجوع کی جاتی ہے۔ یہ درست ہے کہ

ہر دعا کے اوّل میں یا آخر میں مذکور ہوتا ہے اَللّٰھم بحق محمد و آل محمد (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) کذا و کذا - خداوندا محمدؐ و آل محمد کے حق اور واسطہ اور وسیلہ سے ہمارے ساتھ یا ہمارے لئے ایسا ایسا کر۔ لیکن اس جملہ کی حقیقت بھی ایاک نستعین کی طرح بہت دور رس ہے جو ایاک نستعین کی تفہیم سے ہی وابستہ ہے۔

وسیلہ کی تفہیم کے لئے اپنے محسن فاضل کا ایک واقعہ پیش کر کے رجوع بفرمان خدا کی جائیگی۔ ہمارے محترم فاضل بغرض مجالس عزا پڑھنے کے کوٹ ڈی جی خیرپور میرس تشریف لے گئے۔ آپ کو پستول کے لائسنس کی ضرورت تھی جو اس علاقہ سے حاصل ہو سکتا تھا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اپنے بیان فرمائے ہوئے جملہ کے مطابق افسران اعلےٰ سے ملتے یا درخواست دیتے کہ فلاں فلاں وسیلہ اور واسطہ کے طفیل مجھے لائسنس پستول عنایت فرمایا جائے۔ لیکن آپ نے عمل یہ کیا کہ اول وسیلہ اور واسطہ سے ملے اور ان سے اپنی خواہش ظاہر کی انہوں نے حمایت کا وعدہ کیا کہ انشاء اللہ آپ کا کام ہو جائیگا۔

جس سے ثابت ہے کہ اگر آپ خود تشریف لے جاتے اور دس بیس وسیلوں کا ذکر کر دیتے تو ان کو لائسنس نہ مل سکتا تھا۔ اس لئے پہلے وسیلہ کو تلاش کیا پھر اس کے آگے اپنی حاجت پیش کی پھر اس کو ساتھ لے جا کر افسران اعلےٰ سے ملاقات کر کے یا درخواست گذار کر کام کرایا۔

پس یا تو خداوند عالم کی درگاہ میں وسیلہ کی ضرورت کو نہ تسلیم کریں اور خود تشریف لے جائیں یا کہ استدعا کریں اور اگر خدا

کی درگاہ میں وسیلہ کی ضرورت کو لازمی جانتے ہیں کہ یلا واسطہ
نہیں جا سکتے یا عرض نہیں کر سکتے تو پھر اول وسیلہ کو تلاش کرتا
ہوگا اور اس کے سامنے اپنی حاجت کو بیان کرنا پڑیگا۔ اور ایسا
تب کر سکینگے۔ جب وہابیت کو ترک کریں۔ کہ وہابیت غیر خدا کے
سامنے حاجت پیش کرنے کو کفر جانتی ہے۔ کہ اس طرح کرنے سے
انسان مواحد نہیں رہتا پس یا تو آپ وسیلہ کو تسلیم نہ کریں اگر
ضرورت وسیلہ لازمی ہے تو پہلے وسیلہ کی خدمت میں حاجت پیش
کریں اگر ایسا نہ کریں تو وسیلہ کی ضرورت باطل ثابت ہوگی۔

اسی امر کو خداوند عالم بندوں سے چاہتا ہے اور طلب فرماتا
نہیں نہیں بلکہ امر کرتا ہے۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم
جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول
لوجدوا اللہ توابا رحیما ۵/۹ اور اگر وہ لوگ جنہوں نے
اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تیرے پاس آتے اور خدا سے معافی
مانگتے اور رسولؐ بھی ان کے لئے معافی طلب کرتا تو وہ اللہ کو ضرور
بخشنے والا رحم کرنے والا پاتے۔

پس اس سے ثابت ہے کہ پہلے وسیلہ کی خدمت میں حاضر ہو
کر حاجت کو بیان کرنے کا حکم ہے وسیلہ کے پاس جا کر خدا سے
معافی مانگنا لازمی ہے یعنی حاجت بیان کرنا ضروری ہے پھر وسیلہ
بھی ان کے لئے سفارش کرے تو خدا ان کی حاجت کو ضرور پورا
کرتا ہے۔ وسیلہ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور وسیلہ کی سفارش
کے بغیر ضروری نہیں کہ ان کی حاجت پوری ہو ممکن ہے ضروری

نہیں اور خدا کی درگاہ میں وسیلہ کے بغیر کوئی عرض کرنے کا حکم نہیں جیسا آیہ مبارکہ بالا سے ثابت ہے اور دوسری جگہ حکم دیا ہے یاایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ
پ۶ ع۱۰ اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی درگاہ میں وسیلہ کے ساتھ جاؤ۔

پس وسیلہ خدا نے بتادیا ہے اور مقرر فرما دیا ہے مسلمانوں پر اس کی تلاش کرنا اور خدا کی درگاہ میں وسیلہ کو ساتھ لے کر جانا فرض اور واجب ہے۔ لہذا پہلے وسیلہ سے حاجت بیان کرنا فرض ہے۔ وسیلہ اس کی حاجت کو اپنی سفارش کے ساتھ درگاہ خدا میں پیش کرنا مناسب جانے تو پیش کردے ورنہ رد کردے۔ اس لئے صرف الفاظ عرض کرنے سے ہی مقصد وعمل وسیلہ پورا نہیں ہوسکتا۔ جب تک وسیلہ کی خدمت میں حاجت بیان کرکے وسیلہ سے سفارش نہ کرائی جائے اور یہی امر فطرت انسانی میں داخل اور ثابت ہے جس پر جنس نوع انسانی کا شب و روز عمل ہو رہا ہے۔

پس اس نص الٰہیہ اور فطرتی عمل انسانی سے ثابت ہے کہ وسیلہ کے پاس حاجت بیان کرنا لازمی اور فرضی ہے اور وسیلہ سے سفارش کرانا بھی لازمی اور فرضی ہے وسیلہ کی خدمت میں حاضر ہونے اور وسیلہ سے سفارش کرانے کے بغیر صرف وسیلہ کا نام لینا بیکار عمل ہے لہذا آپ کے یہ الفاظ کہ (ان کے وسیلہ سے خدا سے حاجت طلب کرتا) بھی وہابیت کی پردہ پوشی نہیں کرسکتے۔ عمل وسیلہ کے ساتھ یہ الفاظ بھی ادا کرنے فرض ہیں اسی واسطے

ہی ہر دعا میں مذکور ہوئے ہیں اور صحیح مذکور ہوئے ہیں۔

وہابیت کی حیرت اور تعجب کے لئے ایک واقعہ

وہابیت کی حیرت اور تعجب کی زیادتی کے لئے ایک منصوص واقعہ کو عرض کرتے ہیں۔ صاحبان عقل و دانش غور و فکر سے کام لیں۔

جب حضرت موسےٰؑ کے معلم علیہ السلام نے اپنے عملوں کی وجہ اور ضرورت بیان فرمائی تو خداوند عالم فرماتا ہے کہ حضرت معلم علیہ السلام نے لڑکے کو قتل کرنے کی ضرورت کو بیان کرکے فرمایا۔ فاردنا ان یبدلھما ربھما خیراً منہ زکوٰۃ واقرب رحماً ۱۶/۱ پس ہم نے ارادہ کیا کہ ان دونوں کا رب ان کو اس کے بدلہ میں اس سے بہتر پاکیزگی اور رحمت میں جو زیادہ ہو عطا کرے۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ حضرت معلم علیہ السلام نے اس لڑکے کو اس ارادہ سے قتل کیا کہ ان کو اس کے عوض میں بہتر لڑکا عطا کیا جائے۔ اس سے ثابت ہے کہ ان کو دعا کرنے اور الفاظ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ محض ارادہ سے لڑکا عطا کر دیتے یا عطا کرا دیتے ہیں۔ عطا کرنے اور کرانے کا فرق آئندہ بیان ہوگا۔ یہاں صرف ارادہ کو ہی بیان کیا جاتا ہے۔ بس ان کا ارادہ کرنا ہی عمل کو پایہ تکمیل تک پہنچانا ہوتا ہے۔ ان کے ارادہ کے خلاف نہیں ہوتا۔ یہ اپنے ارادہ سے لڑکے دلوا ہی نہیں بلکہ دے سکتے ہیں۔

خداوند عالم قادر مطلق اور الصمد و بے احتیاج ہے اس کو کسی کی ضرورت اور پروا نہیں وہ کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں واللہ غالب علیٰ امرہٖ ۱۲/۱۳ اور اللہ اپنے ہر امر پر غالب اور قادر ہے۔

لیکن باوجود اس کے ان کے ارادہ کو نہیں بدلتا اور نہ ہی ان کے ارادہ کے خلاف کرتا ہے۔ بدل سکتا ہے مجبور نہیں مختار ہے لیکن بدلتا نہیں نہ بدلنے دیتا ہے۔ کیوں نہیں بدلتا۔ اسی سوال کے جواب میں وہ فرماتا ہے۔ لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون ۲۴/۲ اس سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا بلکہ ان سے پوچھا جائیگا کہ تم ایسا کیوں کیا۔ پس وہ ان کے ارادہ کو نہیں بدلتا بلکہ پورا کرتا ہے لہذا کسی کی مجال نہیں کہ وہ خدا کے اس فعل پر سوال کرے ایسا کرنے والا اُس کی خدائی کا منکر ہے خدا کی شان ہی یہی ہے کہ اس سے کوئی نہ پوچھ سکے جس سے پوچھا جائے کہ تو نے ایسا کیوں کیا وہ خدا ہی کیسا ہے۔

خداوند عالم حکیم ازلی وعادل مطلق ہے وہ کبھی حکمت وعدل کے خلاف نہیں کرتا لہذا اس نے اپنی تمام مخلوق میں کچھ ایسی ہستیاں پیدا کر رکھی ہیں جن کے حق میں فرماتا ہے۔ فوجدا عبداً من عبادنا اٰتینٰہ رحمۃ من عندنا وعلمنٰہ من لدنا علماً ۱۵/۲۱ پس ان دونوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو ہم نے اپنی طرف سے رحمت عطا کی تھی اور اپنا علم خاص اس کو تعلیم کیا تھا۔

اس سے ثابت ہے کہ خدا کے جن بندوں میں سے ایک بندہ معلم موسیٰؑ تھے یہ ایک خاص جماعت تھی اور یہ ساری جماعت اسی مرتبہ اور منزلت کی تھی ان کو خدا نے اپنا وہ علم خاص عطا فرمایا ہوا تھا جو حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم صاحب شریعت رسول کو بھی نہ عطا فرمایا تھا جس کو سیکھنے کے واسطے حضرت موسیٰؑ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے

مگر شرائط شاگردی کو بھی پورا نہ کر سکنے کی وجہ سے محروم رہے جن کے حق میں خدا فرماتا ہے۔ واصطنعتک لنفسی ۶/۱۱ اے موسےٰ ہم نے تجھے اپنے لئے خلق کیا ہے۔

پس ان کا ارادہ اسی علم کی بنا پر ہوتا ہے جو خداوند عالم نے ان کو تعلیم فرمایا ہے۔ اسی وجہ سے ہی وہ ان کے ارادہ کو نہیں بدلتا کہ خدا کی تعلیم کے مطابق ہوتا ہے بلکہ اسی علم سے ہوتا ہے اور اس ساری جماعت یا کہ امت کا ارادہ ہر امر میں ایک ہی ہوتا ہے جس کی وجہ سے معلم علیہ السلام نے فرمایا ہے (فاردنا) کہ اس امر میں ہم سب کا ارادہ یہی ہے کہ ان کو اس لڑکے کے عوض میں وہ لڑکا دیا جائے جو پاکیزگی اور رحمت میں بہتر ہو۔ خداوند عالم کے یہ الفاظ (خیراً منه زکوٰۃ واقرب رحما) خاص اہمیت رکھتے ہیں جن کے ذکر کا یہ محل ومقام نہیں پس ثابت ہوا کہ اس جماعت وامت اور گروہ کو خدا نے اپنا خاص وعلم عطا فرمایا ہوا ہے جو اپنی ساری مخلوق میں سے کسی اور کو نہیں عطا فرمایا ہے۔ اور ہر طرح کی طاقت اور استطاعت کا انحصار علم پر ہی ہوتا ہے۔ جس کی تفصیل کا محل نہیں۔

پس دہابیت اور اس کی مقلد فاضلیت کو حضرت موسےٰ علیہ السلام کے علم اور ان کے معلم علیہ السلام کے علم سے عبرت اور سبق حاصل کرنا چاہیئے ان کے علم اور اس کی وسعت اور قدرت کو ملائکہ اور اولوالعزم صاحبان شریعت کے علم پر قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ کہ (این زمین را آسمانے دیگر است)

کہ ان کا فعل و عمل خدا کا فعل و عمل ہوتا ہے۔ اسی لئے حضرت معلم علیہ السلام فرماتے ہیں (ما فعلت عن امری ١٦/١) کہ میں نے اپنی طرف سے یہ کام نہیں کئے۔ حالانکہ عمل خود کرتے ہیں۔ لیکن ثابت کر رہے ہیں کہ ان کو میرا عمل نہ جانو کہ یہ خدا کے امر سے ہیں لہذا خدا کے افعال ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ لڑکا لڑکی دینا تو معمولی بات ہے خدا کے یہ بندے وہ کچھ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں جہاں وہابیت کا وہم و خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ والتفصیل فی مقامہ انشاء اللہ۔

شبہ:۔ ہمارے اس بیان پر تفسیر بالرائے کا شبہ ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ کہدیا جائے کہ خدا نے تو اس آیت میں صرف ایک شخص کا ذکر فرمایا ہے جس کو فریقین کی تسلیم کردہ احادیث میں خضر فرمایا گیا ہے جس کو عبد صاحب نے ایک پوری جماعت بنا دیا ہے جو ظاہر بظاہر تفسیر بالرائے کی اختراع علی اللہ و علی الرسول میں داخل ہے لہذا ان کے باقی بیانات بھی اسی قسم سے تعلق رکھتے جن سے گمراہی کا رستہ پیدا ہوتا ہے۔ اور فرمان رسول خدا ہے۔ من فسر القرآن بالرائے فقد مقعدہ فی النار۔ جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے وہ جہنمی ہے۔

جواب شبہ:۔ شبہات کی پیداوار اکثر عدم تدبر یا عدم معرفت سے ہوتی ہے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے واسطے صرف دو چار جملے ہی عرض کئے جاتے ہیں۔ تفصیل علیحدہ مضمون چاہتی ہے۔

اہل معرفت و صاحبان تدبر جانتے ہیں کہ اولوالعزم و صاحب

شریعت اپنے زمانہ ایک ہی ہوتا ہے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ صاحبان شریعت ایک لاکھ چوبیس ہزار میں سے صرف پانچ ہی تھے۔ حضرت نوحؑ حضرت ابراہیمؑ حضرت موسےٰؑ حضرت عیسےٰ علیہم السلام اور حضرت رسول خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے سوا اور کوئی اولوالعزم اور صاحب شریعت نہیں ہوا۔

اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ کے مومنین و صالحین اور انبیاء بلکہ رسولوں کو بھی حضرت موسےٰؑ پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا اور ان کی شریعت پر عمل کرنا فرض تھا جیسا کہ حضرت ہارونؑ اور یوشع بن نون جو اس سفر میں حضرت موسےٰ کے ساتھ تھے یہ نبی و رسول تھے مگر ان پر اطاعت و اتباع موسےٰ فرض تھی پھر حضرت خضرؑ جو بعض روایات کی بنا پر صرف مومن صالح تھے اور بعض روایات کی بنا پر نبی علےٰ نفسہ اور زیادہ سے زیادہ نبی علےٰ غیر ہی تھے رسول تو ہرگز نہ تھے۔ وہ معلم موسےٰ کس طرح ہو سکتے تھے۔ ان سے موسےٰ کس طرح کہہ سکتے تھے۔ قال له موسےٰ هل اتبعك علےٰ ان تعلمن مما علمت رشدا ۱۵/۱۲ اس کو موسےٰ نے کہا کیا میں آپ کا اتباع کروں تو آپ مجھے اس علم سے کچھ تعلیم کر دینگے جو آپ کو تعلیم دیا گیا ہے۔ پس خضر پر تو حضرت موسےٰ علیہ السلام کا اتباع فرض تھا کہ وہ امت موسےٰ علیہ السلام میں داخل تھے خواہ ان سے قبل کے تھے خواہ ان کے زمانہ کے تھے اور معلم موسےٰ علیہ السلام کا اتباع موسےٰ پر فرض تھا لہذا ثابت ہوا کہ خضر معلم موسےٰ نہ تھے کہ وہ موسےٰ علیہ السلام کے امتی تھے۔

اور موسےؑ کے معلم علیہ السلام وہ تھے جو امت موسےؑ سے نہ تھے بلکہ موسےؑ ان کے متبعین میں داخل تھے۔ فتدبر وافیہ

اور خداوند عالم نے موسےؑ کے معلم علیہ السلام کو (من عبادنا) کی ایک فرد بتایا ہے اور عبادنا میں جن کی طرف اشارہ ہے وہ پوری جماعت ہے۔ اور عباد کا اطلاق عوام پر بھی آیا ہے اور ملائکہ پر بھی آیا ہے اور انبیاء پر بھی آیا ہے اور ان سے بالا گروہ پر بھی آیا ہے۔ لہذا اس جگہ عبادنا سے وہ جماعت مراد ہے جن کی ایک فرد معلم علیہ السلام تھے جن کا ذکر آتا ہے۔ پس معلم موسےؑ علیہ السلام ہرگز خضر نہ تھے۔

باقی رہا روایات فریقین کا ذکر تو روایات سب صحیح ہیں۔ اور اسی قصہ اور اسی آیت سے تعلق رکھتی ہیں جن کی تشریح اور تفصیل کا ہمارے پاس وقت اور سامان نہیں ہے شائد آئندہ کہیں اشارہ کی ضرور ربیش ہوجائے ایک بات ظاہر کردی ہے ہر شخص اپنے مقام پر تحقیق کرے۔ پس ہمارے بیان پر شبہ کی گنجائش نہیں ہے اہل عقل وانصاف ضرور تسلیم کرینگے۔

صاحب شریعت سے طلب نصرت :۔ فاستغاثہ الذی من شیعتہ علے الذی من عدوہ ۲۰/۵ شیعہ موسےؑ نے موسےؑ سے نصرت طلب کی اس کے دشمن کے خلاف۔

کیا شیعہ موسےؑ کا یہ استغاثہ اور فریاد طلب نصرت ایاک نستعین کے خلاف تھا اگر ایسا تھا تو حضرت موسےؑ کا اس کی نصرت کرنا مدد کرنا کیسا ہوگا۔ کیا حضرت موسےؑ ایاک نستعین

کے خلاف عمل پر نصرت اور مدد کر سکتے تھے۔ ہرگز نہ کرتے۔ لہذا اس کا استغاثہ کرنا اور آپ کا اس کی مدد اور نصرت کرنا قطعاً غیر اللہ ہیں داخل نہ تھا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ نبی و رسول اور امام سے نصرت طلب کرنا جائز ہے بلکہ فرض ہے۔

صاحبان شریعت کا روٹی طلب کرنا:۔ فانطلقا حتی اذا اتیا اھل قریۃ ن استطعما اھلھا فابوا ان یضیفوا ھما ۱۶/۱ پس وہ دونوں چلے یہاں تک کہ بستی والوں کے پاس پہنچے تو ان سے دونوں نے کھانا مانگا روٹی کا سوال کیا۔ تو بستی والوں نے ان کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔

پس موسےؑ اور معلم موسےؑ علیہ السلام کا ان بستی والوں سے کھانا طلب کرنا عام لوگوں سے سوال کرنا اور امداد و اعانت طلب کرنا ایاک نستعین کے مطابق تھا یا کہ مخالف تھا اگر مطابق تھا تو وہ لوگ غیر اللہ ہی تھے بلکہ ایسے جو سوال کو رد کر دینے والے جاہل تھے تو اس سے ثابت ہے کہ ایسے عام لوگوں سے ایسی پاک و مقدس اور صاحبان شریعت اور اولوالعزم ہستیوں کا کھانا طلب کرنا روٹی کا سوال کرنا محض اس لئے تھا کہ سوال کرنے کے جواز کے لئے شرعی قانون بن جائے۔ ورنہ وہ صاحبان اعجاز روٹی کے لئے ان کے محتاج نہ تھے۔ ہم منتظر ہیں کہ ایاک نستعین کے پرستاران صاحبان شریعت کے حق میں کیا فرماتے ہیں۔ اور اگر صاحبان شریعت ایاک نستعین کے خلاف کریں تو پھر یہ صاحبان شریعت کیسے تسلیم کئے جائیں گے۔ ھاتوا برھانکم

حضرت امام حسین علیہ السلام کا استغاثہ:- یہاں تک تو مجموعاً اہل اسلام سے خطاب تھا۔ اب صرف محبان و شیعان اہلبیت علیہم السلام سے عرض ہے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے بروز عاشورہ چند بار ندائے استغاثہ بلند کی جس کے الفاظ کتب میں یہ مذکور ہیں:- ھل من ناصر ینصرنا۔ ھل من معین یعیننا ھل من مغیث یغیثنا۔ ھل من ذاب یذب عن حرم رسول اللہ۔ ان استغاثوں میں لفظ (من) واقع ہے جس سے مراد ہے کہ کوئی بھی ایسا ہے جو ہماری نصرت کرے اور اعانت کرے اور فریاد رسی کرے فریاد کو پہنچے اور حرم رسول خدا سے دکھوں اور مصائب کو دور کرے۔ پس ان استغاثوں کے جواب کی عبارت کو دیکھو کہ وہ کون سی چیز تھی جو حاضر خدمت امام حسین علیہ السلام نہ ہوئی تھی جس سے ثابت ہے کہ ہر طرح کی نصرت اعانت وغیرہ طلب کرنا جائز ہے اور اگر طاقت ہو تو ہر شئی سے طلب نصرت جائز ہے۔

پس حضرات فاضلین کو ایاک نستعین کے مقصد کو سمجھنا چاہیئے اور یا علی مدد کو اس کے خلاف نہ جاننا چاہیئے۔ فتفکروا و تدبروا فیہ۔

ھل من موفق غیر اللہ

بے شک اللہ تعالٰے کے سوا اور کوئی موفق نہیں ہے

قرآن مجید میں لفظ توفیق صرف دو جگہ بیان و استعمال فرمایا ہے

(۱) فکیف اذا اصابتھم مصیبتہ بما قدمت ایدیھم ثم جاؤک یحلفون باللہ ان اردنا الا احسانا و توفیقا ۵/۶

پس پھر کیا حال ہوتا ہے جب ان کو اپنے عملوں کی وجہ سے مصیبت

آتی ہے پھر وہ تیسرے پاس آکر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو محض نیکی اور ملاپ کا تھا۔

اس آیت میں توفیق کی نسبت عام لوگوں کی طرف ہے کہ وہ اپنے عمل کی صفائی میں احسان اور توفیق کو ظاہر کرکے الزام اور سزا سے بچنے کے واسطے کہتے ہیں کہ اس عمل سے ہماری نیت نیکی اور ملاپ کی تھی یعنی اتحاد مابین کا ارادہ تھا جس سے ظاہر ہے کہ توفیق کا مفہوم اس جگہ ملاپ و اتحاد و سلوک نیک لیا گیا ہے۔ اسی سے اہل لغت نے بھی لکھا ہے (بین القوم اصلح) قوم کے درمیان اصلاح کرنے کو توفیق کہتے ہیں۔ اور کان مظہراً للتوفیق اللہ وتسھلت لہ طرق الخیر۔ خدا کی توفیق کو ظاہر کرنے والا ہے اور اس کے لئے خیر کے طریقہ کو عمل کے لئے آسان کر دیتا ہے۔

(۲) وما ارید ان اخالفکم الی ما انھٰکم عنہ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ ۱۲/۸۔

اور جن امروں سے میں نے تم کو منع کیا ہے اس میں میرا ارادہ تمہاری مخالفت کرنے کا نہیں میرا ارادہ تو اپنی طاقت و ہمت کی حد تک تمہاری اصلاح کا ہے اور میری توفیق تو اللہ کی طرف سے ہی ہے۔

حضرت شعیب فرماتے ہیں کہ جن باتوں کو تم میری مخالفت سمجھ رہے ہو یہ صحیح نہیں ہے میں تو تمہاری اصلاح چاہتا ہوں اور آخر تک کرتا رہونگا۔ اور یہ میرا تمہاری اصلاح کرنا اپنی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے ہے۔ اس لئے میں اس کو چھوڑ نہیں سکتا نہ ترک کرسکتا ہوں کہ بحکم خدا کر رہا ہوں اور جب تک اس نے

چاہا کرتا رہونگا۔ پس توفیق سے مراد اصلاح ہے اور ہر رسول کو خدا مصلح بنا کر بھیجتا ہے دوسرے الفاظ میں رسالت کا نام اصلاح ہی ہوتا ہے کہ احکام الٰہیہ لوگوں کو ان کی اصلاح کے لئے پہنچانے اور سنانے جاتے ہیں۔ لہٰذا خدا نے ہر نبی و رسول کو لوگوں کے لئے مؤفق بنا کر بھیجا ہے اسی واسطے فرماتے ہیں وما توفیقی الا باللہ کہ ہمارا اصلاح کرنا اللہ کی طرف سے ہے۔ توفیق کا یہ مطلب لینا کہ توفیق صرف خدا ہی کر سکتا ہے نبی و رسول اور صاحب شریعت نہیں کر سکتے تو یہ امر ان کے عہدہ نبوت و رسالت اور اولوالعزمی کے خلاف ہے کیونکہ یہ عہدے ان کو لوگوں کی اصلاح کے لئے عطا فرمائے جاتے ہیں۔ فتفہم

خداوند عالم اور اس کے رسول

خداوند عالم اپنے رسولوں کی بابت فرماتا ہے۔ ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاً اولئک ھم الکفرون حقاً واعتدنا للکفرین عذاباً مھینا ۶/ ۱ بے شک وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی و تفریق ڈالنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور درمیان میں ایک رستہ بنانا چاہتے ہیں یہی لوگ حقیقی وحقی کافر ہیں اور ہم نے ان کافروں کے

واسطے ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

اس آیہ مجیدہ میں چھ جملے بیان فرمائے گئے ہیں:-

(۱) ان الذین یکفرون باللّٰہ ورسلہ

(۲) ویریدون ان یفرقوا بین اللّٰہ ورسلہ

(۳) ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض

(۴) ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلاً

(۵) اولئک ھم الکٰفرون حقاً

(۶) واعتدنا للکٰفرین عذاباً مھینا۔

ان چھ جملوں میں سے پانچواں جملہ ان کے عملوں کا انجام اور چھٹا انجام کی سزا میں بیان ہوا ہے۔

(۱) پہلے جملہ میں بیان ہوا ہے کہ جو لوگ اللّٰہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کا کفر یعنی انکار کرتے ہیں وہ حقاً کافر ہیں۔ پس جو خدا کا ہی انکاری ہو وہ تو اس کے رسولوں کو مان ہی نہیں سکتا۔ جو خدا کو ہی نہ مانے وہ اس کے رسولوں کو کیوں مانے گا۔ (۲) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ خدا کو مان کر اس کے رسولوں کو نہ ماننا۔ جیسا کہ شیطان خدا کو مانتا ہے خدا کو واحد جانتا ہے (انی اخاف اللّٰہ واللّٰہ شدید العقاب ۸/۴۸) لیکن اس کے رسولوں کو نہیں مانتا ہے لہٰذا یہی کافر حقیقی وحقی ہے کہ خدا کے رسولوں کو جانتا ہے مانتا نہیں۔ پس اس سے ثابت ہوا کہ جس طرح سے بھی خدا کے رسولوں کی رسالت کا انکار ہو وہی امر حقی کافر بنا دیگا۔ بلکہ اگر کسی ایک ہی رسول کی رسالت کا انکار ہوگا تو بھی حقی کافر بنا دیگا۔

(۲) اسی آیت کے دوسرے جملہ میں فرمایا ہے کہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق پیدا کرنا فرق ثابت کرنا جدائی ثابت کرنا حقیقی کفر ہے۔ اس جملہ کی تفہیم کا دامن بہت وسیع ہے۔

پہلے جملہ کا خطاب مشرکین و کافرین کی طرف ہے۔ دوسرے جملہ کا خطاب ان کی طرف ہے جو خدا اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ایسا گروہ صرف مسلمانوں کا ہی ہے یہی خدا کے تمام رسولوں کو مانتے ہیں۔ امنت باللہ وکتبہ ورسلہ الخ۔ اقرار اسلامی ہے۔ لیکن خدا فرماتا ہے کہ ان میں کچھ وہ بھی ہیں جو خدا اور اُس کے رسولوں کے درمیان تفرقہ و جدائی بھی ڈالتے ہیں جن کی طرف اس جملہ میں خطاب ہے۔

(۳) تیسرے جملہ میں ان کی طرف خطاب ہے جو خدا کے بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے۔ اس سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں کہ یہود حضرت عیسےٰ علیہ السلام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں کو نہیں مانتے اور نصاریٰ بھی حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انکاری ہیں لہذا بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا ان کا ثابت ہے۔ پس یہی لوگ ایک درمیانی رستہ یا کہ حال پیدا کرنے والے ہیں۔ اور اس کو دین خدا بنانے والے ہیں۔ اور اسی طرح مسلمانوں میں بھی کچھ لوگ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان تفرقہ اور جدائی پیدا کرکے ایک درمیانی رستہ نکال کر اس کو دین خدا ثابت کرنے والے ہیں جن کو خدا کافر حقیقی فرماتا ہے۔

لیکن اس امر کا کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا کہ وہ کن کن امور میں جدائی و تفرقہ ڈالتے ہیں یا وہ کون کون امور میں جدائی و تفرقہ ڈالتے ہیں

یا وہ کون سے امور ہیں جن میں خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی ڈالی جا سکتی ہے اور کن کن طریقوں سے ڈالی جاتی ہے یا کہ ڈالی جا سکتی ہے۔ پھر ان کے ایسا کرنے سے خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان حقیقتاً بھی جدائی ہو جاتی ہے یا کہ نہیں ہوتی صرف یہی لوگ اس عمل سے گمراہ ہو کر خدا کے اس فیصلہ کی زد میں آ جاتے ہیں وغیرہ۔

اسی لئے عرض کیا ہے کہ اس جملہ کا دامن تفہیم وسیع ہے۔ اگر اپنے قیاس اور خیال سے اس عمل جدائی کو ثابت کیا جائے تو من لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون ۶/۱۱ جو خدا کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہی کافروں میں سے ہے ہیں داخل ہوتا پڑتا ہے۔ اور اگر اس کی تلاش و جستجو اور تحقیق نہ کی جائے تو بھی ہم الکافروں میں داخل ہوتا ہے کہ خدا نے حکم دیدیا ہے کہ تم میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو میرے اور میرے رسولوں کے درمیان تفرقہ و جدائی ڈال کر کافر حقیقی بن جاتے ہیں۔ پس جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان کن کن امور اور کن کن طریقوں سے تفرقہ و جدائی ڈالی جاتی ہے تو ہم خود اس فعل سے کس طرح بچ سکتے ہیں اور خدا اور اس کے رسولوں میں اتحاد کس طرح سمجھ سکتے ہیں لہذا ہر مسلم پر فرض ہے کہ وہ جدائی اور اتحاد اور ان کے طریقہ کار کو معلوم کر کے عمل کرے۔

پس جب ہم اپنے خیال سے معلوم نہیں کر سکتے تو پھر اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ خدا سے ہی پوچھیں کہ یا اللہ تیرے اور تیرے

رسولوں کے درمیان کن کن امور میں جدائی و تفرقہ ڈالنا کافر حقیقی بناتا ہے۔ تو اس کے جواب میں ہمارے لئے قرآن مجید ہی ہے اور کوئی طریقہ جواب ہمارے لئے نہیں ہو سکتا۔ چونکہ آیہ مبارکہ تمام رسولوں کے حق میں نازل ہوئی اور ہم آخری رسولؐ کی امت ہیں لہذا جو کچھ اس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ثابت ہوگا۔ وہی ہم کو کافی ہے کہ ہم اسی پر مامور ہیں۔

خداوند عالم اور اس کے رسولوں کا مقام اتحاد :۔

اس امر میں خدا اور اس کے رسولوں کا مقام اتحاد معلوم کرنے کی ضرورت ہے پھر اس میں تفرقہ اور جدائی کے طریقہ کار کو معلوم کرنا لازمی ہے ان دو امروں کے معلوم ہو جانے سے منزل مقصود حاصل ہو جائے گی۔

اتحاد یا تو ذاتی ہوتا ہے یا وصفاتی ہوتا ہے۔ ذاتی اتحاد کے لئے دو وجودوں کی ذات کا ایک ہونا لازمی ہوتا ہے اور اتحاد صفاتی کے لئے ذات کا ایک ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ صفات کا واحد ہونا ضروری ہوتا ہے جیسا کہ انواع نباتات وحیوانات کو ان کی انواع مختلف ہوتی ہیں مگر صفت نباتیت وحیوانیت سب میں ایک ہی ہوتی ہے اور اس میں مشترک ہونے کی وجہ سے ان کی جنس واحد مانی جاتی ہے ورنہ ظاہراً سب مختلف الحال وصورت ہوتی ہیں۔

پس یہ تو ظاہر ہے کہ خداوند عالم کی ذات اور اس کے رسولوں کی ذات تو واحد ہے ہی نہیں۔ کہ خدا خالق اور اس کے رسول

مخلوق خدا واجب الوجود اور اس کے رسول ممکن الوجود خدا قدیم ازلی اور رسول حادث اس کی اور اس کے رسولوں کی ذات تو واحد ہو ہی نہیں سکتی اور قطعاً نہیں ہو سکتی جو اس میں تفریق پیدا کی جا سکے پس خدا اور اس کے رسولوں میں تفریق پیدا کرنے کا یہ مقام تو قطعاً ہو ہی نہیں سکتا۔

لہذا جب ذاتی اتحاد نہ ہوا تو پھر صفاتی اتحاد ہی ثابت ہوا اور یہ ظاہر ہے کہ اتحاد صفاتی سے ہی تقریب پیدا ہوتا ہے۔ اور خلق اول کی خلقت ہی مقام قرب و تقرب سے ہوئی اور بشرا اول کی بشریت کی ابتدا بھی مقام قرب سے ہوئی تھی۔ جس سے ثابت ہے کہ خدا کے رسولوں کی بشریت بھی تقرب میں اتنی بلند درجہ اور مقرب بارگاہ الٰہیہ ہوتی ہے جہاں ملائکہ مقربین کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی اور قطعاً نہیں ہو سکتی کہ آدم کی بشریت بھی مسجود ملائکہ مقربین ہوئی تھی۔ کہ ظرف مطابق مظروف ہوتا لازمی ہوتا ہے۔ جس کا ذکر اختصاراً گذر چکا ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ خدا کے رسولوں کی بشریت کو بھی وہ تقرب خدا حاصل ہوتا ہے جو مقدس مخلوق ملائکہ مقربین کو قطعاً نہیں حاصل ہو سکتا۔

لہذا ان کے اس تقرب الٰہیہ میں فرق و تفریق پیدا کرنا چلائی ڈالنا اور ان کی بشریت کو عامہ بشریت میں ڈھالنا اور ان کے تقرب سے ملائکہ کے تقرب کو زیادہ دکھانا یا کہ ثابت کرنا کفر مذکورہ کا باعث ہو گا۔ جس سے اجتناب فرض ہے۔

پس جو کچھ ملائکہ اپنی ملکوتی طاقت سے کرسکتے ہیں خدا کے رسول وہی اپنی بشریت سے کرسکتے ہیں اور ان کی روحانی طاقت کو تو ملائکہ کسی طرح نہیں پہنچ سکتے۔ کہ وہ تو من روحی میں داخل ہے۔ جس سے ملائکہ محروم اور ان کی روحانیت ہیں تفصیل موجود ہے (من روحی اور روح منہ اور روحاً من امری) ہیں تلک الرسل فضلنا بعضھم علےٰ بعض کی نص سے تفاضلیت موجود ہے۔

لہٰذا وہابیت کو کوئی اختیار نہیں کہ خدا ان کے تقرب ہیں حرف زنی و نکتہ زنی کرسکے۔ یا کہ ان کے تقرب کی حد مقرر کرسکے۔ عقل محدود اور علم قلیل سے یہ وادی طے نہیں ہوسکتی اسی واسطے ممانعت واقع ہوئی ہے۔ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ۔ اس جملہ آیت کا دامن بہت وسیع ہے لہٰذا چند مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے۔ (ذرا غور سے کام لیں۔

اطاعت خدا اور اطاعت رسولؐ

یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ۵/۵ اے ایمان والو اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے اولی الامر ہے اس کی اطاعت کرو۔

اس آیت میں خداوند عالم تمام مسلمین و مومنین کو محکوم و مامور فرما کر حکم دیتا ہے۔ کہ تم میری اور میرے رسولؐ کی اور اپنے

ہیں سے صاحب الامر کی اطاعت کرو۔ اور لفظ (اطیعوا) کو مکرر فرما کر ثابت فرما رہا ہے کہ رسول اور صاحب الامر کی اطاعت ان کی ذات اور اپنے خیال سے نہ کرو بلکہ میرے حکم سے کرو۔ اس آیت میں امر اطاعت کا ہے اور جن کی اطاعت کرنی ہے وہ خدا و رسول اور صاحب الامر تین ہیں۔ لہٰذا یہ معلوم کرنا ہے کہ ان کی اطاعت ایک ہے یا کہ علیحدہ علیحدہ ہے۔

مثلاً کسی شخص کو ایک امر پیش آجاتا ہے جس میں خدا اور رسول اور صاحب الامر کی اطاعت کرنا پڑتی ہے تو اب اس امر میں وہ خدا کی اطاعت کس طرح کرے اور رسول اور اولی الامر کی اطاعت کس طرح کرے۔ پس اگر ان کی اطاعت میں اختلاف ہو تو یہ امر محال ہو جائیگا کہ فرد واحد امر واحد میں ایک وقت میں تین مختلف حکموں پر عمل کر سکے۔ ایسا امر محال ابدی ہے اور جو امر محال ابدی ہو اس کا حکم دینا باطل ہوگا جو ابطال قرآن کی دلیل ہوگا جس سے اسلام ہی رخصت ہو جائیگا۔

لہٰذا لازماً و واجباً تسلیم کرنا ہوگا کہ ہر امر میں خدا اور رسول و اولی الامر کی اطاعت واحدہ ہے حکیم مطلق اور عادل مطلق ایسا امر و حکم کبھی نہیں دیتا جو مکلف کے لئے تکلیف مالا یطاق کی صورت بن جائے اسی لئے ہی خداوند عالم حکیم ازلی و عادل مطلق نے فرمایا ہے۔ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا ؁ کہ خداوند عالم کسی نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا پس امر واحد میں تین مختلف اطاعات پر بیک وقت عمل کرنا محال ہیں

داخل ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ ہر امر میں خدا ور سولؐ و اولی الامر کی اطاعت واحد ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔
من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ۵/۸ جس نے رسولؐ کی اطاعت کی وہی اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے جو رسولؐ کی اطاعت کرے وہی اللہ کا مطیع ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ خدا و رسولؐ کی اطاعت ایک ہے اور خدا نے اپنی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت سے وابستہ کر دیا ہے جس سے ثابت ہے کہ کوئی شخص بغیر رسولؐ کی اطاعت کے خدا کی اطاعت میں قطعاً نہیں داخل ہو سکتا اور نہ ہی بغیر اطاعت رسولؐ براہ راست خدا کی اطاعت حاصل کر سکتا ہے کہ خداوند عالم سے براہ راست کسی امر میں تعلق پیدا کرنے کا دروازہ بند ہے۔ اسی واسطے ہی خداوند عالم نے فرمایا ہے۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ ۶/۲
پس امر اور ضرورت وسیلہ نے ہر طرح کے براہ راست تعلق کو قطع کر دیا ہے۔ پس خدا کی اطاعت بغیر رسولؐ کی اطاعت کے وسیلہ کے حاصل کرنا محال و ناممکن امر ہے جس سے ثابت ہے کہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت واحد امر ہے۔ لہذا اس امر واحد میں خدا اور رسولؐ کے درمیان کسی طرح کی تفریق و جدائی پیدا کرنا باعث کفر ہے۔ مقام عمل میں خدا و رسولؐ کی اطاعت امر واحد ہے۔ اس میں کسی طرح کا فرق نہیں کہ ہم کسی امر میں بھی خدا کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت کرنے کے بغیر نہیں کر سکتے خواہ کوئی امر ہو اور یہی امر ہر رسول کی امت پر واجب ہے۔

وما ارسلنا من رسولٍ الّا لیطاع باذن اللہ ۵/۶

اور ہم نے رسولوں میں سے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا۔ مگر اس واسطے کہ خدا کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔ پس ہر رسول کی امت پر اپنے رسول کی اطاعت بحکم خدا فرض تھی لہذا بغیر اطاعت رسولؐ اطاعت خدا قطعاً نہیں حاصل ہو سکتی۔ اس سے ثابت ہے کہ ہمارے لئے ہر ا رمیں اطاعت رسولؐ فرض و لازم ہے پس جس طرح رسولؐ کی اطاعت غیر اللہ میں داخل نہیں کی جا سکتی۔ اسی طرح رسولؐ سے طلب امداد بھی غیر اللہ میں شمار نہیں ہو سکتی جیسا کہ واقعات شاہد ہیں جو بیان ہو چکے ہیں۔

اور رسولؐ کے بعد بعینہ یہی صورت اطاعت اولی الامر کی ہے کہ رسول کے بعد اولی الامر کی اطاعت کے بغیر خدا و رسولؐ کی اطاعت بھی حاصل نہیں ہو سکتی اسی لئے خدا نے اطاعت رسولؐ و اولی الامر کو ایک جا یعنی اکٹھا اور ایک جیسا فریضہ قرار دیا ہے۔ کہ مقصد واحد ہے کہ جو ضرورت و لزوم اطاعت رسولؐ سے وابستہ ہے وہی بعینہ اطاعت اولی الامر سے وابستہ ہے جس طرح بامر اللہ اطاعت رسولؐ فرض ہے اسی طرح اطاعت اولی الامر بھی بامر اللہ فرض ہے۔ رہا یہ اختلاف کہ اولی الامر کون ہے تو یہ بحث طویل اور الگ امر ہے یہاں صرف اشارہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

فان تنازعتم فی شیءٍ فردوہ الی اللہ والی الرسول — الخ رسولؐ خدا نے بامر اللہ ایک لاکھ اور کئی ہزار صحابہ و صحابیات

کی موجودگی میں خم غدیر کے مقام پر حج الوداع سے واپسی پر اولی الامر کی شناخت بوضاحت کرادی تھی۔ تسلیم کرنا امت کا کام تھا اور خدا نے سورہ قدر میں اولی الامر کی وضاحت فرمادی ہے

تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر ۳۰/۲۲

نازل ہوتے ہیں اس رات میں ملائکہ۔ اور روح خدا کے حکم سے تمام امور میں۔۔ اولی الامر اور من کل امر سے واضح ہے کہ اولی الامر وہ ہے جس کو ہر سال بسال خدا کے ملائکہ اور روح خدا کے کل امور واقع ہونے والے۔ یا تو دینے کو آتے ہیں یا پھر لینے کو آتے ہیں جن کی تدبیر سال آئندہ تک انہوں نے کرنی ہوتی ہے اور یہ معاملہ جب سے جاری ہوا ہے ہمیشہ جاری رہیگا۔ جب تک خدا کو منظور ہے لہذا اولی الامر وہ ہے جو خدا کے ان امور کا مالک ہو۔ نہ کہ چند میل رقبہ زمین کا حاکم۔ مسلمانوں کو اس جگہ لغوی و صرفی و نحوی و منطقی وغیرہ وسوسوں نے دھوکہ دیا ہے یا پھر کسی سنہری غرض نے ورنہ ان دونوں اشاروں کو سب اہل علم و فضل بخوبی جانتے ہیں۔ ہم اپنے وہابیت نواز فاضلین سے بصد ادب عرض کرتے ہیں کہ وہ من کل امر سے ان امور کا استثنا ثابت کریں جن کا تعلق مخلوق سے ہو اور وہ صرف ذات احدیت کے ہی متعلق ہوں۔ من کل امر میں داخل نہ ہو۔ ھاتوا بکتا بکم۔

پس اس سے ثابت ہے کہ خدا کے کل امور جو مخلوق میں سال تک واقع ہونے ہوتے ہیں وہ صاحب امر اولی الامر کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ جب ایسا ہے تو ہر امر کو ان سے طلب کرنا جائز ہی نہیں بلکہ

واجب ہے کہ خدا نے تمام امور کی تعیمم و اجراء کو ان کے اختیار میں دے کر ان کو صاحب امر اولی الامر بنایا ہے۔

اسی وجہ سے اس رات کو ان کے لئے ہزار ماہ کی حکومت دنیاوی سے بہتر قرار دیا ہے۔ اس کی وضاحت طویل ہے۔ پس رسول کی اطاعت کی طرح اولی الامر کی اطاعت بھی غیر اللہ کی اطاعت نہیں کہ بامر اللہ ہے۔ پس غیر اللہ کی اطاعت وہ ہے جہاں امر اللہ نہ ہو بلکہ بغیر امر اللہ ہو۔ فتفکروا۔

مطیع و متبع رسولؐ ہی سے خدا محبّت کرتا

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ولغفر لکم ذنوبکم ۳/۱۲ اے رسول تم کہدو کہ اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو یا کہ رکھنا چاہتے ہو تو میرا اتباع کرو تاکہ خدا تم سے محبت کرے محبوب رکھے اور تمہارے گناہ بخش دے۔

اس آیہ کریمہ میں خدا نے اپنی محبت کو اتباع رسولؐ خدا سے وابستہ و منسلک کر دیا ہے جس سے ثابت ہے۔ کہ جس قدر کوئی اتباع رسولؐ خدا کرے اسی قدر خدا اس سے محبت کریگا۔ جس سے واضح ہے کہ خدا کی محبت متبع رسولؐ خدا سے جدا نہیں ہو سکتی اور نہ جدا کی جا سکتی ہے پس جو خدا کی محبت کو متبع رسولؐ خدا سے جدا کرے وہ مسلمان ہی نہیں رہتا۔ کہ اتباع رسولؐ کا نام ہی دین خدا ہے۔

یاایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف

یاتی اللہ بقوم یحبھم ویحبونہ اذلۃٍ علی المومنین اعزۃٍ علی الکفرین یجاھدون فی سبیل اللہ ولا یخافون لومۃ لائم ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ واسع علیم ۶/۱۲

اے ایمان والو جو کوئی بھی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائیگا تو عنقریب خدا ایسی قوم کو لائیگا جو خدا سے محبت رکھتے ہیں اور خدا ان سے محبت رکھتا ہے جو مومنین کے لئے نرم دل یعنی رحیم اور کافروں کے لئے سخت زبردست ہیں۔ راہ خدا میں لڑتے ہیں اور ملامت کرنے والوں سے نہیں ڈرتے۔ ملامت کرنے والوں کی پروا نہیں کرتے یہی خدا کا فضل ہے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ وسعت وکشادگی والا اور بہت ہی جاننے والا ہے۔

اس آیت میں صرف دو باتوں کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے ایک ایمان لا کر دین اتباع رسول خدا سے حاصل ہوتا ہے تو دین سے پھرنا اتباع رسول خدا سے پھرنا ثابت ہوگا اور یہ حقیقت ہے کہ دین اتباع رسول خدا کا ہی نام ہے۔

انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم ۲۲/۸ بے شک تو رسولوں میں سے سیدھی راہ پر ہے۔ دین صراط مستقیم کا نام ہے جس پر رسول خدا تھے اسی لئے ان کے اتباع کا نام دین ہے۔

وانکَ علٰی خلق عظیم ۲۹/۳ بے شک تو خلق عظیم پر ہے۔ ام المومنین عائشہ سے روایت ہے کہ خلقہ قرآن کہ آپ کا خلق قرآن

ہی تھا جس سے ثابت ہے کہ صراط مستقیم اور خلق عظیم اتباع رسول خداؐ سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی لئے اتباع رسول خداؐ کا نام دین ہے جو صحیح و درست اور حق ہے۔

دوسرا اشارہ یہ ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ خدا اس قوم کو لے آئیگا جن سے خدا محبت رکھتا ہے اور وہ خدا سے محبت رکھتے ہیں۔ پس اس آیت کا جملہ یحبھم و یحبونہ اور حدیث رایت خیبر کا یہ جملہ یحب اللہ و رسولہ و یحبہ اللہ و رسولہ کو ملا کر غور فرمائیں۔

اس آیت اور حدیث میں لفظی اور معنوی اتحاد ہے اور وہ علم جنگ خیبر امیر المومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہی عطا ہوا تھا جس کا ذکر ہو چکا ہے۔ پس آیت و حدیث کے لفظی اور معنوی اتحاد سے ثابت ہے کہ از روئے اتباع رسولؐ یہی خدا کی محبت کے مستحق تھے لہذا اسلامی دنیا میں آپ کی ذات اقدس ہی ایسی ہستی تھی جس کو خدا و رسول خداؐ محبوب رکھتے تھے۔ مہاجرین و انصار میں اور کوئی فرد اس مرتبہ و منزلت کی نہ تھی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول خداؐ کے ساتھ آپ کی ہی ذات اولی الامر تھی۔ رسولؐ کے زمانہ میں ان کے بغیر اور کوئی اولی الامر نہ تھا پس جب خدا نے اپنے تمام امور کا ان کو صاحب اور مالک و مختار دیا ہے۔ تو ہم پر فرض ہو گیا کہ ہم اپنے امور میں ان کو ہی مدد و نصرت کے لئے پکاریں اور ان کو پکارنا ان سے مدد و نصرت طلب کرنا ان کے ذکر میں داخل ہے اور ذکر علیؑ کرنا خدا کی عبادت میں داخل ہے۔ (ذکر علی این

ابی طالب عبادۃ صواعق محرقہ وکتب مناقب میں فرمان رسولؐ موجود ہے پس جس طرح ذکر علیؑ کرنا خدا کی عبادت ہے۔ بعینہٖ ان سے مدد و نصرت طلب کرنا بھی خدا سے مدد و نصرت طلب کرنا ہے۔ پس اس مقام پر خدا اور ان کے درمیان تفریق وجدائی ٹھانے کا خیال اور گمان کرنا بھی کفر مذکورہ میں داخل ہے۔
فتدبروا فیہ انہ الحق۔

خداوند عالم شہید علے کل شئی ہے

اور رسولؐ اور اولی الامر کو بھی شہید بنایا ہے

ان اللہ علے کل شیء شہید ۱۷/۹ بے شک خدا ہر شئے پر شہید ہے اور فرمایا ہے فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید و جئنا بک علے ھؤلاء شہیدا ۴/۵ پس کیا حال ہوگا جبکہ ہم ہر امت میں سے ایک شہید یعنی گواہ کو بلائینگے اور تم کو ان گواہوں پر شہادت کے لئے بلائیں گے۔

اس آیت سے واضح ہے کہ ہر امت میں سے ایک شہید یعنی گواہ ہوتا ہے اور وہ گواہ ساری امت پر گواہی کے لئے بلایا جائیگا ساری امت گواہ نہیں ہوتی بلکہ ہر امت میں سے صرف ایک گواہ ہوتا ہے۔

ویوم نبعث فی کل امۃ شہیدا علیھم من انفسھم وجئنا بک شہیدا علے ھؤلاء ۱۴/۱۸ اور جس دن ہم ہر امت میں ان میں سے ہی ان پر ایک شہید یعنی گواہ کو کھڑا کرینگے اور تجھ کو ان گواہوں پر گواہی کے لئے بلائیں گے۔

اس آیہ مبارکہ سے ثابت ہے کہ ہر امت میں ایک گواہ ہوتا ہے اور رسول خداؐ ان تمام گواہوں پر گواہ یعنی شہید ہیں اور ہر امت کا شہید اس امت کا رسول ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسے علیہ السلام خداوند عالم کی درگاہ میں عرض کرتے ہیں جس کا ذکر خداوند عالم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔

ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ ان اعبدوا اللہ ربی وربکم وکنت علیھم شھیداً ما دمت فیھم فلما توفیتنی کنت الرقیب علیھم وانت علےٰ کل شیءٍ شھید ﴿﴾ میں نے تو ان سے نہیں کہا تھا مگر وہی جس کا تو نے مجھے امر کیا۔ حکم دیا تھا کہ تم میرے رب اور اپنے رب کی عبادت کرو اور جب تک میں ان میں تھا ان پر گواہ یعنی شہید تھا اور جب تو نے میری رسالت کو ان سے قبض کر لیا مجھے ان سے ہٹا لیا تو پھر تو ہی ان کے حال سے خبردار تھا اور تو ہی ہر شئے پر شہید ہے۔

اس فرمان خدا سے ثابت ہے کہ حضرت عیسے علیہ السلام اپنی امت پر شہید تھے اس سے معلوم ہوا کہ ہر امت کا شہید اس امت کا رسول ہی ہوتا ہے اور دوسرا یہ معلوم ہوا کہ جب تک وہ رسول اپنی امت میں موجود ہو وہ اس پر شہید ہوتا ہے اور جب وہ امت سے چلا جائے قبض کر لیا جائے پھر وہ شہید نہیں ہوتا۔ توفا کا معنی پورا کرنا اور قبضہ میں لے لینا ہوتا ہے۔

پس ان آیات سے ثابت ہے کہ خداوند عالم نے ہر رسول کو اس کی امت پر شہید قرار دیا ہے۔ ہر رسول خدا کی طرف سے اپنی امت

کے اعمال پر شہید ہوتا ہے جس پر نبعث فی کل امۃ لیشھید علیھم من انفسھم کی نص واقع ہے - اور شہید کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے - الشھید ھو حاضر علےٰ شئی ء - شہید وہ ہوتا ہے جو کسی شئی یا کہ واقع پر حاضر و موجود ہو جس سے معلوم ہوا کہ ہر رسول اپنی امت کے اعمال پر بوقت عمل حاضر و موجود ہوتا ہے - اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب خداوند عالم ہر رسول کو ہر جگہ موجود و حاضر ہونے کی قدرت و طاقت عطا فرما دے - اور آیات مذکورہ سے رسولوں کا اپنی امت شہید ہونا ثابت ہے جس سے ثابت ہے کہ خدا نے تمام رسولوں کو صفت اور قوت و طاقت شہیدیت عطا فرما کر تمام امت کے اعمال کا شہید قرار دیا ہے -

اسی واسطے ہی بروز محشر ہر امت کے ساتھ ان کے اعمال کی گواہی کے واسطے ان کے رسول کو طلب کیا جائیگا - کہ اسی کو اس کی کل امت پر شہید بنایا ہے - اس کے بعد فرمایا ہے کہ اے رسولؐ تم کو ان تمام رسولوں پر شہادت کے لئے بلاؤنگا - جس سے جملہ رسولوں کا جزوی شہید ہونا ثابت ہے اور ہمارے رسولؐ خدا کا کلی شہید ہونا ثابت ہے کہ یہ شہید علے الکل ہیں - ہر رسول اپنی امت پر جب تک ان میں موجود ہو شہید ہوتا ہے اور ہمارا رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم خدا کے سوا کل مخلوق پر شہید ہیں - اور رسولوں کے شہید ہونے کے لئے ان کا امت میں ظاہراً جسمانی حالت میں موجود ہونا ضروری ہے اور رسولؐ خدا کے لئے یہ قید نہیں رکھی گئی یہ موجودگی اور غیر موجودگی دونوں حالتوں میں شہید

ہیں جس پر وجئنا بك علیٰ ھٰولاء شہیداً اور وجئنا بك شہیداً علیٰ ھولاء کی نص موجود ہے۔

پس اس صفت میں خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی ڈالنا ان کے شہید ہونے کو خدا کے شہید ہونے سے علیحدہ کرنا یا کہ علیحدہ دکھانا ہی خدا اور اس کے رسولوں کے درمیان جدائی ڈالنا ہے جس سے اجتناب فرض ہے ورنہ بموجب فرمان الہیہ کافر حقیقی ہو جائیگا

اور یہ قوت اور وصف شہیدیت کوئی ظاہری آلہ وسامان نہیں جو محسوس ہو سکے یا کہ دیکھا جا سکے بلکہ یہ ایک باطنی قوت اور وصف ہے جس سے یہ ہر عمل کرنے والے کے عمل پر بوقت عمل حاضر و موجود ہوتے ہیں جس طرح خداوند عالم بذات خود اپنی صفت سے موجود ہوتا ہے اسی طرح اس کے رسول بھی موجود ہوتے ہیں کہ خدا نے ان کو اسی صفت اور قوت پر خلق فرمایا ہے جس کے بعد اس صفت اور قوت میں خدا اور رسولوں کے درمیان جدائی ڈالنا ویریدون ان یفرقوا بین اللّٰہ ورسلہ میں داخل ہے ایسا عقیدہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے پس اس سے لازم آتا ہے کہ رسولؐ خدا کے ساتھ اور رسولؐ خدا کے بعد اولی الامر منکم جو شہیداً علیہم من انفسھم کی طرح ہو وہ بھی شہید علیٰ کل شئی ہو ورنہ وہ اولی الامر نہ ہوگا۔ کہ خدا اور رسولؐ کا شہید علیٰ کل شئی ء ہونا بھی ایک امر ہے۔ لہذا اولی الامر وہی ہے جو اس امر خدا و رسولؐ کا بھی مالک ہو۔ ایسا ہی خداوند عالم نے فرمایا ہے۔

وکذالك جعلنکم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی

الناس ویکون الرسول علیکم شہیداً ۲؎

اور اسی طرح ہم نے تم کو درمیانہ گروہ درمیانی امت بنایا ہے تاکہ تم تمام لوگوں پر شہید ہو اور رسولؐ تم پر شہید ہے۔ پس اس آیت سے ظاہر ہے کہ خدا نے رسولؐ کے ساتھ اور آپ کے بعد مسلمانوں میں سے ایک امت وگروہ کو درمیانی حالت اور اوصاف پر اس لئے خلق فرمایا ہے کہ وہ تمام لوگوں پر شہید ہوں اور رسولؐ خدا ان پر شہید ہے جس سے واضح ہے کہ خداوند عالم نے رسولؐ اور اس کی تمام امت کے درمیان ایک گروہ ایسا خلق فرمایا ہے جو رسولؐ کی امت پر ہی نہیں بلکہ تمام لوگوں پر شہید ہیں اور رسولؐ خدا ان پر شہید ہے لہٰذا یہی امت یا کہ گروہ وجماعت رسولؐ کے بعد اولی الامر ہے۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا ہے۔

یاایھا الذین امنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا وافعلوالخیر لعلکم تفلحون وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ ھواجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین من حرج ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سمّٰکم المسلمین من قبل وفی ھذا لیکون الرسول شہیداً علیکم وتکونوا شھداء علی الناس ۔

اے ایمان والو رکوع کرو سجدہ کرو اور نیک عمل کرو تاکہ تم فلاح یافتہ ثابت ہو جاؤ اور خدا کی راہ میں جہاد کرو جو جہاد کا حق ہے کہ خدا نے تم کو اسی لئے چن لیا انتخاب کر لیا ہے اور تم پر دین میں تنگی نہیں رکھی گئی یہ تمہارے باپ ابراہیم کی ملت اور حصہ ہے اسی نے تمہارا نام پہلی کتابوں اور اس میں بھی مسلمان رکھا ہے تاکہ

رسول تم پر گواہ رہے اور تم تمام لوگوں پر شہید و گواہ رہو پس اس آیت سے تقریباً سولہ امر ثابت ہیں ہم صرف دو کا اشارہ کرتے ہیں۔
(۱) ایک یہ ہے جن مومنین کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا ہے یہ اولاد ابراہیم میں سے ہیں۔
(۲) یہ ہے کہ خدا کا رسولؐ جس طرح تمام رسولوں پر شہید اور گواہ ہے اسی طرح سے ان پر بھی شہید اور گواہ ہے۔ اور یہ مومنین شہید علے الناس ہیں کل لوگوں پر شہید اور گواہ ہیں اور لفظ ناس میں کل رسول اور ان کی امتیں بھی داخل ہیں جس سے ثابت ہوا کہ یہ مومنین رسولؐ کے درجہ میں شہید علےٰ کل شئ ہیں۔ جس سے ثابت ہے کہ خدا نے ان کو رسولؐ کی طرح تمام ناس بلکہ کل شئ پر شہید قرار دیا ہے اور رسولؐ فرماتے ہیں۔ صفوا صفوفکم فانی ارائکم من خلفی کما ارائکم من قبلی۔
اپنی صفوں کو سیدھا رکھا کرو کہ میں تم کو پیچھے کی طرف سے بھی اسی طرح دیکھتا ہوں جس طرح سامنے کی طرف سے دیکھتا ہوں اس سے ثابت ہے کہ شہید وہ ہے جو ہر طرف سے مساوی طور پر دیکھ سکے جو صرف آنکھ سے دیکھنے کا محتاج ہو وہ ہرگز شہید نہیں ہو سکتا پس شہید وہ ہے جو اپنے مقام پر خدا کی عبادت یا کہ تبلیغ دین وغیرہ امور میں مصروف ہو پھر بھی تمام لوگوں کے اعمال کو دیکھتا ہو۔ اس کے دیکھنے میں کوئی پردہ حادی ہو کہ نوری ہو حائل نہیں ہو سکتا لوگ اس کو سوتا ہوا محسوس کر رہے ہیں مگر وہ تمام مخلوق کے عملوں کو دیکھ رہا ہے اور اپنی باطنی قوت سے

سب پر کنٹرول کر رہا ہے۔ اس کی شرح طویل ہے۔ لہذا اسی اشارہ پر اکتفا کی جاتی ہے۔

پس امت محمدی میں سے اولی الامر وہ شخص ہے جس کو خدا نے رسولؐ کی طرح تمام ناس پر شہید خلق فرمایا ہو۔ اور یہ صفت کسب و اکتساب سے حاصل نہیں ہو سکتی اور نہ مخلوق کے اجماع سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جب تک نہ بخشے خدائے بخشندہ۔ اور اس کی یہ بخشش خلقی ہوتی ہے وہ ان کو اسی صفت پر خلق فرماتا ہے۔ پس یہ صفت کسبی نہیں ہوتی وہبی ہوتی ہے من اللہ ان کو خلقتاً دی جاتی ہے اسی واسطے فرمایا ہے وقل اعملوا فسیری اللہ عملکم و رسولہ والمومنون و ستردون الیٰ عالم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون ۱۱/۲ اور تم کہدو کہ عمل کرو۔ پس تمہارے عملوں کو خدا دیکھتا ہے اور اس کا رسول اور مومنین دیکھتے ہیں اور تم بہت جلد عالم غیب و شہادت کے جاننے والے کی درگاہ میں حاضر کئے جاؤ گے پھر وہ تم کو خبر دیگا جو کچھ تم کرتے رہے ہو گے۔

پس اس آیت سے ثابت ہے کہ تمام لوگوں کے عملوں کو عمل کرتے وقت خدا دیکھتا ہے اور اس کا رسول دیکھتا ہے اور مومنین دیکھتے ہیں پس یہی مومنین اولاد ابراہیم میں سے ہیں جن کو خدا نے امت وسط یعنی رسولؐ اور امت رسولؐ کے درمیان وہ گروہ جن کو خدا نے اپنے امور کل کا مالک و مختار فرما کر تمام انسانوں کے اعمال کا شہید اور گواہ مقرر فرمایا ہے۔ اسی لئے تمام امت رسولؐ پر ان کی اطاعت فرض قرار دی ہے۔

واولی الامر منکم۔ پس اولی الامر ہی شہید علی الناس ہے۔ اور جو شہید علی الناس ہو اس کا رسولؐ خدا کی طرح ہر طرف سے دیکھنا لازمی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوا ہے۔
لا تسبقونی فی الرکوع انی اراکم من خلفی کما اراکم من قبلی (فرمان نبوی) مجھ سے پہلے رکوع میں نہ جایا کرو میں تم کو پشت کی طرف سے بھی ایسا ہی دیکھتا ہوں جیسا کہ سامنے کی طرف سے دیکھتا ہوں۔ پس جو شخص اس طرح کی صفت نہ رکھتا ہو وہ شہید علی الناس نہیں ہوسکتا اور جو شہید علی الناس نہیں وہ امت وسط میں سے نہیں ہے اور جو امت وسط نہیں وہ اولی الامر نہیں ہوسکتا اور جو اولی الامر نہ ہو اس سے نصرت و مدد طلب کرنا غیر اللہ میں داخل ہے جو کفر ہے۔ لیکن جو اولی الامر ہے اس سے نصرت و مدد طلب نہ کرنا اور اس کو غیر اللہ جاننا بھی کفر مذکورہ ہے جس سے پرہیز واجب ہے۔ اہل منطق و معانی وغیرہ نے جو وسوسے ان آیات میں ڈالے ہوئے ہیں ان کے حل کا یہ محل نہیں صاحب علم و فضل بحار الانوار اور تفسیر برہان اور اتقان سیوطی اور کتب مناقب و مودات کا مطالعہ فرمائیں اور اردو خواند حضرات علامہ عبد العلی مرحوم اعلی اللہ مقامہ کے مواعظ حسنہ کو دیکھیں اور جو لوگ تمام امت محمدی کو شہید علی الناس تصور کئے ہوئے ہیں ان کے خیال کا ابطال خدا نے قرآن مجید میں کر دیا ہے جس پر غور نہیں کی جاتی جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔
وجاءت کل نفس معھا سائق وشھید ٢٦/١٦ اور ہر نفس بروز حشر خدا کی درگاہ میں اس طرح جائیگا کہ اس کے ساتھ ایک

اس کو ہانکنے چلانے والا ہوگا - اور ایک اس کے اعمال کا گواہ ہوگا -
اس سے ثابت ہے کہ ہر شخص کے ساتھ دو وجود ہونگے ایک وہ جو اس کو ہانک کر چلا کر دربار خدا میں حساب کے لئے لے جائیگا - اور دوسرا وجود اس کے اعمال کا گواہ ہوگا پس اس سے واضح ہے کہ گواہ ایک شخص ہوگا جو ہر شخص کے اعمال کی گواہی کو حاضر ہوگا - نہ کہ تمام امت محمدیؐ لہذا یہ عقیدہ خلاف قرآن ہے کہ تمام امت گواہ ہے - جو باطل ہے ہر امت کا گواہ ایک ہی ہوتا ہے - چونکہ یہ اعتقاد حقیقت متفقہ اہل اسلام ہے کہ رسول خداؐ کے خلفاء و اولی الامر بارہ ہیں جو اس امت کے امام بھی ہیں اس لئے یہ امت بارہ حصوں میں تقسیم کردی جائیگی ہر حصہ اپنے اپنے زمانہ کے اولی الامر و شہید و امام کے ساتھ محشور کیا جائیگا - یوم ندعوا کل اناس بامامھم ۱۵ اس دن ہر شخص اپنے اپنے امام کے ساتھ بلایا جائیگا - بنا بریں ہر حصہ امت محمدیؐ کا گواہ ایک ہی ہوگا جو ہر شخص کے اعمال کی گواہی دیگا - فتعقل فیہ -
اگر انصاف سے رسول خداؐ کی زندگی اور تاریخ اسلامی کا مطالعہ کیا جائے تو آپ کی زندگی کے آخری دنوں کا تاریخ اسلامی ایک اہم واقعہ پیش کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ حج الوداع سے واپسی پر خم غدیر کے مقام میں ایک لاکھ اسی ہزار صحابہ اور صحابیات کے مجمع میں بحکم خدا یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسلتہ واللہ یعصمک من الناس واللہ لا یھدی القوم الکفرین $\frac{6}{12}$

اے رسولؐ جو کچھ تجھ پر تیرے رب کی طرف سے نازل کیا جا چکا ہے وہ پہنچا دے اور اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو تو نے خدا کی رسالت کا کوئی کام ہی نہیں کیا۔ اور اللہ تجھ کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے۔ بیشک اللہ انکاری قوم انکار کرنے والی قوم کو ہدایت نہیں کرتا۔ اس آیت کی تفصیل طوالت طلب ہے۔

پس اس حکم خدا کے تحت حجاج کے جم کبیر میں دہن مبارک رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آواز بلند ہوتی ہے۔ علست اولی بکم من انفسکم کیا میں تمہاری جانوں کا تم سے زیادہ مالک نہیں ہوں؟ تو جواب میں سب نے عرض کی۔ بلیٰ یا رسول اللہ۔ ہاں یا رسول اللہ پس آپ نے تین بار اقرار لیا۔ جب تین بار اقرار کر چکے تو درگاہ خدا میں یوں عرض کی۔ اللّٰھم اشھد علیٰ ھٰؤلاء خداوندا تو ان کے اقرار پر گواہ رہ۔ پھر مجمع سے فرمایا۔ من کنت مولاہ فھذا علی مولاہ جس کا میں مولا ہوں حاکم ہوں مالک ہوں۔ ہاتھوں سے اُٹھا کر دکھا کر فرمایا۔ پس یہ علی بھی اس کا ایسا ہی مولا اور حاکم اور مالک ہے۔ رسول خداؐ کے یہ الفاظ آج بھی فضا عالم میں موجود ہیں پس لفظ مولاہ میں بیان فرما دیا کہ میرے ساتھ اور میرے بعد علیؑ ہی تمہارا اولی الامر ہے۔ (جو کچھ ان مقدس الفاظ کے متعلق دل میں خیالات موجزن ہیں۔ صفحات ان کی اجازت نہیں دیتے لہٰذا مجبوری ہے) صرف یہ عرض کرنا ہے کہ رسول خداؐ نے بحکم خدا اس حکم کی تبلیغ میں کیا فرمایا ہے۔ پہلے صحابہ کرام سے اس حکم خدا کو یاد کرا کے اقرار لیا ہے۔ النبی اولی بالمومنین من انفسھم ۲۱/۱۷ کہ نبی مومنین کی جانوں کا خود ان

سے زیادہ مالک ہے۔ اولی کا معنی زیادہ حقدار زیادہ لائق ہوتا ہے
آنحضرتؐ نے فرمایا۔ الست اولی بکم من انفسکم۔ کیا میں تمہاری
جانوں کا تم سے زیادہ مالک و مختار نہیں۔ تو سب صحابہ کرامؓ نے
اقرار کیا ان کے تین بار اقرار کے بعد خداوند عالم کو گواہ بنایا پھر فرمایا
جس کا میں مولا ہوں۔ اس کا یہ علیؑ بھی میری طرح کا مولا ہے۔ پس
اس فرمان سے رسول خداؐ نے علی علیہ السلام کو اپنی منزلت اپنے مرتبہ
ولایت و حکومت پر کھڑا کر دیا تھا جس سے واضح ہے کہ رسولؐ کے
بعد امت پر علی علیہ السلام کو وہی امارت و حکومت من اللہ و من
الرسول حاصل ہے جو خدا و رسولؐ کی ہے۔ لہٰذا یہی اولی الامر ہیں
ان پر خدا و رسولؐ کے سوا اور کوئی امتی حاکم نہیں ہوسکتا۔ جس
سے رسول خداؐ کے بعد ان کا اولی الامر ہونا ثابت و محقق ہے جس
کی وجہ سے کل امت پر واجب ہے کہ وہ ہر امر خدا بلکہ اپنے ذاتی
امور میں بھی اولی الامر کی طرف رجوع کرے۔ اور جو ایسا نہ کرے وہ
خدا اور رسول خداؐ کی حکومت سے خارج ہو جائیگا اگرچہ منافقین
اسلام کی طرح مسلمان کہلاتا رہے ایسا شخص واللہ یشھد ان
المنافقین لکٰذبون۔ (سورہ منافقون) کی زد میں آجائیگا۔ اسی
واسطے رسول خداؐ نے فرمایا ہے۔ یا علی لا یبغضک الا منافق
(صواعق وغیرہ) پس ہم مامور و محکوم ہیں کہ اپنی ہر حاجت کو جو کہ مورد
تقوٰی میں داخل ہو امیر المومنین علی علیہ السلام سے طلب کریں۔ اس
کے سوا ہمارے لئے کوئی چارہ نہیں ہے۔
پس اس اولی الامر اور شہید علیٰ کل کی اولوالامری اور شہیدیت

علمِ کل کو ثابت کرنے اور وقت کو ظاہر کرنے کے واسطے خداوند عالم نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے۔ یقول الذین کفروا لست مرسلاً قل کفیٰ باللہ شہیداً بینی وبینکم ومن عندہ علم الکتاب۔ ۱۳/۱۲ کافر لوگ کہتے ہیں کہ تو رسول نہیں ہے تم جواب دو کہ اللہ تمہارے اور میرے درمیان میری رسالت کی گواہی کے لئے کافی ہے اور وہ شخص جس کے پاس کل کتاب کا علم ہے۔

اس آیت میں خدا نے اپنے رسولؐ کی رسالت کی شہادت کے لئے اپنی ذات اقدس کو پیش فرمایا ہے کہ میں اس کو رسولؐ بنا کر بھیجنے والا ہی گواہی کے لئے کافی ہوں۔ بے شک خدا کی گواہی کافی ہے اور کافی تھی۔ مگر خدا نے اپنے قانون میں ہر امر کے لئے دو گواہ عادل قرار دئے ہیں۔ اس لئے مطابق قانون دوسرے گواہ کی ضرورت محسوس فرما کر امت رسولؐ میں سے جس کو رسولؐ کی رسالت کا گواہ پیش فرمایا ہے اس کا نام وقوم وقبیلہ وغیرہ کچھ نہیں بیان فرمایا بلکہ اس گواہ کی شناخت کے لئے اس کا یہ وصف بیان فرمایا ہے کہ وہ گواہ وہ شخص ہے جس کو کل کتاب کا علم حاصل ہے۔ لیکن کتاب کا نام بھی نہیں لیا کہ وہ کتاب توریت ہے کہ انجیل ہے یا کہ زبور ہے یا کہ قرآن ہے۔ اس گواہ کی شناخت کا معیار (الکتاب، اور اس کے علم) کو قرار دیا ہے لہٰذا کتاب اور اس کے علم کی تشخیص سے اس گواہ کی شناخت ہوگی۔ اس کے بغیر اس کی شناخت کا اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

علمائے اہل اسلام کے حالات، مذہبی کا تتبع کرنے سے سخت

حیرت پیدا ہوتی ہے کہ وہ کس قسم کے دل اور کس طرح کا اعتقاد رکھتے خداوند عالم ان پر رحم فرمائے۔

دیکھئے سورہ رعد جس میں آیہ مبارکہ موجود ہے اس کو اول سے لے کر چودھویں صدی کے شروع تک علماء اسلام مکی سورہ مانتے اور لکھتے آئے ہیں جیسا کہ کتب و قرآن قریقین میں مرقوم ہے۔

کتب خانہ مقبول عام اور مقبول عام پریس ریلوے روڈ لاہور جو مولوی نواب الدین اینڈ سنز کی ملکیت تھا۔ اس پریس میں چھاپہ شدہ قرآن مجید جو (ایم محمد اقبال منیجر) کے زیر اہتمام چھپ کر فروخت ہوتے رہے ہیں ان میں سورہ رعد کو مکی لکھا گیا ہے جو سابقہ سندات کے مطابق ہے۔

لیکن تاج کمپنی وغیرہ کے چھاپ کردہ قرآن مجید جو شیخ عنایت اللہ منیجنگ ایجنٹ تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور کے زیر اہتمام چھپ کر قرآن منزل لاہور سے شائع ہو رہے ہیں ان میں سورہ رعد کو مدنی لکھا گیا ہے ان کے اس قسم کے خیالات و اعمال سے سخت حیرت ہوتی ہے۔ اپنے ماحول کے اندر تو جو کچھ ہو ہوتا رہے لیکن جب یہ امر منظر عام پر لایا گیا تو اس کا انجام کیا ہوگا ایک طرف تیرہ سو سال کے قرآن مجید قلمی و چھاپہ شدہ اور سندات سابقہ ہونگے۔ اور ان کے برخلاف تاج کمپنی وغیرہ کے چھاپ کردہ قرآن اور مہتمم حضرات ہونگے جن سے ایک دوسرے کی صریحاً تکذیب ہوگی اور جہالت ثابت ہوگی جس کے انجام میں کل اہل اسلام کاذب ثابت ہونگے اور قرآن مجید کے بارے میں کاذب و جاہل ثابت ہونگے جس سے قرآن مجید کی صداقت اور صحت اور عظمت رخصت ہو جائیگی

جس سے توحید پرستی اور دین ختم ہوگا۔ نہ معلوم تاج کمپنی وغیرہ کے مطبع والوں نے اسلاف کی جہالت یا تکذیب کو ثابت کر کے کیا فائدہ حاصل کیا ہے اور بروز محشر کیا جوابدہ ہونگے (رموز سلطنت خویش خسروان دانند) والا معاملہ ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک اس تبدیلی سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ ہی ہوگا۔ بلکہ محشر کی جوابدہی کی سختی ہوگی۔ راز اس عمل کا یہ معلوم ہوتا ہے کہ علمائے سابقین نے سورہ رعد کو مکی تسلیم کر کے اس کی آخری آیت مذکورہ ومن عندہ علم الکتاب سے مراد عبداللہ بن سلام کو لیا جو یہودی مذہب کا عالم تھا اور مسلمان ہوا تھا چونکہ وہ مدینہ میں مسلمان ہوا تھا اس لئے روایت کی آیت اور واقعہ سے تصدیق نہ ہوسکتی تھی لہذا زمانہ حال کے علماء اور اہل مطابع نے اس کو مدنی لکھ کر واقعہ کے مطابق کرنے کی جرأت کی ہے۔ مگر کسی نے سچ کہا ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست   تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خداوند عالم غیب دان ہے وہ ایسی حرکات کو جانتا تھا کہ لوگ میرے اس فرمان کو ایسی تجاویز سے تبدیل کرینگے اس لئے اس نے اپنی کلام میں اس امر کا انتظام کر دیا تاکہ صاحبان عقل کو اصلیت معلوم ہوجائے۔ خداوند عالم نے کتاب اور علم کتاب کو بیان فرما کر روایت مذکورہ کی تردید کر دی ہے اگر کوئی نہ سمجھے تو یہ اس کا قصور ہے اس سے واقع نہیں بدل سکتا وہ اپنے مقام پر ہی رہیگا۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے قال یایھا الملؤا ایکم یاتینی بعرشھا قبل ان یاتونی مسلمین۔ قال عفریت من الجن انا اتیک بہ قبل

ان تقوم من مقامك وانی علیه لقوی امین - قال الذی عندہ علم من الکتب انا اتیك به قبل یرتد الیك طرفك فلما راہ مستقراً عندہ قال هٰذا من فضل ربی ١٩/١٨ - حضرت سلیمانؑ نے کہا اے دربار والو یا کہ اے سردارو تم میں کون ہے جو بلقیس کے تخت کو اس کے فرماں بردار ہو کر حاضر ہونے سے پہلے میرے پاس لا دے - یا لے آئے - قوم جن میں سے ایک دیو بڑا قوی جوان بولا کہ میں تیرے اپنے مقام سے اُٹھنے سے پہلے تجھ کو لا دیتا ہوں اور میں اس کو اٹھانے میں طاقتور اور امین بھی ہوں - اس شخص نے کہا جس کے پاس کتاب کا تھوڑا سا علم تھا یا کتاب کے علم میں سے کچھ علم تھا - کہ میں تیری آنکھ جھپکنے یا تیری نظر کے پلٹنے سے پہلے لا دیتا ہوں پس اس نے تخت کو اپنے سامنے آرام سے رکھا ہوا دیکھا تو کہنے لگا کہ یہی میرے رب کا فضل ہے -

اس آیت سے دو باتوں کو پیش کیا جاتا ہے :-

(١) ایک یہ ہے کہ حضرت سلیمانؑ رسول ہیں اور ان کو تخت بلقیس کی ضرورت ہے - وہ خدا سے نہیں عرض کرتے اور نہ ہی خود علم رسالت سے تخت لاتے ہیں - بلکہ اہل دربار سے سوال کرتے ہیں کہ تم میں سے کون ہے جو میرا یہ کام کر دے خیال رہے یہ حکم نہیں سوال ہے حکم کسی مخصوص شخص کو دیا جاتا ہے کہ یا فلاں یا ئتینی یا کہ ایھا الملؤا یا تونی نہیں فرمایا بلکہ فرمایا ہے ایکم تم میں کون ہے اس سے سوال کرنے کا اور امداد طلب کرنے کا جواز ثابت ہے

لہذا سوال کرنا اور امداد طلب کرنا ایاک نستعین کے خلاف نہیں۔
(۲) دوسرا یہ عرض کرنا ہے کہ اس آیت میں خدا نے فرمایا ہے (کہ اس شخص نے کہا جس کو کتاب کے علم میں سے کچھ علم عطا ہوا تھا) اس جملہ میں کتاب کے علم کا کچھ حصہ یعنی جزوی علم کا بیان ہے اس لئے کتاب اور اس کے علم کو معلوم کرنے سے مقصد حاصل ہوگا کہ کتاب سے مراد کیا ہے اور اس کے علم سے مراد کیا ہے۔

دونوں آیات میں لفظ کتاب نکرہ ہے جس پر ال داخل ہے۔ الف لام یا تو جنسی ہوتا ہے یا معرفہ ہوتا ہے۔ اگر الف لام جنسی لیا جائے تو مراد کل کتب وصحائف آسمانی ہونگے اور اگر معرفہ لیا جائے تو اس سے مراد قرآن مجید ہوگا جو کل کتب وصحائف آسمانی کا مصدق اور محافظ ونگران اور ان کا ناسخ ہے۔ اور ناسخ سے مراد یہی ہوتی ہے کہ جو کچھ کتب منسوخہ میں نازل ہو چکا ہے وہ بھی ناسخ میں موجود ہو اور جو کچھ ان میں نہیں نازل ہوا وہ بھی ناسخ میں من حیث الکلی موجود ہو۔ لہذا الف لام کی دونوں صورتوں میں کل کتب آسمانی میں نازل شدہ علم کے کچھ حصہ کا علم حضرت آصف بن برخیا کو عطا ہوا تھا اور یہی صورت واقعہ بھی ہے کہ اس وقت تک توریت اور زبور ہی نازل ہوئے تھے انجیل اور قرآن نہیں نازل ہوئے تھے۔

مبنی بریں ہم علماء وفضلاء اسلام سے عرض کرتے ہیں کہ وہ اپنے ہیرو عبد اللہ بن سلام سے کوئی ایسا واقعہ دکھا سکتے ہیں جو جزوی علم کتاب رکھنے والے حضرت آصف بن برخیا نے حضرت سلیمانؑ

کو دکھایا تھا۔ اگر ان کے پاس عبد اللہ بن سلام کا کوئی ایسا واقعہ موجود ہو تو فاتوا بکتاب بلمہ ان کنتم صادقین۔

پس عبد اللہ بن سلام جب جزوی علم کتاب رکھنے والے حضرت آصف بن برخیا کا مقابلہ نہیں کر سکتا جس سے وہ جزوی علم کتاب سے کبھی خالی ثابت ہوتا ہے تو پھر من عندہ علم الکتاب یعنی ساری کتاب کے کل علم والے کے مقام پر کس طرح کھڑا کیا جا سکتا ہے۔ عبد اللہ بن سلام بیچارہ تو کیا یہاں تمام صحابہ کرام اکٹھے ہو کر بھی نہیں کھڑے ہو سکتے بلکہ کل انبیاء اور ملائک بھی نہیں کھڑے ہو سکتے۔ ایں زمین را آسمانے دیگر است۔

خداوند عالم ایک اور کتاب کا بھی ذکر فرماتا ہے۔

وقال الذین اوتوا العلم والایمان۔ لقد لبثتم فی کتاب اللہ الی یوم البعث فھذا یوم البعث ولکنکم کنتم لا تعلمون ۲۱/۹

اور وہ لوگ جن کو علم اور ایمان عطا کیا گیا ہے کہیں گے۔ بے شک تم کتاب خدا میں کھڑا کئے جانے کے دن تک رہے ہو پس یہی کھڑا کئے جانے کا دن ہے۔ ولیکن تم تو جانتے ہی نہ تھے۔ مانتے ہی نہ تھے کہ یوم بعثت بھی کوئی چیز ہے۔

اس آیت میں خدا نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی کل اشیاء کو کتاب خدا فرمایا ہے۔ پس اس کتاب کے لحاظ سے زمین اور آسمان اور ان میں کل آباد مخلوق کا علم یعنی دلیقینی مراد ہو گا اور یہی قرین عقل ہے عقل سلیم اسی کی طرف رجوع کرتی ہے۔ کہ حضرت آصف بن برخیا کا واقعہ بھی اسی کا موئد ہے۔ کہ یہ تخت شہر سبا

علاقہ یمن سے بیت المقدس میں لایا گیا تھا۔ جس میں تقریباً پندرہ سو میل کا فاصلہ ہے۔ پس اس سے ثابت ہے کہ خدا کی کتاب قولی کے علم حقیقی سے خدا کی کتابِ فعلی پر یہ تصرف حاصل ہو سکتا ہے پس عبد اللہ بن سلام ہوں یا کہ ان کے ہم مکتب اور ملا ہوں کیا وہ یہ تصرف دکھا سکتے ہیں۔ فاتوا بکتا بکم ان کنتم صادقین یہ تصرف درسی وکسبی علوم کے بس کی بات نہیں۔

پس سورہ رعد کو مکی لکھیں یا مدنی لکھیں اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ یہ کسی کے بس کی بات نہیں۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ یہ تو جزوی علم کے اثر کا احاطہ اور ذکر تھا اس سے اندازہ کریں۔ کہ کل کتاب کے عالم کا احاطہ تصرف کس قدر وسیع ہو سکتا ہے کس کی مجال ہے جو کل کتاب کے عالم کے تصرف کا احاطہ کر سکے احاطہ تو کجا بلکہ اندازہ اور وہم وگمان بھی کر سکے۔

جب حضرت موسےٰؑ صاحب کتاب وشریعت واولوالعزم رسول نہیں معلوم کر سکتے اور نہیں سمجھ سکے تو ان کا امتی عبداللہ بن سلام کس شمار میں ہے۔

پس اس سے ثابت ہے کہ جن کو خداوند عالم کل کتاب کا علم عطا فرمائے ان کے احاطہ تصرف کو معلوم کرنا اور جاننا خداوند عالم کا ہی کام ہے کہ وہ دینے والا اور یہ لینے والے ہیں۔ ؎

درمیان عاشق ومعشوق رمزیست
کراماً کاتبیں راہم خبر نیست

پس جب اس عالم کتاب کے ہمعصر حضرات بھی نہیں جان سکے۔

تو پھر چودہ سو سال کے بعد درسی دکیبی علم والے ملاّ کہاں جائیں خواہ وہ کسی درس کے متعلم ہوں۔

بل ھو آیات بیّنٰت فی صدور الذین اوتوا العلم ۲۱/۱ بلکہ وہ کتاب تو آیات ظاہرہ کی طرح ان لوگوں کے دلوں میں موجود ہے جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔

ثم اورثنا الکتٰب الذین اصطفینا من عبادنا ۲۲/۱۶ پھر ہم نے وارث کیا اپنی کتاب کا ان لوگوں کو جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے مصطفےٰ بنا لیا۔

پس ان آیات سے ثابت ہے کہ خدا نے اپنی تعلیم سے قرآن مجید کچھ لوگوں کے سینوں میں یعنی صدور میں آیات ظاہرہ کی طرح رکھ دیا تھا اور وہ وہی لوگ ہیں جن کو خدا نے علم عطا فرمایا تھا۔ درسی ملاؤں سے نہ لیا تھا اور اسی لئے ان لوگوں کو تمام امت محمدی سے مصطفےٰ قرار دے کر اپنی کتاب کا رسولؐ کے بعد وارث کتاب بنایا تھا۔ وراثت کا قانون شاہد ہے کہ کسی نبی کی امت اس نبی کی وارث نہیں بنائی گئی بلکہ وورث سلیمان داؤد ۱۹/۱۴ سلیمان کو داؤد کا وارث بنایا۔ نہیں نہیں داؤد کی وراثت سلیمان کو ملی۔ سلیمان ہی داؤد کا وارث ہوا۔ امت وارث نہ ہوئی تھی اسی طرح امت محمدی قرآن کی وارث نہیں بلکہ جن کو امت سے مصطفےٰ کر لیا تھا وہ قرآن کے وارث ہیں۔ ان کے ہی حق میں فرمایا۔ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون ۱۴/۱ اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے پوچھو۔ اسی لئے زمانہ رسولؐ خدا کے لوگ ان سے پوچھتے تھے۔

ومنھم من یستمع الیک حتی اذا خرجو من عندک قالوا للذین اوتوا العلم ماذا قال انفاً ۲۶/۶ اور ان میں سے وہ بھی ہیں جو تیری کلام کو باغور سنتے ہیں یہاں تک کہ جب تجھ سے باہر جاتے ہیں تو ان لوگوں سے پوچھتے ہیں جن کو علم عطا کیا گیا کہ رسولؐ نے ابھی ابھی کیا فرمایا ہے۔

اس سے ثابت ہے کہ جن کو خدا نے علم دیا تھا زمانہ رسولؐ میں لوگ ان کو جانتے اور ان سے پوچھتے تھے۔ پس یہی لوگ اولوا الامر اور شہید علے الناس تمام لوگوں کے گواہ کی حیثیت میں رسول خداؐ کے ساتھ موجود تھے۔ نہ کہ عبداللہ بن سلام اس کو خدا نے کب علم کتاب سکھایا تھا۔ وہ اشھدان لاالہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ کہنے والوں میں سے تھا جیسا کہ اس زمانہ کے اور لوگ تھے اور آج ہم لوگ بھی ہیں مگر اس سے وہ خداوند عالم کی مانند شہید رسالت کس طرح ہوسکتا ہے۔ عرض کر دیا گیا ہے کہ شہید وہ ہوتا ہے جو واقعہ پر حاضر ہو۔ وقوعہ کو آنکھ سے ہوتا دیکھے اگر ایسا نہ ہو تو وہ شہید نہیں ہے واقعہ رسولؐ کی رسالت کا ہے اور رسولؐ کو رسالت عطا ہونے کا ہے اور خدا نے اس کی شہادت کو اپنی شہادت سے ملا کر بیان فرمایا ہے اور شہید کے لئے جس طرح موقعہ پر ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اس کا عادل ہونا بھی ضروری ہے کہ فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوسکتی جس سے ثابت ہے کہ یہ گواہ رسالت خدا کی طرح خدا سے دوسرے درجہ پر عادل بھی ہے۔ اسی لئے ہی خدا نے رسولؐ کی رسالت کی شہادت کے لیے صرف اپنی اور عالم کتاب کی شہادت کو کافی قرار دیا ہے۔

جس کے بعد اور کسی کی شہادت کی ضرورت نہیں اور قطعاً نہیں۔
رسولؐ کی رسالت کا جس طرح خداوند عالم شہید ہے۔ اسی طرح بعینہٖ وہ عالم کتاب بھی شہید ہے۔ لہٰذا جب سے خداوند عالم رسولؐ کی رسالت کا شہید ہے تب سے ہی وہ عالم کتاب بھی اس کا شہید ہے۔
اور خداوند عالم رسولؐ کی رسالت کا اس وقت سے شہید جبکہ اس نے رسولؐ کو اپنا رسولؐ بنایا۔ کہ وہ خود اس کو رسولؐ بنانے والا اور اپنی رسالت کا عہدہ اس کو عطا کرنے والا ہے۔ پس یہ شہید رسولؐ بھی اسی وقت سے شہید ہے اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے۔ جب وہ شہید اس وقت واقعہ پر موجود ہو۔ اور رسولؐ کو رسالت کا عہدہ ملتے دیکھا ہو ورنہ وہ خدا کی طرح شہید نہ ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہو تو کلام خدا کی تکذیب لازم آئیگی جس سے خداوند عالم خدا ہی نہ رہیگا۔ جب خدا خدا ہی نہ رہا تو پھر اس کی رسالت کیسی جس سے اسلام ہی ختم ہو جائیگا۔
لہٰذا قہراً تسلیم کرنا ہوگا کہ خدا کا کلام سچ ہے۔ من اصدق من اللہ قیلا $\frac{5}{15}$ جب کلام خدا سچ ہے تو اس کے قول کے مطابق اس کے فعل و عمل کا ہونا لازمی ہوا۔ لہٰذا یہ گواہ و شہید رسالت رسولؐ اس وقت ضرور موجود تھا۔ اور رسولؐ کو رسالت کا ملنا قرآن مجید کے ملنے پر موقوف ہے بغیر عطیہ قرآن رسالت بیکار عمل ہے اور رسولؐ کو قرآن مجید کے عطا ہونے کا ذکر خداوند عالم اس طرح بیان فرماتا ہے :۔
الرحمٰن علم القرآن خلق الانسان وعلمہ البیان $\frac{27}{11}$

(سورۃ الرحمٰن) رحمٰن وہ ہے جس نے قرآن سکھایا اور انسان کو پیدا کیا اور اس کو بیان کرنا سکھایا۔

آیت میں دو دفعہ تعلیم کا ذکر ہے۔ پہلی تعلیم قرآن کی ہے۔ اور دوسری تعلیم بیان کی ہے اور دونوں تعلیمات کے درمیان انسان کو خلق کرنے کا ذکر ہے جس سے ثابت ہے کہ قرآن کی تعلیم خلق کرنے سے پہلے دی گئی تھی۔ اور بیان کرنے کی تعلیم خلق کرنے کے بعد دی گئی تھی۔ اس سے ظاہر ہے کہ خدا نے رسولؐ کو اس وقت رسولؐ بنایا جب اس کو قرآن کا علم عطا فرمایا تھا۔ اور خلقت بھی دو طرح کی ہوتی ہے پہلی خلقت نور و روح کی تھی دوسری خلقت نفس اور جسم کی تھی۔ جس سے ثابت ہے کہ قرآن کے علم کی تعلیم خدا نے روح نبیؐ کو دے کر اس کو رسولؐ بنایا تھا یعنی روحؐ کو عالم قرآن خلق فرمایا۔ پس اس سے ثابت ہے کہ روح نبی جب تک خلق نہ ہوئی تھی۔ تو کچھ نہ تھی۔ یعنی جب تھی ہی نہیں تو ہوتی کیا۔ لیکن خلق کی گئی تو عالم قرآن بھی تھی اور رسولؐ بھی تھی۔ یہی صورت واقعہ ہے۔ جو اہل بصیرت سے مخفی نہیں اور یہی قرآن مجید سے ثابت ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے۔ واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ و لتنصرنہ ۳/۱۷ اور جب اللہ نے تمام انبیاء سے اقرار و عہد لیا کہ جب میں تم کو کتاب اور حکمت میں سے دوں۔ پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے جو تمہاری تصدیق کرے تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا اور اس کی نصرت کرنا۔

پس جب یہ اقرار خدا نے انبیا سے لیا تھا تو اس وقت تمام انبیاء نبی تو تھے جس پر خدا نے النبیین فرمایا ہے مگر رسول نہ تھے کیونکہ ان کو خدا نے نبی ہی فرمایا ہے۔ اور نہ ہی ان کو اس وقت کتاب حکمت دی گئی تھی۔ اور رسولؐ صرف ہمارے ہی رسولؐ کو فرمایا ہے کہ ان کو قرآن کا علم دیا گیا تھا جس سے ثابت ہے کہ خدا نے اپنے رسولؐ کو انبیاء سے اس اقرار لینے سے پہلے اپنی رسالت کا عہدہ عطا فرما دیا ہوا تھا پس اس وقت عبداللہ بن سلام یا کہ کوئی اور صاحب کہاں تھے جو شہید رسالت ہوتے۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

پس اس وقت نہ عبداللہ بن سلام وہاں موجود تھا اور نہ ہی کوئی اور صاحب تھے لہذا وہ اس آیت کا مصداق ہرگز نہ تھے اور قطعاً نہ تھے۔

خلق ہونے یعنی دنیا میں پیدا ہونے کے بعد دوسری تعلیم کا ذکر آتا ہے یعنی وہ وقت آتا ہے جس کو عام طور پر رسالت ملنے کا وقت مانا جاتا ہے۔ یعنی آپ پر پہلی وحی کا ہونا۔ تاریخ بیان کرتی ہے کہ آپ پر پہلی وحی نشریحی غار حرا میں آئی جو مکہ کے پہاڑوں میں ہے۔ اس وقت بھی آپ کے پاس عبداللہ وغیرہ کوئی اور موجود نہ تھے اس کے بعد آپ نے اپنی رسالت کا اظہار اور بیان جاری فرمایا جس کو سن کر اکثر یا کہ تمام حضرات نے جلد یا بدیر آپ کی رسالت کا اقرار کیا لیکن اقرار رسالت میں سب مساوی تھے اور مابعد کے لوگ بھی بلکہ آج کے زمانہ کے لوگ بھی شامل ہیں کہ سب ہی لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ اور اشھد ان محمد الرسول اللہ کا اقرار کرتے ہیں جس کا نام کلمہ شہادت ہی ہے بلکہ اُس زمانہ کے حضرات دیکھ کر اقرار کرتے تھے اور آج کے زمانہ کے لوگ بلا دیکھے اقرار کرتے ہیں جو دیکھنے والوں سے اپنی نوعیت میں بہتر ہے۔

لیکن یہ سب کچھ صحیح ہونے کے باوجود شہادت رسالت نہیں۔ بلکہ آپ کے فرمان یعنی دعویٰ رسالت کی صداقت وسچائی کا اقرار ہے کہ آپ نے اپنی صداقت وسچائی کو تمام اہل عرب کو عملاً منوا دیا تھا۔ جس سے تمام لوگوں کو یقین حاصل تھا کہ آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے کبھی کسی غرض سے جھوٹ نہیں بولتے کبھی کسی غرض سے جھوٹ نہیں کہتے لہذا دعوٰی رسالت میں بھی آپ صادق اور سچے ہیں۔ اس اقرار صداقت کو شہادت رسالت سے کوئی تعلق نہیں اور خصوصاً خداوند عالم کی شہادت کی مانند ومثل شہید ہونے سے قطعاً کوئی تعلق نہیں لہذا ومن عندہ علم الکتٰب سے مراد وہ معظم ومقدس ہستی ہے جو ان دونوں مقام عطیہ رسالت اور عطیہ بیان رسالت کے وقت موقعہ اور واقعہ پر موجود ہو جس طرح خداوند عالم موجود تھا۔ کہ آیت میں لفظ شہید دونوں کے لئے ایک ہی آیا ہے فتدبر

کتاب خدا اور اس کے علم کی وسعت

جامعیت کتاب کو خداوند عالم اس طرح بیان فرماتا ہے۔

وما فرطنا فی الکتٰب من کل شیءٍ پ۷ ع۱ (انعام) اور ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں رکھی۔ سب کچھ اس میں موجود ہے۔

وانزلنا علیك الکتٰب تبیاناً لکل شیء و ھدی و بشریٰ للمسلمین ۱۴/۱۸ (نحل) اور ہم نے تجھ پر کتاب کو نازل کیا جس میں ہر شیء کا مفصل بیان اور ہدایت اور تمام مسلمانوں کے لئے خوشخبری موجود ہے۔

پس ان آیات سے ثابت ہے کہ خدا کی کلام قرآن مجید میں کسی قسم کی کمی نہیں اور یہ کتاب ہر شئی کے تفصیلی بیان پر حاوی ہے لہذا اس کا عالم وہی ہے جس کو کل اشیاء عالم کا تفصیلی اور کلی حال معلوم ہو۔

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ۷/۱۳ اور کوئی خشک و تر چیز ایسی نہیں مگر وہ کتاب مبین و ظاہر میں موجود ہے

پس من عندہ علم الکتاب کا مستحق و مصداق وہ پاک و مقدس وجود ہے جو زمین و آسمان کی ہر چیز ظاہر و غائب و خشک و تر کو جانتا ہو۔ یہ مقام و مرتبہ عبداللہ بن سلام بے چارہ کیا کل درسی و کسبی علوم کے علماء کو جمع کر لو۔ وہ مل کر اپنے کسبی علم کی طاقت سے کسی ایک غائب شیء کو بھی نہیں جان سکتے بلکہ اس مقام پر ملائکہ و مرسلین بھی نہیں آسکتے جس کا ذکر حضرت موسےٰ کے قصہ میں گذر چکا ہے پس ان آیات سے ثابت ہے کہ کتاب خدا کا احاطہ ہر خشک و تر شئے پر تفصیلاً کلاً و جزاً اور زمین و آسمان کی کل غائب اشیاء تک ہے جس سے معلوم ہوا کہ جس کو علم کتاب دیا گیا ہے اس کے علم کا احاطہ اس سے بھی وسیع تر ہے۔ جیسا کہ ہر علم کی کتاب اور اس کے عالم کے عمل سے شب و روز مشاہدہ میں آتا رہتا ہے اسی لئے

خدا نے فرمایا ہے۔ وکل شیءٍ احصیناہ فی امام مبین ۲۲/۱۸
اور ہر شئی کو ہم نے امام مبین میں جمع کر دیا ہے۔
پس خداوند عالم نے یہ مقام امام مبین کے سوا اور کسی کو نہیں عطا فرمایا۔ تفکروا فیہ۔ پس جب ملائکہ اور انبیاء و مرسلین بھی اس مقام پر نہیں آسکتے اور نہ ہی لاجا سکتے ہیں تو پھر عبداللہ مذکور اور کل نوع بشری کسبی و درسی علم والے علماء وغیرہ کس طرح لائے جا سکتے ہیں۔ ایں زمیں را آسمانے دیگر است۔ یہاں علوم کسبیہ کی رسائی نہیں اور قطعاً نہیں۔ انہ الحق۔

کتاب خدا اور اس کا احاطہ تصرف

اب ذرا کتاب خدا کے اثر و تصرف پر غور کریں۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔ لو انزلنا ھذا القرآن علیٰ جبل لرأیتہٗ خاشعاً متصدعاً من خشیۃ اللہ وتلک الامثال نضربھا للناس لعلھم یتفکرون (حشر) ۲۸/۵ اگر اس قرآن کو ہم پہاڑ پر نازل کرتے تو اے ہمارے حبیب تم دیکھتے کہ وہ خدا کے خوف سے پھٹ جاتا ٹکڑے ہو کر گر جاتا اور یہ مثالیں ہم لوگوں کے لئے اس واسطے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ فکر کریں یعنی فکر و تدبر کر کے ہدایت پا جائیں۔ راہ راست صراط مستقیم پر آجائیں۔
اس آیت سے ثابت ہے کہ اس قرآن سے پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر پھٹ کر گر سکتے ہیں جس سے واضح ہے کہ عالم کتاب وہ ہے جو پہاڑوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے گرا دے۔ جو ایسا نہ کر سکے۔ وہ

عالم کتاب نہیں ہے۔ دیکھئے جناب موسےٰ علیہ السلام پتھر پر سوٹا مار کر اس سے پانی کے چشمے جاری کر دیتے تھے۔

واضرب بعصاك الحجر فانفجرت منه اثنتا عشرة عيناً

۱/۷ اور اپنے عصا کو پتھر پر ماریں اس سے بارہ چشمے جاری ہونگے۔ اس سے واضح ہے کہ یہ عمل ہوتا رہا ہے۔ نہ کہ محض ڈرایا دھمکایا گیا ہے اور فرمایا ہے۔ فاوحینا الیٰ موسےٰ ان اضرب بعصاك البحر فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم ۱۹/۸ پس ہم نے موسےٰ کو وحی کی کہ دریا پر اپنا عصا ماردیں وہ پھٹ گیا مانند بڑے بڑے پہاڑوں کے ہو گیا۔ پس یہ عمل ہوتا رہا ہے اور عمل کر کے دکھایا جاتا رہا ہے۔

پس ایسے ہی اعمال سے علم کتاب اور اس کے عالم کی شناخت ہو سکتی ہے اس کے بغیر نہیں ہو سکتی اگر کسی اور طریقہ سے اس کی شناخت ہو سکتی تو خداوند عالم حکیم مطلق اسی کو بیان فرماتا۔ لیکن اس نے اور تمام طرق کو چھوڑ کر صرف علم کتاب کو ہی بیان فرمایا ہے لہذا یہی طریقہ شناخت صحیح و درست ہے۔

پھر اپنی کتاب کے اثر اور تصرف کے متعلق اور بیان فرمایا ہے

لو ان قرآنا سیرت به الجبال او قطعت به الارض او کلم به الموتیٰ بل الله الامر جمیعاً ۱۳/۱۰ (رعد)

اگر کوئی ایسا قرآن ہے جس سے پہاڑ چل پڑیں جس سے زمین طے کی جا سکے جس سے مردے زندہ کئے جائیں تو وہ یہی ہے بلکہ تمام امور الہٰیہ جس سے سرانجام پا جائیں تو وہ یہی ہے۔

بل للہ الامر جمیعاً۔ بلکہ ہر ایک امر باختیار خدا ہے۔ کا یہ مفہوم لینا کہ قرآن سے خدائی امور نہیں ہو سکتے بلکہ خدا ہی کر سکتا ہے۔ تو اس سے صریحاً خدا کی تکذیب لازم آتی ہے جو اسلام سے خارج کر دیتی ہے کیونکہ قرآن مجید خدا کی کلام ہے۔ پس جب خدا کی کلام کچھ نہ کر سکے وہ خدا خود کیا کریگا۔ حالانکہ خدا فرماتا ہے۔ فاذا اراد شیءٍ فیقول لہ کن فیکون (یسین) جب وہ کسی شیءٔ کا ارادہ کرتا ہے تو فرماتا ہے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے۔ خداوند عالم قادر مطلق بے نیاز صمد جب کسی شئی کے کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا۔ تو وہ ہو جاتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے کہنے کا طریقہ کیا ہے اور اس کے ارادہ کا تعلق کس چیز سے ہے وغیرہ اس کے حل کا یہ محل نہیں۔

پس اس سے ثابت ہے کہ خدا کی کلام میں وہ اثر ہے وہی طاقت ہے جس سے تمام امور الٰہیہ سرانجام پا سکیں اگر ایسا نہ ہو تو قرآن خدا کی کلام ہی نہ ثابت ہو سکے کلام میں اثر متکلم کا اثر ہوتا ہے یہ تو شب روز کا حسی مشاہدہ ہے۔ جوہر متکلم کی کلام میں پایا جاتا ہے۔

منہ سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے (اقبال)

اس سے انکار تو مشاہدات کا انکار ہے۔ پس خداوند عالم نے اپنی کلام میں ایسا اثر رکھا ہوا جس کا بیان آیات مذکورہ میں فرمایا ہے۔

رسولؐ خدا اور عالم کتاب کی معرفت

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عالم کتاب کی شناخت و معرفت اپنے فرمان میں اس طرح بیان فرمائی ہے۔

انا مدینۃ العلم و علی بابہا

وانا دار الحکمۃ و علی بابہا

یعنی تمام علوم الٰہیہ اور حکمت الٰہیہ کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔

پس ہم اپنے دہابیت نواز فاضلین سے عرض کرتے ہیں کہ وہ قرآن کی نصوص علّم القرآن اور علّمہ البیان اور لو انزلنا ھذا القرآن اور لو ان قرانا سیّرت کی آیات و نصوصات کے تحت اور ان احادیث کے مطابق عالم کتاب کی طاقت کا اندازہ لگائیں پھر بتائیں کہ وہ کونسی چیز ہے جو اس کے قبضہ اختیار سے باہر ہے پس جو کتاب کل امور الٰہیہ پر حاوی اور محیط ہے جس کا معلّم خود خدا ہے اور نور کل و عقل کل رسولؐ خدا متعلم تعلیم پانے والے ہیں پھر وہاں کس طرح کی کمی باقی ہے وہ کون سا علم باقی رہ گیا ہے اگر کوئی علم کلی طور پر یا کہ جزوی طور پر قرآن میں نہ مانا جائے تو اس سے ما فرطنا فی الکتٰب من کل شئی کی تکذیب لازم آئیگی پس جب قرآن مجید کل علوم الٰہیہ پر محیط ہے جس سے کل امور الٰہیہ سرانجام پا سکتے ہیں تو اس سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل علوم الٰہیہ کا شہر بتعلیم خدا ثابت ہوئے اور حکمت الٰہیہ کا خزانہ بھی ثابت ہوئے۔ ان

علوم کے اظہار وخروج واجراء کا دروازہ صرف امیرالمومنین علی علیہ السلام کو بتایا اور مقرر فرمایا گیا ہے جس سے واضح ہے کہ جب بھی ان علوم کا اظہار ہوگا اسی دروازہ سے ہوگا اگر ایسا نہ ہونا ہوتا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو تمام مخلوق کی ہدایت اور کل عوالم کے لئے رحمت تھے کو دروازہ مقرر کرنے کی ضرورت نہ تھی آپ کا اپنے علم یعنی علم وحکمت الہیہ کے شہر کے لئے دروازہ مقرر کرنا اس امر کا ثبوت ہے کہ خدا نے یہ تقسیم اپنی تعلیم میں مقرر فرما دی تھی۔ اسی واسطے ہی خدا نے رسالت کی شہادت کے لئے دوسرے گواہ کی شناخت علم کتاب سے کرائی ہے۔

پس اگر عبد اللہ مذکور یا کوئی اور شخص اس سے مراد ہوتا تو رسول خداؐ اس کو ہی اپنے علم کا دروازہ مقرر فرماتے افسوس ہے کہ اس زمانہ کے مشرک اور مخالف اسلام تو آپ کو صادق اور امین مان گئے لیکن کلمہ پڑھنے والے مسلمان نہیں مان رہے۔ نہ معلوم بروز محشر خدا کو کیا جواب دینگے۔ بہر حال خدا کے علم وحکمت کے شہر کا دروازہ وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا اپنی کتاب کا علم خود عطا فرمائے۔ خود تعلیم دے۔ نہ کہ ہر مدرسہ کا طالب علم یا کہ ہر مدرسہ کا فاضل۔ فتفکروا یا اولوا الباب۔

پس اس بیان سے ثابت ہے کہ خدا کے علم وحکمت کے شہر کے دروازہ کے بغیر اور کوئی بھی۔ ومن عندہ علم الکتٰب کا مصداق نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے اور وہ صرف حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی تھے اور ہیں۔ جس کو خداوند عالم نے

دوسری صورت میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین ۔ تحقیق تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا ہے اور دوسری کتاب ظاہر آئی ہے۔

پس کتاب سے مراد تو قرآن مجید ہی ہے جس کا ذکر گزر چکا ہے اور جس کو کتاب کے علم کی تعلیم دی گئی تھی۔ وہ رسولؐ خدا تھے جن کو نور فرمایا گیا ہے۔

قد جاءکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نورا مبینا ۔ تحقیق تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک برہان روشن دلیل آئی ہے اور نازل کیا ہم نے نور ظاہر کو۔

پہلی آیت میں کتاب کی صفت مبین فرمائی گئی ہے اور دوسری میں نور کی صفت مبین بیان فرمائی گئی ہے جس سے ثابت ہے کہ نور اور کتاب دونوں مبین یعنی ظاہر ہیں۔ اور دونوں خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہیں جس سے رسولؐ خدا کا نور اور نازل ہونا ثابت ہے جس سے معلوم ہوا کہ رسولؐ خدا عالم انوار میں نوری حالت میں رسولؐ تھے جہاں سے آپ نے بحکم خدا نزول فرمایا اور اسی عالم انوار میں آپ کو علوم قرآن کی تعلیم خدا نے دی تھی جس سے آپ رسولؐ بنائے گئے تھے۔ لہذا آپ کی رسالت کا گواہ وہی ہو سکتا ہے جو اُس وقت نوری وجود میں وہاں موجود ہو اسی لئے فرمایا ہے

الذین یتبعون الرسول النبی الامّی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰىۃ والانجیل یامرھم بالمعروف

ينهٰهم عن المنكر و يحل لهم الطيبٰت و يحرم عليهم الخبٰئث و يضع عنهم اصرهم و الاغلل التی كانت عليهم فالذين امنوا به و عزروه و نصروه و اتبعوا النور الذی انزل معه اولٰئك هم المفلحون $\frac{9}{9}$

وہ لوگ جو اس نبی امی کے تابع ہوئے جس کا حال اپنے پاس توریت و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں وہ نیک اعمال کا امر کرتا ہے اور بُرے اعمال سے روکتا ہے بُرے اعمال سے نھی کرتا ہے اور پاک چیزیں ان کے لئے حلال کرتا ہے اور ناپاک و پلید چیزیں ان کے لئے حرام کرتا ہے اور ان کے وہ بوجھ جو ان پر لدے ہوئے تھے ان کو اتارتا ہے اور ان کے گلے میں ڈالے ہوئے طوق اتارتا ہے پس وہ لوگ جو اس پر ایمان لائے اور اس کو قوت دی اور اس کی نصرت کی اور اس نور کا اتباع کیا جو اس کے ساتھ نازل کیا گیا ہے وہی لوگ فلاح و کامیابی پانے والے لوگ ہیں۔

اس آیت میں ان مومنین و صالحین پر جو رسول خداؐ پر ایمان لانے والے اور اس کو قوت دینے والے اور اس کی نصرت کرنے والے ہیں خدا نے اس نور کا اتباع کرنا فرض کیا ہے جو نور رسولؐ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ پس بغیر اس نور کے اتباع کے یہ لوگ فلاحیت کامیابی نہیں حاصل کر سکتے۔

جب یہ ثابت ہے کہ وہ نور رسولؐ کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ تو اس سے معلوم ہوا کہ جہاں سے رسول خداؐ نازل ہوئے ہیں۔ وہیں سے وہ نور بھی نازل ہوا ہے اور جن منازل سے رسول خداؐ

کا گذر ہوا ہے ان میں ہی وہ نور بھی ساتھ آیا اور جہاں سے رسولؐ ظاہر ہوئے ہیں وہیں سے وہ نور بھی ظاہر ہوا ہے اور رسول خدا اور قرآن مجید دونوں اس نور تک لوگوں کو پہنچانے کے لئے مامور ہیں رسول خدا مامور ہیں کہ قرآن کی آیات کو پڑھ کر لوگوں کو سنا کر اس نور تک پہنچائیں جس سے ثابت ہے کہ وہ نور قرآن اور رسولؐ کے علاوہ ہے جس کا اتباع کرنا فرض ہے۔

کتٰب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمٰت الی النور الخ $\frac{13}{1}$ (سورہ ابراہیم) ہم نے کتاب کو تیری طرف اس لئے نازل کیا ہے تاکہ تو (اس کے ذریعہ سے) لوگوں کو ظلمات، اندھیروں سے نور کی طرف نکالے۔ اس سے واضح ہے کہ کتاب اور رسولؐ دونوں لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کے پاس لے جانے والے ہیں اس سے زیادہ وضاحت آگے آتی ہے۔

پس اس بیان سے صاف ثابت ہے کہ قرآن یا کتاب اور رسولؐ لوگوں کو اس نور کے پاس لانے والے اور اس نور کی شناخت و معرفت کرانے والے ہیں۔ اور اس نور کی معرفت و شناخت حاصل کرنے کے بعد لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اس نور کا اتباع کریں اس کی اطاعت کریں اور اس کے بعد ان پر یہ بھی فرض ہے کہ توحید و رسالت کی شہادت کے ساتھ اس نور کی شہادت بھی ادا کریں۔

فامنوا باللہ و رسولہ والنور الذی انزلنا۔ پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ اس حکم سے کل مسلمان مامور ہیں کہ جہاں کلمہ شہادتین ادا

کریں وہاں اس نور کی بھی شہادت دیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس نور کی شناخت و معرفت صرف قرآن مجید سے نہیں ہو سکتی جب تک قرآن کے ساتھ رسول خدا نہ بتائیں۔ کوئی شخص اپنے کسی علوم سے اس نور کی پہچان نہیں کر سکتا چونکہ قرآن نے بیان فرما دیا ہے کہ وہ نور رسول خدا کے ساتھ نازل ہوا ہے۔ جس سے ہم پر فرض ہو گیا کہ ہم قرآن کے ساتھ رسول خدا کے بیان سے اس نور کی پہچان حاصل کر کے اس کا اتباع کریں اور اس کی شہادت دیں۔ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

انا و علی من نور واحد۔ وانا و علی من شجرۃ واحدۃ والناس من اشجار شتی (صواعق محرقہ وارجح المطالب وکوکب دری وغیرہ)

پس النور الذی انزل معہ اور انا و علی من نور واحد کے جملے اور الفاظ و مفہوم و مقصد میں بھی واحد ہیں۔ جس سے واضح ہو گیا کہ دوسرا گواہ رسالت حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام ہی تھے۔ یہی خلقت نوری کے بعد ہر عالم اور ہر مقام میں رسول خدا کے ساتھ تھے کسی وقت کسی آن و لمحہ میں رسول خدا سے جدا نہ تھے لہذا جب رسول خدا کو خدا نے تعلیم قرآن سے رسالت عطا فرمائی تھی تو حضرت علی علیہ السلام اس وقت نوری وجود میں رسول کے ساتھ بحالت شہید رسالت موجود تھے۔ اور تعلیم قرآن میں رسول کے ساتھ خدا سے تعلیم حاصل کرنے والے تھے۔ بل ھو آیٰت بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم
۲۱/۱ پس اسی وجہ سے رسول خدا نے فرمایا تھا۔

انا مدینۃ العلم وعلی بابہا وانا دار الحکمۃ وعلی بابہا
کہ خدا نے شہر علوم اور دار حکمت کے ساتھ اس کے دروازہ کو
بھی اسی وقت مقرر و قائم فرما دیا تھا جس سے ثابت ہے کہ رسولؐ
خدا کی رسالت کا دوسرا گواہ و شہید خداوند عالم کی مانند حضرت علی
علیہ السلام ہی تھے اور بس یہ وہ مقام ہے جہاں کوئی دوسرا
بشر کھڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ اور نہ ہی امیر المومنین علی علیہ السلام کو
ہٹایا جا سکتا ہے۔

دوسری تعلیم بیانی کی شہادت

دوسری تعلیم بیانی تھی جس پر وعلمہ البیان شاہد ہے پہلی
تعلیم کو علم کہا گیا ہے جس کے لئے الفاظ کی ضرورت نہیں ہوتی
جیسا کہ مشاہدہ میں آتا ہے کہ جب کوئی شخص تجربہ و تحقیق کرکے
کسی شئی کے فوائد و خواص کو معلوم کرتا ہے۔ تو اس وقت الفاظ
کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہاں صرف علم ہی حاصل ہوتا ہے۔
مگر اس حاصل شدہ علم کو جب دوسروں تک پہنچانا ہوتا ہے تو
اب بغیر الفاظ کے اپنا ما فی الضمیر دوسرے شخص پر ظاہر نہیں
کیا جا سکتا لہذا اس کے لئے الفاظ بنانے کی ضرورت ہوتی ہے
اسی وجہ سے خداوند عالم نے دو دفعہ تعلیم کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک
علم قرآن کی تعلیم تھی اور دوسری علم قرآن کو الفاظ میں بیان کرنے
کی تعلیم تھی جس کا نام قرآن اور کتاب ہے۔ یہ تعلیم ماہ رمضان
میں کوہ حرا کی غار میں گوشہ تنہائی میں جاری ہونا بیان کی جاتی

ہے اس وقت بھی کوئی آدمی آپ کے پاس نہ تھا۔

لیکن یہ درست نہیں کیونکہ اگر ایسا ہو تو خداوند عالم کا بیان غلط ثابت ہوتا جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا۔ لہذا یہ بیان تاریخ ہی غلط ہوگا اور ہے بھی۔ پس جب یہ تعلیم جاری ہوئی تھی اس وقت بھی آپ کے ساتھ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام غار حرا میں موجود تھے۔ احادیث میں بیان ہوا ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا تھا کہ مجھ میں اور علیؑ میں عبد المطلب کے صلب سے نکلنے کے بعد جدائی جاری ہوئی۔ لیکن یہ جدائی عارضی تھی حقیقی نہ تھی جس کا بیان اس طرح ہوا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام شکم مادر میں رسول خداؐ سے کلام کرتے تھے اور والدہ کو آپ کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونے پر مجبور کرتے تھے جس کا ذکر تاریخ کے بیان میں حضرات حمزہؓ اور عباسؓ کا امتحان لینا مذکور ہے۔ جو مشہور ہے۔ پھر تاریخ یہ بھی بیان کرتی ہے کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً چار پانچ سال کی عمر میں حضرت علی علیہ السلام کو اپنی تحویل و سرپرستی میں لے لیا تھا۔ اس لئے آپ حضرت رسول خداؐ کے ساتھ اس طرح چلتے تھے جیسے ماں کے پیچھے بیٹا چلتا ہے اور آنحضرتؐ آپ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ پس جب دوسری تعلیم بیانی کی پہلی وحی آپ پر غار حرا میں اس طرح جاری ہوئی۔

اقراء باسم ربک الذی خلق۔ خلق الانسان من علق۔ اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان ما لم یعلم ۳۰/۱ ۔ پڑھ اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے

انسان کو پیدا کیا خون کی بستہ بوند سے پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم سے سکھایا انسان کو سکھایا وہ کچھ جو نہ جانتا تھا۔

غار حراء میں جب یہ بیان کی پہلی تعلیم جاری ہوئی تھی۔ تو اس وقت سوائے حضرت علی علیہ السلام اور کوئی شخص وہاں موجود نہ تھا۔ کہ وہ کسی وقت میں بھی آپ سے جدا نہ ہوتے تھے۔ اسی امر کو وہ خود فخریہ بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت رسول خداؐ کے ساتھ ان کے پیچھے اس طرح چلتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ ماں کے پیچھے چلتا ہے۔ جس کا مقصد یہی ہے کہ میں کسی وقت بھی رسول خداؐ سے جدا نہ ہوتا تھا جس طرح اونٹنی کا بچہ ماں سے جدا نہیں ہوتا اور جس طرح اونٹنی اپنے بچہ کے بغیر نہ آگے جاتی ہے اور نہ آرام و تسکین پاتی ہے اسی طرح رسول خداؐ بھی حضرت علی علیہ السلام کے بغیر اکیلے نہ رہتے تھے لہذا غار حراء کی پہلی تعلیم بیان یعنی وحی کے وقت بھی آپ بطور گواہ رسالت موجود تھے۔ اور اسی امر کو خدا نے بھی بیان فرمایا ہے۔

افمن کان علٰی بیّنۃٍ من ربہ ویتلوہ شاھد منہ ومن قبلہ کتٰب موسٰے اماماً ورحمۃ اولٰئک یومنون بہ ۱۲/۲

پس اس شخص سے زیادہ سچائی پر کون ہے۔ جو اپنے رب کی طرف سے ظاہر آیات بیّنات لے کر آیا ہو اور اس کے پیچھے اس کا گواہ بھی ساتھ ساتھ چلتا ہو جو اسی میں سے ہے اور اس سے پہلے موسٰے کی کتاب میں اس کی امامت و رحمت کی خبر دی جا چکی ہو۔ وہی لوگ

اس کو مانتے ہیں اس پر ایمان رکھتے ہیں۔

اس آیت کا تفصیلی ترجمہ اس لئے کیا گیا ہے کہ ہماری زبان کے الفاظ میں اتنی وسعت نہیں جو لفظی ترجمہ سے مقصد و منشا الٰہیہ کو بیان کر سکے لہذا مجبوراً الفاظ کے تحت مفہوم کو تفصیلاً عرض کیا گیا ہے تاکہ مقصود و منشاء الٰہیہ واضح ہو جائے۔ لیکن یاد رہے کہ اس عبارت میں کوئی لفظ اپنے خیال سے نہیں لایا گیا بلکہ اصل مفہوم کو ظاہر کیا گیا ہے بخوف طوالت تشریح و تفصیل کے اثبات کو نہیں پیش کر سکتے جس کو اہل علم و معرفت حضرات بخوبی جانتے ہیں جن کو یقین نہ ہو وہ بشارات توریت کو دیکھیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی بیان فرمودہ مثال کی تائید میں ہم ویتلوہ شاھد منہ کو ہی پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ اس جملہ میں یتلوہ فرمایا گیا ہے۔ ہ ضمیر ہے جو رسولؐ کی طرف راجع ہے اور یتلو کا معنیٰ پڑھنا اور قدم بقدم کسی کے پیچھے چلنا ہوتا ہے جس کا مقصد یہ ہوتا ہے۔ کہ رسولؐ کا شاہد وہ ہے جو رسولؐ کے قدموں کے نشان پر اپنے قدم رکھتا ہوا رسولؐ کے ساتھ پیچھے پیچھے چلتا ہے جیسا کہ اونٹ کے بچہ کی مثال سے ظاہر ہے اور دوسرا مفہوم یہ ہے وہ گواہ رسولؐ کو پڑھتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ گواہ رسولؐ رسولؐ کے ہر عمل کو آنکھوں سے اس طرح دیکھتا ہے جس طرح عبارت پڑھی جاتی ہے گواہ رسولؐ کا ہر عمل خواہ چھوٹا ہو یا بڑا سب کو دیکھتا ہو اس کی نقل اتارتا ہو اور ہر عمل میں اس کا اتباع کرتا ہو اس کے پیچھے ساتھ ساتھ چلنے والا ہی خدا کی مانند اس کی

رسالت کا دوسرا گواہ ہے۔ یہی لفظ شہید کا مفہوم ہے۔ پس یہ صورت و حالت سوائے امیر المومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کسی اور کو نصیب نہیں ہوئی۔ ففہم و تدبر

دوسرا جملہ منہ بیان ہوا ہے جو لفظ من اور ضمیرہ سے بنتا ہے۔ اس کی ضمیر بھی رسول خدا کی طرف راجع ہوتی ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ شاہد و گواہ رسولؐ۔ رسولؐ ہیں سے ہی ہے غیر نہیں۔ لہذا ثابت ہوا کہ رسولؐ کی دوسری تعلیم بیانی کا گواہ بھی وہی ہے جو رسول میں سے تھا اور رسول خدا کے ہر قول و فعل کی تلاوت کرتا اتباع کرتا ہوا یعنی دیکھتا اور سنتا ہوا رسولؐ کے پیچھے پیچھے عمل کرتا ہوا ساتھ رہتا تھا۔ یہ شرف بھی سوائے امیر المومنین علیہ السلام کے اور کسی کو نصیب نہیں ہوا۔ اسی واسطے ہی آپ نے فخریہ فرمایا ہے کہ میں رسولؐ کے پیچھے پیچھے اس طرح چلتا تھا۔ جس طرح اونٹ کا بچہ ماں کے پیچھے چلتا ہے۔ آپ نے اپنے شرف میں یہ جملہ اپنے عمل سے اسی آیت کی تصدیق میں ارشاد فرمایا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے اس آیت میں آپ کے عمل کو یتلوہ شاهد منہ) کو ہی بیان فرما کر آپ کی معرفت و شناخت کرائی ہے لہذا ثابت ہوا کہ آپ ہی دوسری تعلیم بیان کے وقت بھی شاہد رسول خدا تھے۔ اسی واسطے ہی رسولؐ خدا نے فرمایا تھا۔

یا علی لحمک لحمی و دمک دمی و جسمک جسمی و روحک روحی و نفسک نفسی و انا منک و انت منی ——

(مطالب السئول و صواعق محرقہ وغیرہ)

اے علیؑ تیرا گوشت میرا گوشت ہے تیرا خون میرا خون ہے تیرا جسم میرا جسم ہے تیری روح میری روح ہے تیرا نفس میرا نفس ہے اور میں تجھ سے ہوں اور تو مجھ سے ہے۔ یعنی تو اور میں ایک نور اور ایک طینت نوری سے اور ایک نورانی جوہر نفس سے اور ایک روح نورانی سے پیدا کئے گئے ہیں پس فرمان رسول خدا سے ثابت ہے کہ (شاھد منه) کا مصداق صرف اور محض حضرت علیؑ و اولاد علی علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی ہیں خدا کی ساری مخلوق میں اور کوئی نہیں ہے اور قطعاً کوئی نہیں ہے۔ اسی لئے خداوند عالم نے اپنی کلام میں اس کا ذکر اس طرح بیان فرمایا ہے۔

وھو الذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً و صھراً $\frac{19}{3}$

اور وہ وہی ہے جس نے پانی سے بشر کو پیدا کیا پس بنا دیا اس کو جد اور داماد۔

یہ عام بشریت اور عام پانی کا ذکر نہیں ہے بلکہ یہ اس پانی کا ذکر ہے جس کو خدا نے اس طرح بیان فرمایا ہے

وھو الذی خلق السمٰوات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء $\frac{12}{1}$ اور وہ وہی ہے جس نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا کیا اور اس کا عرش پانی پر تھا۔

پس یہ دونوں مقدس ہستیاں اس پانی سے خلق فرمائی گئیں جو عرش کے نیچے ہے جس پر عرش قائم تھا۔ اس واسطے ہی کہا جاتا ہے اور ٹھیک کہا جاتا ہے کہ ان کی بشریت عرشی ہے فرشی و مادی نہیں ہے۔ یہ بشریت ضرور رکھتے ہیں مگر عرشی بشریت رکھتے ہیں فرشی

نہیں رکھتے لہذا یہ عرشی بشر ہیں فرشی بشر نہیں اور قطعاً نہیں ہیں ان کو فرشی بشر کہنے والے ان آیات کی تکذیب کرتے ہیں۔ جس کا خمیازہ ضرور بھگتنا پڑے گا۔

اس بیان طویل سے ثابت ہے کہ رسول خداؐ کی رسالت کا گواہ خداوند عالم کی مانند سوائے حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اور کوئی نہ تھا اور نہ ہی ہو سکتا تھا۔ لہذا ومن عندہٗ اور یتلوہ شاھد منہ سے مراد سوائے آپ کے اور کوئی نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے

غیروں سے شکایت کرنا تو فضول ہوتا ہے کہ (دشمن کہے نہ ہوتی بات) مثل مشہور۔ لہذا ہم اپنے حضرات فاضلین سے شکایت کرتے ہیں اور حیرت وافسوس سے شکایت کرتے ہیں کہ کس قدر مقام حیرت ہے کہ کسبی علم جو وہ بھی مکمل نہیں محض زباندانی کا نام علم رکھ دیا ہے۔ عربی زبان کی صرف ونحو وغیرہ کو کسی طور پر حاصل کر کے فاضلیت کی ڈگریاں لیکر فرشی بشر عرشی بشریت اور موہبتی ولدنی علم والوں کی حد تصرف اور علم کا احاطہ اور حدود مقرر کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولوا الالباب۔

نہ معلوم وہابیت اور وہابیت نواز فاضلیت کلام خدا کو کیوں سچا نہیں مانتی۔ مثلاً اگر دنیا کے کل علوم کسبیہ کو ایک وجود میں جمع کر لیا جائے یا کہ دنیا کے کل علوم کے علماء کو کسی امر میں متفق کر لیا جائے اور ان کے متفقہ فیصلہ کی صحت کی بابت خدا سے سوال کیا جائے۔ کہ خداوندا کیا ان علما کا فیصلہ تیری منشا کے

کے مطابق ہے تو خدا کی پاک کلام سے جواب ملتا ہے۔
وما اوتیتم من العلم الا قلیلا ۱۵/۱۰ اور تم کو علم میں سے بہت ہی کم حصہ دیا گیا ہے۔ پس یہ عرشی بشر قلیل علم والے۔ عرشی بشریت اور خدا کی تعلیم سے کل کتاب اللہ کے عالم کے علمی تصرف کی حدود مقرر کر کے خدا کی تکذیب نہیں کرتے تو اور کیا کرتے ہیں ہمارے فاضلین کو اس فعل سے توبہ کرنی چاہیئے۔

جس کتاب کی تعریف میں خدا خود فرمائے کہ اس قرآن سے کل امور الٰہیہ سرانجام پا سکتے ہیں اس کتاب کے عالم کے علم کا احاطہ اور اس کے تصرف کی حد (چہ نسبت خاک را بعالم پاک)

وہ کتاب جس میں زمین و آسمان کی کل غائب اشیاء کا حقیقی و تفصیلی علم موجود ہے۔ اس کے عالم کے اختیار و تصرف کا احاطہ یا کہ حد۔ پناہ بخدا۔ بس یہ قیاس باطل نہیں تو اور کیا ہے۔ فلا یصاب الدین بالقیاس دین قیاس سے حاصل نہیں ہوتا۔ نہ معلوم ہماری فاضلیت اپنے علم و عقل کے نقص کو کیوں نہیں محسوس کرتی

ہمارے فضلاء اپنے قیاس میں خداوند عالم قادر مطلق صمد و بے نیاز کی عظمت و بزرگی و کبریائی کو قائم رکھنے کی خاطر جس قیاسی پرواز میں کوشاں ہیں جسے وہ فعل احسن سمجھ رہے ہیں خداوند عالم اس قیاسی پرواز کو امر قبیح قرار دیتا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ میرے اور میرے رسولوں کے درمیان کسی امر میں جدائی و تفریق ڈالنا کفر حقی ہے اور یہ کھلی تفریق ہے کہ جس کتاب میں خدا نے کوئی کمی نہیں رکھی (ما فرطنا فی الکتب من شیء۔ اس کے تمام علوم کی تعلیم لدنی اور

موہبتی طریق سے جس کو خدائے پاک نے خود ہی دی ہو اس کے علم اور خدا کے علم کے درمیان فرق پیدا کرنا اور فرق اور حد سے دونوں کے علم کو الگ الگ دکھانا اور ثابت کرنا صریحاً تفریق پر دال ہے اور ایسا امر کفر حقی میں داخل ہے جس سے اجتناب فرض ہے۔ حالانکہ خداوند عالم نے ان کے حق میں اس سے بھی بلند مرتبہ ارشاد فرمایا ہے۔ ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ (سورہ دھر) کہ تم نہیں چاہتے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے۔ پس کس قدر مقام حیرت ہے کہ جن کا چاہنا خواہش کرنا ہی خدا کا چاہنا اور جن کی خواہش کرنا ہی خدا کی خواہش ہو ان کے اور خدا کے درمیان حد و دو تفریق سے علیحدگی ثابت کرنا اور وہ بھی اپنے قیاس کی بنا پر قائم کرنا کس طرح کی فاضلیت کا مظاہرہ ہے۔ تدبر سے کام لیں۔ جب وہ فرماتے ہیں۔ اذا شئنا شاء اللہ و اذا شاء اللہ شئنا (بحار وغیرہ) جب ہم چاہیں تو اللہ چاہتا ہے اور جب اللہ چاہتا ہے تو ہم بھی چاہتے ہیں۔

اس سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو چاہتے کے عمل کی حقیقت جانتے ہوں دوسرے حضرات بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ۱۱/۹ کی بنا پر تکذیب ہی کریں گے۔ لیکن آیت موجود ہے کہ کچھ لوگ خدا نے ایسے خلق فرمائے ہیں جن کا چاہنا خواہش کرنا خداوند عالم کا چاہنا اور خواہش کرنا ہے۔ اسی لئے وہ فرما رہے ہیں کہ کسی امر کو ہمارا نہ چاہنا خدا کا نہ چاہنا ہے اور ہمارا چاہنا خدا کا چاہنا ہے۔ پس جب ان کی اور خداوند عالم کی خواہش و چاہت ہی ایک ہے تو پھر ان کے اور خدا کے علم اور عمل میں تفریق کیسی اور کس طرح کی ہے اس

کی تشریح آئندہ اسی امر کی صراحت میں فرماتے ہیں اور سچ فرماتے ہیں۔ لنا مع اللّٰہ حالات فیھا نحن ھو وھو نحن ومع کل ذالک ھو ھو و نحن نحن (بحارد خلافت الٰہیہ حصہ سوئم مصنفہ علامہ محمد سبطین اعلی اللہ مقامہ) کہ ہمارے خداوند عالم کے ساتھ کچھ حالات اور راز ہیں جن میں ہم وہ ہو جاتے ہیں اور وہ ہم ہوتا ہے لیکن باوجود اس کے وہ وہی ہوتا اور رہتا ہے اور ہم ہم ہی ہوتے اور رہتے ہیں۔ اس کی تشریح بھی آئندہ ہو گی۔ یہاں صرف اتنا ہی عرض کرتے ہیں کہ ان کے اور خدا کے درمیان کس طرح کی تفریق و حد مقرر کی جاسکتی ہے پس جب ان کے اور خدا کے درمیان تفریق و جدائی کسی مقام پر نہیں کی جاسکتی تو ان سے امداد طلب کرنا عین خدا سے امداد طلب کرنا ہے اسی لئے وہ فرماتے (نحن ھو) کہ ہم وہ ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان سے طلب امداد اسی سے طلب امداد ہے۔ پس یہ جملہ امور ایاک نستعین کے ہرگز خلاف نہیں۔ قیاس باطلہ کے ضرور خلاف ہیں اور اسی لئے حقیقت واقعہ ہیں کہ قیاس باطلہ کے خلاف ہیں اگر قیاس باطلہ کے خلاف نہ ہوتے تو ان کی سند صحیح بھی ہمارے لئے صحیح نہ ہوتی کہ قیاس دین نہیں ہوتا۔ پس یہ فرمائشات آیہ مبارکہ بالا کے عین مطابق اور اسی سے ماخوذ و مستنبط ہیں۔ ففہم۔

پس وہابیت نواز ناصبیت کو اس سے عبرت اور سبق حاصل کر کے گذشتہ مخالفت سے توبہ کرنا فرض و واجب ہے۔ ورنہ خدا اور ان کی تکذیب کی سزا کے لئے تیار رہنا چاہیے بشرطیکہ خاتمہ اسی عقیدہ پر ہو۔ جو خدا کرے ایسا نہ ہو۔ آمین ثم آمین۔ ورنہ

فانتظر وا و انا من المنتظرین۔

پس آیت بالا اور احادیث متذکرہ سے ثابت ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مدد طلب نہ کرنا حقیقی وحقی کفر میں داخل ہے۔ لہٰذا حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام جس طرح امیرالکل ہیں اسی طرح مشکلکشا کل ہیں اسی لئے وہ فرماتے ہیں انا حلال المشکلات۔ پس جو خدا کا مقرر کیا ہو کل کیلئے مشکلکشا ہو اس کے لئے کبھی کوئی مشکل نہیں ہوسکتی ہے اور نہ ہی تاریخ اس امر کا ثبوت پیش کرسکتی ہے۔ فاعتبروا یا اولوالباب

ہم وہابیت اور وہابیت نواز خاضلیت کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایک امر بھی ایسا دکھائیں جہاں حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام عاجز ہوگئے ہوں جس کے لئے فرمایا ہو کہ یہ امر ہماری قدرت واحاطہ سے باہر ہے۔ فاتوا بکتابکم ان کنتم صادقین

یاد رہے آیہ مبارکہ مذکورہ بالا اور ان احادیث کے جملوں کو سامنے رکھیں۔ پس اپنی ہی نہیں غیر خاضلیت بھی اس مقام پر پہنچ کر انگشت بدنداں حیرت ہو کر اقرار کرگئی ہے۔ ؎

کفیٰ فی فضل مولانا علیؑ — وقوع الشک فیہ انہ اللہ

ومات الشافعی لیس یدری — علیؑ ربہ ام ربہ اللہ

امام شافعی علیہ الرحمہ

میرے مولا علی علیہ السلام کی فضیلت میں یہی بات کافی ہے کہ لوگوں کو ان کے بارے میں شک پیدا ہوگیا کہ وہ خدا ہیں۔ اور میں شافعی مرتے دم تک نہیں سمجھ سکا کہ میرا رب اللہ ہے یا علیؑ ہے۔

یہ ناصبیت تھی قیاسیت نہ تھی جب مقام مذکور پر پہنچے تو اقرار کرنا پڑا کہ یہاں جدائی و تفریق محال ہے کہ فعل ربوبیت میں مشترک ہیں امر و لوہیت دونوں سے متعلق ہے جس کا ثبوت آتا ہے۔
ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ اور نحن مع اللہ حالات فیھا نحن ھو الخ۔ دوسرے فاضل کا بیان اس سے بھی واضح ہے وہ کہتا ہے

ھا علیٌّ بشر فکیف بشر ربہ فیہ تجلی و ظھر
فذات لمخلوق و وصف لخالق قد حار ب الالباب آیۃ حیرۃ

(ابن الحدید) بے شک علی ہیں تو بشر لیکن کیسے بشر ہیں۔ کہ ان کے رب کے تجلے ان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ پس وہ ذات ہیں تو مخلوق ہیں اور وصف ان کے خالق والے ہیں۔ بے شک عقلمندوں کی عقلیں ان کے بارے میں حیران ہیں اور یہ کیسی حیرت ہے۔ (احسن اللہ جزائہ)

دونوں بزرگوار خدا کی ذات کے اقراری ہیں جس سے وہ اسلام میں داخل اور محفوظ ہیں۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مظہر اوصاف الٰہیۃ جلالیہ وجمالیہ کلیہ تسلیم کر کے آپ کو مظہر ربوبیت مان کر اپنے ایمان کا ثبوت بھی پیش کر رہے ہیں۔ انشاء اللہ آمدہ بیانات سے ان کی تائید و تصدیق ہو جائیگی۔

پس وہابیت نواز ناصبیت کے قیاس باطلہ کی یہاں کوئی گنجائش نہیں ایسی ناصبیت کو اس قیاس سے توبہ کرنا فرض۔ کہ مہ

تو کار زمین را نیکو ساختی کہ با آسمان نیز پرداختی

ان کا قیاس تو فرشی بشریت تک بھی نہیں پہنچ سکتا چہ جائیکہ عرشی بشریت کا احاطہ کرے۔

ان حضرات کو رسالہ علیؑ اور ایلیا اور علیؑ و آدم کا مطالعہ با غور کرنا چاہیئے کہ ہر مذہب کی بزرگ فرشتی بشریت والی ہستیاں اس عرشی بشریت کو کیا سمجھتی رہی ہیں جن کی تائید آتی انشاء اللہ

خیال رہے کہ خداوند عالم رب العالمین ہے اس کی ربوبیت سے کافر و مشرک بھی محروم و خارج نہیں ہو سکتے۔ اگر کافر و مشرک ربوبیت الٰہیہ سے خارج ہو جاتے تو ایک نفر بھی ان میں سے ایک لمحے کے لئے بھی زندہ نہ رہتا۔ لہٰذا جس قدر کافر و مشرک وغیرہ لوگ موجود ہیں سب کے سب خدا کے فیض ربوبیت میں داخل ہیں پس اسی طرح ان کے فیض میں بھی داخل ہیں کہ یہ مظہر ربوبیت الٰہیہ اور رحمت للعٰلمین ہیں لہٰذا ان کے فیض سے بھی کوئی محروم نہیں ہو سکتا۔ کہ جن کا خدا خالق ہے ان کے یہ محافظ ہیں اور جن کا خدا رب ہے ان کو یہ رزق دینے والے ہیں کہ یہ سب کے لئے رحمت ہیں مبتی برایں یہ خیال نہ آئے کہ ان رسالوں میں ہندوؤں وغیرہ کا ذکر ہے لہٰذا قابل وثوق نہیں یہ غلط ہے خدا نے کسی کو ہندو نہیں پیدا کیا اور نہ ہی کافر و مشرک پیدا کیا ہے۔ اسی واسطے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کل مولود یولد علےٰ دینِ الفطرۃ۔ بجسانہ ویھودانہ وینصرانہ۔ ہر ایک بچہ دین خدا پر پیدا ہوتا ہے اس کو والدین مجوسی و یہودی و نصرانی بنا دیتے ہیں۔ اسی طرح کافر و مشرک۔

پس جس طرح دنیا میں ہر بشر خدا سے فیض ربوبیت پاتا ہے۔ اسی طرح ان سے فیض رحمت پاتا ہے کہ خدا رحمٰن ہے اور یہ اس کی رحمانیت کے مظہر ہیں۔ پس ہر انسان اپنے اعمال سے ان کی رحمت

سے عاقبت میں محروم ہوگا۔ پس جب فرشی بشریت کا احاطہ نہیں ہو سکتا تو عرشی بشریت کا کون احاطہ کرسکتا ہے۔

مثلاً سلمان فارسی علیہ الرحمہ فرشی بشریت رکھتے تھے۔ ان کا احاطہ آج کیا اس وقت کے ان کے ہمعصر بلکہ حضرت ابوذر غفاری علیہ الرحمہ جن کو رسول خدا نے حضرت سلمان کا بھائی بنایا تھا وہ بھی نہ کرسکے تو پھر آج کے قیاسی وکسبی علم کے فاضل کیا کرسکتے ہیں۔ فرمان رسالت ہے اور امام علیہ السلام بھی فرماتے ہیں۔

لو علم ابی ذر ما فی قلب سلمان لقتلہ۔ (بصائر الدرجات وحیات القلوب ص۶۱۵/۲ و ص۵۹۹ ۔ فضل بن عیسٰے وعلی بن حمزہ)

اگر ابوذر کو وہ کچھ معلوم ہو جائے جو سلمان کے دل میں ہے۔ تو ضرور ہی اس کو قتل کردے۔

غور کریں۔ کہ مومن کسی کو مومن جانتے ہوئے کبھی قتل نہیں کرسکتا نہ کرتا ہے۔ اور ابوذر کا سلمان کو قتل کرنے کا ذکر لام اختصاص سے حضرت رسول خدا نے فرمایا ہے۔ لقتلہ۔ ضرور ہی اس کو قتل کردے اس لئے کہ وہ حد ایمان سے باہر نکل گیا ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوذر سلمان کو اس لئے قتل کردیں کہ وہ غالی ہوگیا ہے غلو کرتا ہے۔ علیؑ کو خدا مانتا ہے۔ پس اس فرمان سے ظاہر ہے کہ سلمان کے عقیدہ کو ابوذر نہیں برداشت کرسکتا جس کی وجہ سے وہ اس سے چھپائے ہوئے ہیں۔ جس کو اس فرمان سے ظاہر کیا گیا ہے اور اس لئے ظاہر کیا گیا ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ غلو کیا ہوتا ہے۔ ورنہ اس کے اظہار کی ضرورت نہ تھی۔ یہ ظاہر ہے حضرت سلمان اور

ابوذر کے مابین ظاہراً کوئی فرق واختلاف نہیں تھا۔ اور مومنیت میں بھی برابر تھے۔ مگر حضرت سلمان کے دل میں وہ تھا جو حضرت ابوذر کے دل میں نہ تھا بلکہ وہ کچھ تھا جس کو حضرت ابوذر برداشت ہی نہ کر سکتے تھے جس کی وجہ سے حضرت سلمان کے قتل پر آمادہ ہو جاتے اس سے ظاہر کہ حضرت سلمان کا عقیدہ اتنا بلند تھا جس کو اس زمانہ کے دوسرے مومن بھی برداشت ہی نہ کر سکتے تھے پھر آج کے درسی وکسبی علم والے اگرچہ فاضل ہی ہوں کس شمار میں ہیں۔ یہ مرحلہ بہت بلند اور دشوار گذار وادی ہے یہاں حقیقی علم کچھ نہیں کر سکتا جیسا کہ حضرت موسےٰ کے ذکر میں بیان کر دیا گیا ہے اور آئندہ بھی آئیگا تو پھر کسبی علم کی قیاسی پرواز یا دوڑ کیا کر سکتی ہے۔ ہمیں مجبوراً کہنا پڑتا ہے۔ کہ ہمارے فضلاء کرام حضرات کو اس خیال سے توبہ کرنا فرض ہے اور فوری بلاتوقف توبہ کرنا فرض ہے کہ یہ مقام چون وچرا کا نہیں ہے۔

ان سے طلب مدد کرنا اتنا اہم امر نہیں جس کو قلب مومن برداشت نہ کر سکے یہ تو بہت ہی آسان سا امر ہے۔ اس کو قبول کرنے میں سوائے بڑائی وبزرگی اور کچھ بھی نہیں کیونکہ کتب فریقین مناقب وتاریخ پُر ہیں ہمارے مضمون کا دامن بہت تنگ ہے صاحبان ضرورت کتب کا مطالعہ کریں۔ کتب سابقہ کی نصوص اور شواہدات سے اس کی تلافی ہو جائیگی۔ پس یہ خیال توحید پرستی نہیں وہم اور قیاس پرستی پر منحصر ہے یا پھر اپنی عزت پرستی ہے ورنہ حضرات فضلاء کرام سے مخفی نہیں کہ یہ امر عام فہم اور قابل تحمل ہے ابھی وہ وادی تو بہت ہی دور ہے جس کے لئے فرمایا گیا ہے۔

امرنا صعب مستصعب لا یحتمل ملک مقرب ولا نبی مرسل ولا مومن ممتحن (کافی و بحار ہفتم و دہم وغیرہ) کہ ہمارا امر سخت در سخت اور مشکل در مشکل ہے جس کو ملک مقرب اور نبی مرسل اور مومن ممتحن بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ پس یہ مقام بہت ہی بلند و مشکل ہے۔ پس ہرگز گریز نہ ہونی چاہیئے۔ آج کل تو واضح ہو چکا ہے جس قدر عروج و تصرف علم نے حاصل کیا ہے اور کسی طاقت نے نہیں کیا۔ علم ہی دوسرے کُروں پر جانا ہی نہیں بلکہ تصرف کرنا چاہتا ہے اور فضا آسمانی کو طے کر کے ماپ رہا ہے۔ پیدل اور بادبانی کشتیوں سے اور سائیکلوں وغیرہ پر کل دنیا کا چکر لگا رہا ہے۔ مشرق و مغرب کو ایک بنا رہا ہے۔ آواز کی گرفت کر رہا ہے آواز کو کل دنیا بلکہ کل کروں تک نشر کر رہا ہے اور یہ سب کچھ کسبی علم کی طاقت سے ہو رہا ہے۔ جب ہمارے حضرات فاضلین کسبی علمی و عقلی پرواز ان واقعات کو نہیں سمجھ سکتی تو پھر وہ علم لدنی اور وہبی کے تصرف کے احاطہ کو کیا سمجھ سکتے ہیں۔ انہیں روزمرہ مشاہدات سے عبرت حاصل کرنی چاہیئے۔ نہ کہ یہ بات کہکر ٹال دینا چاہیئے کہ یہ کافر ہیں۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ کل اشیاء عالم میں ان کے اوصاف و اثرات اول دن سے موجود تھے مگر عالم کے سوا کچھ نہ ہوا جب تجربہ سے علم حاصل ہوا تو دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ بلکہ عاجز بنا دیا جس کا ثبوت ایٹمی طاقت سے مل رہا ہے کہ ایٹمی عالم کے آگے ہر ایک شخص کی گردن جھک جاتی ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ عالم وہ کچھ کر سکتا ہے جو دوسرا نہیں کر سکتا صاحبان

علم و فضل کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح اشیاء عوالم میں خدا نے ایٹمی و ہیڈروجن ہیڈروجنی طاقتیں بلکہ ان سے بھی زائد اور مافوق بکھیر دی ہوئی ہیں۔ اسی طرح حروف میں بھی ہر طرح کی طاقتیں رکھ دی ہیں۔ اسرار حروف کا عالم وہ کچھ کر سکتا ہے جس کے مقابل ایٹمی و ہیڈروجنی طاقت بے بس و عاجز ہے ان اسرار حروف کے عالم و عامل کو ولی اللہ کہہ دیا جاتا ہے مگر موہبتی ولدنی عالم کے بالمقابل یہ کسبی ولی بھی کچھ نہیں کر سکتا جس طرح سورج کی موجودگی میں چاند اور سیارے گم ہو جاتے ہیں اسی طرح لدنی و موہبتی عالم کے سامنے کسبی ولایت کا علم بے بس و عاجز ہے اس واسطے ہی ہم اپنی وہابیت نواز فاضلیت سے عرض کرتے آرہے ہیں کہ وہ اس خیال سے توبہ کریں۔

پس جب یہ ثابت ہے اشیاء عوالم پر علم ہی تصرف کر سکتا ہے اور عالم وہ کچھ کر سکتا ہے جو غیر عالم نہیں کر سکتا تو اب ہم اپنے فاضلین کی توجہ ایک فرمان کی طرف دلاتے ہیں وہ غور کریں۔

جب سے دنیا میں علم اور عالم کا وجود پیدا ہوا ہے۔ تب سے لیکر آج تک کسی اور ہستی کے دہن سے یہ الفاظ نکلے ہوں تو اس کو پیش کریں۔ تاریخی شواہدات سے ثابت کریں۔ انہی جملوں پر بحث ختم کرتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

ان ما فی القرآن کلہ ھو فی الیسین و ما فی الیسین کلہ ھو فی الالحمد و ما فی الالحمد کلہ ھو فی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم و ما فی بسم اللہ کلہ ھو فی الباء بسم اللہ

و ما فی الباء کلہ ھو فی النکتۃ الباء و انا نکتۃ تحت الباء
بلاشبہ جو کچھ تمام قرآن میں ہے وہ سب یٰسین میں ہے اور جو کچھ
یٰسین میں ہے وہ سب الحمد میں ہے اور جو کچھ الحمد میں ہے وہ
سب بسم اللہ میں ہے اور جو کچھ بسم اللہ میں ہے وہی سب باء بسم
اللہ میں ہے جو کچھ باء بسم اللہ میں ہے وہ سب کچھ نکتہ باء بسم
میں ہے اور وہ باء کے نیچے کا نکتہ میں ہوں۔

پس اس فرمان میں آپ نے ثابت کر دیا کہ شہر علم کا دروازہ
صرف میں ہی ہوں کہ باء کا نکتہ ایک ہوتا ہے اور وہ میں ہی ہوں۔
اسی واسطے فرماتے ہیں اور حق فرماتے ہیں۔ العلم نکتۃ فنشرہ
الجاہلون (نہج البلاغہ وغیرہ) کہ علم ایک نکتہ ہوتا ہے جس کو جاہلوں
نے پھیلا دیا ہے پس اس فرمان سے ثابت ہے کہ جس قدر علوم خدا نے
قرآن میں بیان فرمائے ہیں ان سب کے عالم بعد از رسول خدا صلی اللہ
علیہ و آلہ وسلم آپ ہی ہیں اور جن امور میں مخلوق کو مدد کی ضرورت
ہوتی ہے۔ وہ ان علوم سے ہی کی جا سکتی ہے اور فرماتے ہیں:۔
سلونی سلونی قبل ان تفقدونی انی اعلم بطرق السموات
من طرق الارض۔ پوچھ لو پوچھ لو اس سے پہلے کہ مجھے کھو بیٹھو
گم کر بیٹھو کہ میں زمین کے طرق سے آسمان کے طرق کا بہت ہی زیادہ
عالم ہوں۔

آپ کا یہ فرمان آج بھی فضاء آسمانی میں گھوم رہا گونج رہا
ہے آپ کے بغیر یہ دعویٰ کسی نے نہیں کیا نہ کوئی کر سکتا تھا۔ اس
فرمان میں لفظ طرق کا ترجمہ راستے کیا جاتا ہے جو اپنی جگہ درست بھی ہو

مگر اہل لغت نے طرق کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ طرق سنگریزے کو سنگریزے پر رکھنے کو کہتے ہیں۔ جس سے ثابت ہوا کہ طرق کا مقصد زمین و آسمان کی بناوٹ اور ساخت ہے جس کی عبارت یہ ہے کہ مجھے کھو بیٹھنے گم کر بیٹھنے سے پہلے مجھ سے پوچھ لو کہ میں تو زمین کی ساخت و بناوٹ سے بہت ہی زیادہ آسمان کی ساخت اور بناوٹ کا عالم ہوں۔

پس جو زمین و آسمان کی ساخت اور بناوٹ کا عالم ہو وہ زمین و آسمان میں بسنے والی رہنے والی مخلوق کی ساخت و بناوٹ اور پیدائش کو کس طرح نہیں جانتا حالانکہ زمین و آسمان کو پہلے پیدا کیا تھا اور ان میں بسنے والی مخلوق بعد میں پیدا کی گئی تھی۔

صاحبان علم و عقل انصاف کریں کہ حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم و تصرف کا احاطہ کہاں تک ہے۔ وہ بتائیں کہ امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کس مقام پر عاجز مانے جا سکتے ہیں اور ان لوگوں نے ان کو کہاں عاجز دیکھا کس امر میں عاجز آئے تھے یا کہ آ سکتے ہیں جب وہ خدا کی تقدیر کو بدل سکتے ہیں تو پھر کون سا اور مقام ہے جہاں عاجز مانے جا سکتے ہیں مخالف بھی اقرار کرتے گئے ہیں۔

زمین آسمان عرش و کرسی بجنبش
علی دان علیٰ کل شئی قدیراً (مثنوی مولوی معنوی رحمۃ)

اغیار سے تو شکایت بیکار ہے کیونکہ وہ تو مجبور ہیں کہ ان کے ہاں لدنی و موہبتی علم کا عالم کوئی ہے ہی نہیں۔ لہذا اگر وہ اپنے بزرگواروں کے متعلق ایسا اعتقاد رکھیں تو ایک حد تک حق بجانب ہیں کہ خداوند عالم نے ان کے بزرگواروں کو ایسا عہدہ نہیں دیا اس واسطے ان

کا کہنا تو درست ہے کہ (سوائے خدا کے کسی سے امداد طلب کرنا جائز نہیں) پس جن کو خدا نے امداد دینے کی اتھارٹی نہیں دی جن کو خدا نے کوئی عہدہ ہی نہیں دیا اور نہ اپنا علم عطا فرمایا ہے ان سے طلب امداد ضرور غیر اللہ کی حد میں داخل ہے اور ایاک نستعین کے خلاف ہے۔ لیکن ہم اپنے فاضلین سے پریشان اور حیران ہیں کہ یہ حضرات ان آیات کا مقصد و مفہوم کیا سمجھتے ہیں۔ یا ان آیات کو محض فرضی قصہ مانتے ہیں۔ جب ان آیات کا مصداق و مقصود ان ہی حضرات کے وجودات مقدسات کو مانتے ہیں تو پھر غیروں کی تقلید میں ان سے امداد مانگنے کو ناجائز کیوں جانتے ہیں۔ جب ان کا علم خدا کا علم ہے ان کا دیکھنا خدا کا دیکھنا ہے اور ان کا اتباع خدا کا اتباع ہے اور ان کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے اور ان کا ارادہ خدا کا ارادہ ہے۔ ما تشاؤن الا ان یشاء اللہ تو پھر یہ غیر اللہ میں کیوں شمار کئے جاتے ہیں۔ اور ان سے طلب امداد کس بنا پر غیر اللہ کی امداد مانی جاتی ہے حیرت بالائے حیرت ہے۔ یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔ مومن ہو کر خوف خدا نہیں کرتے اور ان کے ساتھ نہیں ہوتے ان کی فرمائشات کی تصدیق نہیں کرتے اور ان کی فرمائشات کو غالیوں کی طرف منسوب کیوں کرتے ہیں غالیوں کی ڈھال کی پناہ لے کر ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ اس قدر کثیر التعداد اقوال جو کتب اسلامی میں مرقوم ہیں جن کی فصاحت و بلاغت ہر اہل علم قبول کرتا آرہا ہے۔ یہ ان کے سوا غیر سے کس طرح ادا ہو سکتے ہیں جن حالات و مقامات

کا ان فرمائشات میں ذکر ہے۔ وہ غالیوں کی زبان پر کہاں سے آ گئے۔ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو فاضلین حضرات ان کی مثل کوئی خطبہ ادا کر دیں یا کہ کوئی جملہ ہی بتا دیں۔ فاتوا احادیثکم ان کنتم صادقین۔

پس عرض کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم نے ان کو وہ کچھ عطا فرمایا ہے۔ جو انبیاء اولو العزم صاحبان شریعت کو بھی نہیں عطا فرمایا صاحب شریعت حضرت موسےٰ جیسے اولو العزم رسول ان کی شاگردی کی شرائط بھی نہیں پوری کر سکے چہ جائیکہ کچھ حاصل کر سکتے یا کہ ان کی بلندی درجات کا ادراک کر سکتے۔

پس جس قدر انہوں نے اپنے اوصاف ارشاد فرمائے ہیں وہ سب آیات قرآن سے مستنبط و ماخوذ ہیں اور وہبی و لدنی ہیں جہاں کسب و مشق وغیرہ کا کوئی دخل نہیں۔

پس جب یہ صحیح ہے اور ضرور ہی صحیح ہے تو خدا نے ان کو یہ درجات کس لئے عطا فرمائے تھے۔ ان درجات و اختیار کے مطابق عمل کرنے اور اظہار کرنے کو یا کہ محض ان درجات کا ٹوکرا سر پر اٹھائے رکھنے کو آخر خداوند عالم عالم الغیب والشہادہ نے ان آیات مذکورہ میں کن لوگوں کا ذکر فرمایا ہے اس کو ان آیات کے نازل فرمانے کی ضرورت کیا تھی۔ کیا خداوند عالم ان کو یہ درجات عطا کرنا عبث مانا جا سکتا ہے اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً ایسا نہیں ہے تو پھر ان کو مظہر اوصاف الٰہیہ کلیہ ماننے کے بعد تحت ھو ہم وہ ہوتے ہیں سے کیا مراد ہے۔ یہ ہے کہ یہ اس کے اوصاف

کے مظہر ہو کر اس کے کام کرتے ہیں یا یہ ہے کہ یہ خود خدا بن جاتے ہیں اور خدا کو نعوذ باللہ کہیں ختم کر دیتے ہیں۔

ہمارے فاضلین حضرات کو عقل سے کام لینا چاہیئے۔ قیاس کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ دین قیاس سے نہیں حاصل ہوتا۔ ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ یہ حضرات فرمان رسالت کو کیا سمجھتے ہیں۔ آیات مذکورہ کے مطابق احادیث بھی ضرور بیان فرمائی گئی ہیں اور وہ یہی ہیں جن کو یہ حضرات غالیوں کی طرف منسوب کر رہے ہیں اور تعجب ہے کہ نہ ان کا نام نہ قبیلہ نہ قوم نہ زمانہ اور مقام اور نہ ہی ان کے بیانات کی وجہ اور نہ ہی ان کے علم کا ماخذ وغیرہ بیان کرتے ہیں صرف ایک لفظ غلو سن رکھا ہے۔ اس کے پردہ میں اپنی مقصریت کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ ان احادیث میں کوئی ایک حرف بھی ایسا نہیں ہے جو ان کے دعویٰ الہیت پر دلیل ہو یا کہ خداوند عالم کی ذات اقدس کے منافی ہو۔ یہاں پر مقلدین وہابیت اور وہابیت نواز فاضلیت سے عرض کرتے ہیں کہ وہ بتائیں کہ اس آیہ مبارکہ کا مقصد کیا ہے اس آیت میں کن امور کی وحی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے

فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ ؁ النجم۔ یہ وحی کن امور کی تھی خیال رہے کہ تمام قرآن زمین پر نازل ہوا ہے اور یہ آیت بھی اس میں زمین پر نازل کی گئی تھی مگر جس وحی کی طرف اس میں اشارہ ہے وہ کیا تھی اور کہاں ہوئی تھی اور خدا نے اس وحی کو پوشیدہ کیوں رکھا ہے اور اس کو پوشیدہ و مخفی رکھنے کی کیا علت تھی۔

پس جن بیانات کے بارے میں قیاسی دنیا قیاسی گھوڑوں میں

غوطے کھا رہی ہے وہ بیانات وارشادات اسی آیت سے تعلق رکھتے ہیں اور اسی سے مستنبط و ماخوذ ہیں۔

یہ آیہ مبارکہ قرآن مجید میں بذریعہ جبرئیل رسول خدا پر نازل فرمائی گئی ہے جس کی وجہ اسی قیاسی دنیا کا قیاس باطلہ ہے کہ خداوند عالم عالم الغیب ان قیاسات کو جانتا تھا کہ لوگ قیاسی بنا پر میرے ان مخلص بندوں کی تکذیب کرینگے۔ اس واسطے اس نے ان لوگوں کے قیاسات باطلہ کے ابطال کا سامان اپنی کلام پاک میں پہلے ہی مہیا کر دیا۔ تاکہ صاحبان عقل واولوالباب حضرات ان قیاسات باطلہ کے اثر سے محفوظ رہ کر صراط مستقیم پر قائم رہیں۔ اس آیہ مبارکہ کے مقاصد نہایت ہی بلند درجہ ہیں۔ ان کو کسبی علم اور قیاس نہیں معلوم کر سکتا۔ اس آیہ مبارکہ میں ان تمام امور کا بیان تفصیلی موجود ہے جو ان مظہر اوصاف الٰہیہ کے متعلق قیاساً و شکوکاً بیان کئے جاتے ہیں۔ جن کی تائید دیگر آیات قرآن اور ان کے ارشادات سے ہوتی رہتی ہے مبصرین و مدبرین حضرات ان کو بخوبی جانتے اور مانتے اور اعتقاد و ایمان رکھتے ہیں (یہ عجیب امر ہے) جو مشاہدہ میں آتا رہتا ہے کہ کئی ناخواندہ حضرات ان مظہر اوصاف الٰہیہ کے ان فضائل کو سن کر ایمان لائے اور قبول کر لیتے ہیں۔ مگر کئی فاضلیت سے مزین حضرات ان بیانات سے تاویلی پہلو نکال کر انکار کرتے رہتے ہیں۔ دونوں طرح کے لوگ موجود ہیں اور رہے ہیں اور رہینگے یہ ایک خاص راز ہے۔

تقریباً پون صدی سے علما و فضلا کی زبانی متفقہ طور پر سنتے آتے ہیں۔ کہ شب معراج کی جس وحی کی طرف اس آیہ مبارکہ میں اشارہ

فرمایا گیا ہے۔ اس کی تعداد نوّے ۹۰۰۰۰ ہزار کلام مبارک ہے اور موجودہ قرآن مجید کا مجموعہ چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیت ہے۔ اس لحاظ سے نوّے ۹۰ ہزار کلام کے ساڑھے تیرہ قرآن بنتے ہیں۔ جن کی تفصیل و تقسیم اس طرح بیان ہوتی ہے کہ اس کلام میں سے تیس ۳۰ ہزار عوام کو سنانے کے واسطے اجازت تھی جس کو آپ نے بیان فرمایا اسی کا نام اسلامی دنیا میں حدیث قدسی رکھا گیا ہے جو صحیح اور حق ہے۔

اور تیس ۳۰۰۰۰ ہزار کلام خاص حضرات کو سنانے کا حکم تھا۔ اور وہ خواص اہلبیت رسول خدا ہی تھے اور تیس ۳۰ ہزار خود اپنی ذات کے لئے رکھنے کا حکم تھا۔ اور ان پر بوقت ضرورت عمل کرنے کا حکم تھا۔ اسی کی بابت حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں۔

علّمنی رسول اللّٰہ الف باب فیفتح لی من کل باب الف باب۔ رسول خدا ص نے مجھے ہزار باب علم تعلیم فرمائے پس میرے لئے ہر ایک باب علم سے ہزار ہزار باب علم کھل گئے حل ہو گئے۔ (یہ ایک لاکھ باب علم ہوتا ہے) جب ان کے جزویات یعنی ہر باب علم کی فصلوں کو جمع کیا جائے تو کس کی طاقت اور وسعت ہے جو شمار کر سکے یا کہ احاطہ کر سکے۔ جس طرح ایک نکتہ با میں تمام کتاب اللہ کے علوم بے حد و شمار موجود ہیں اسی طرح ان ابواب علوم میں علم کی کوئی حد و انتہا نہیں یہاں پر کسی علم کا قیاس کام نہیں دے سکتا۔ مومن ممتحن ہی اس مقام پر ایمان لا سکتا ہے۔

پس نہ تو ان کے علم کو خدا کے علم سے جدا کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی خدا کے علم کو بے اثر ثابت کیا جا سکتا ہے لہذا ان کا فرمان نحن ھو

کا ظاہری مقصد یہی ہے کہ ہم اس کے عطیہ علم سے اس کے قائم مقام ہو کر اس کا کام کرتے ہیں یعنی اس والے کام کرتے ہیں۔ مارتے ہیں جلاتے ہیں سوارتے ہیں بگاڑتے ہیں اسی کا نام خلافت الٰہیہ ہے لہٰذا ان سے طلب امداد غیر اللہ میں داخل نہیں بلکہ ان سے امداد طلب نہ کرنا غیر اللہ میں داخل ہے۔ فتدبر فیہ انہ دقیق وحقیق۔

اللہ ھو الولی لاولی الا اللہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ولی نہیں۔ یہ بالکل حقیقت ہے کہ خدا کے سوا کوئی ولی نہیں۔ اسی واسطے کہا جاتا ہے کہ لا حکم الا اللہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا کوئی نہیں۔ جو شخص اس حقیقت کا انکار کرے وہ مسلم نہیں رہتا۔ لہٰذا ہر مسلم کو اس پر ایمان رکھنا فرض ہے لیکن اس کا استعمال غیر محل کرنا بھی کفر ہے۔ مثلاً جب خداوند عالم ہی کسی وجود کو ہم پر حاکم اور ولی اور حکم مقرر فرما دے تو پھر اس وجود کو اپنا ولی اور حاکم اور حکم نہ ماننا صرف خداوند عالم کو ہی ولی اور حاکم اور حکم ماننا صریحاً کفر ہے۔ جیسا کہ شیطان نے توحید پرستی میں سجدہ آدم سے انکار کر کے کفر کیا تھا جس کا ذکر گذر چکا ہے۔ پس اس امر میں خدا فرماتا ہے

انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوٰۃ ویؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون

سوائے اس کے نہیں ہے کہ اللہ تمہارا ولی ہے اور اس کا رسول اور وہ مومنین جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو رکوع میں ادا کرتے ہیں۔

اس آیت کو خداوند عالم نے جملہ انما سے جاری فرمایا ہے۔ جس کو کلمہ حصر کہتے ہیں جس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ جس بیان کے اول میں یہ کلمہ آجائے اس بیان میں جس امر کا ذکر فرمایا گیا ہو وہ اس سے باہر نہیں جا سکتا۔ وہ امر اسی احاطہ اسی حصر اسی چار دیواری یا کہ دائرہ میں محصور و محیط اور بند رکھا جائیگا اس سے باہر ہرگز نہ جائیگا اور نہ ہی جا سکیگا۔

اس آیت میں جس امر کو اس کلمہ سے محصور و محیط فرمایا گیا ہے وہ امر (ولی) ہے۔ اور لفظ ولی کے تقریباً اکیس معانی اہل لغت نے بیان کئے ہیں جس کی مدد سے کبھی تو درسی علم اس مقام پر کافی گل کھلاتا ہے مگر خداوند عالم نے اس کلمہ حصر سے سب کی چالوں کو بند کر دیا ہے کہ یہاں وہی معنیٰ صادق آئیگا جو خدا اور رسولؐ اور رکوع میں زکات دینے والے مومنین سے باہر نہ جا سکے۔ اور وہ معنیٰ صرف ایک ہی ہے (وَلِیَ یَلِی ولایۃً) الشی مالک ہوا (مراۃ القرآن) اسی واسطے ہی اللہ ھو الولی صحیح ہے کہ ولی صرف اللہ ہی ہے لیکن خداوند عالم نے امر ولایت کو جن میں محصور فرمایا ہے۔ وہ ایک خود اپنی ذات اقدس کا ذکر فرمایا ہے۔ دوسرا اس کا رسول اور تیسرے ان مومنین کا ذکر فرمایا ہے جو رکوع میں زکات دینے والے ہیں جس سے ثابت ہوا۔ کہ خداوند عالم نے امر ولایت کو اپنی ذات اور اپنے رسول اور رکوع میں زکات دینے والے مومنین میں محصور و محیط فرما دیا ہے۔ پس جو خدا کی ولایت کا اقراری ہو جو خدا کو اپنا ولی مانتا ہو اس پر فرض ہے کہ وہ اسی طرح خدا کے رسول اور ان مومنین کو اپنا ولی مانے جو شخص خدا کو اپنا ولی مانتا ہو اور اس کے رسولؐ اور ان مومنین کو

ولی نہ مانے وہ کفر حقی میں داخل ہو جائیگا۔ اسی طرح جو شخص خدا و
رسول کو اپنا ولی مانتا ہو اور ان مومنین کو اپنا ولی نہ مانے وہ بھی کفر میں
حقی میں داخل ہو جائیگا۔ کیونکہ خداوند عالم نے امر ولایت کو اُن تینوں
موضوع میں محصور فرما دیا ہے قیاسی تاویلوں سے ان میں فرق وجدائی
ڈالنا ہی کافر حقی بناتا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ امر ولیت تینوں
موضوع میں مساوی ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے اور ہرگز نہیں
ہے ہاں یہ امر ظاہر ہے کہ خداوند عالم بذات خود ہمارا ولی ہے۔ اس
کو کسی نے ہم پر ولی نہیں بنایا وہ بقدرت خود ہمارا ولی ہے۔ اور رسول
اور ان مومنین کو ہم پر خدا نے اپنی طرف سے اپنی مثل ولی قرار دیا ہے
پس اس سے ان کی ولیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ اسی واسطے خدا
نے فرمایا ہے استجیبوا اللہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم ۹/۲۴
جب کبھی تم کو اللہ اور اس کا رسول بلائیں تو تم ان کو جواب دو۔
تاکہ تم کو زندگی ملے۔

مشکوٰۃ شریف میں منقول ہے کہ ایک شخص کو رسول خداؐ نے
بلایا تو اس نے جواب نہ دیا۔ جب وہ حاضر خدمت ہوا تو آپ نے
اس سے پوچھا کہ تو نے مجھے جواب کیوں نہ دیا اس نے عرض کی میں
نماز پڑھ رہا تھا تو آپ نے فرمایا کیا تو نے خدا کا یہ حکم نہیں سنا۔
(استجیبوا الخ) اس سے ثابت ہے کہ خدا اور رسولؐ کو ہر حال میں
جواب دینا فرض وواجب ہے خواہ نماز میں ہی کیوں نہ ہو یہ محض
اس لئے کہ وہ ہمارے ولی ہیں اپنے ولی کو ہر حال میں جواب دینا اس
کا حکم ماننا فرض ہے۔

اس آیہ مبارکہ میں مومنین کا لفظ بصیغہ جمع بیان فرمایا ہے لیکن کل مفسر و محدث و مورخ اقراری ہیں کہ یہ آیت حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی تھی جبکہ آپ نے رکوع میں سائل کو مندری عطا فرمائی تھی۔ کتب تفاسیر و احادیث و تواریخ میں یہ واقعہ مشہور و معروف ہے جو اہل بصیرت سے مخفی نہیں اس لئے اشارہ پر ہی اکتفا کی جاتی ہے جو عارفین کے لئے تو کافی ہے مگر جاحدین کیلئے کوئی بات کافی نہیں ہوتی کہ جاحد سب کچھ جان کر انکاری ہوتا ہے۔

پس خدا و رسولؐ اور حضرت امیرالمومنین علیؑ اور ان کی اولاد میں سے آئمہ طاہرین علیہم السلام کل مومنین کے ولی ہیں کہ خدا نے ان کو ہم پر اپنے ساتھ ولی مقرر فرمایا ہے۔ ان کو بندوں نے ولی نہیں بنایا۔ اور نہ ہی خود وہ ولی بنے ہیں اور نہ ہی بننے کی کوشش کی ہے بلکہ انہیں خداوند تعالیٰ نے خود ولی بنایا اور تمام مخلوق پر ولی قرار دیا ہے۔ اگرچہ مخاطب صرف اہل ایمان ہی کئے گئے ہیں۔ مگر ان کی ولایت اور ولیت کا احاطہ وہی ہے جو خداوند عالم کی ولایت کا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ خداوند عالم نے ان کو یہ عہدہ عبث بلا وجہ بلا ضرورت نہیں عطا فرمایا بلکہ با مصلحت با ضرورت اپنے ساتھ اپنی مخلوق پر ان کو ولی مقرر فرمایا ہے۔ لہذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ خدا و رسولؐ کی طرح ان کو بھی اپنا ولی مانیں تسلیم کریں۔ اگر ایسا نہ کریں تو حکم خدا سے انکاری ہونگے جس سے ان کی توحید پرستی ہی باطل ہوگی لہذا اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ تمام مسلمان خدا کے حکم کے مطابق ان کو اپنا ولی تسلیم کریں۔ تب ہی وہ مسلمان ہو سکتے اور رہ سکتے ہیں۔

درنہ نہیں ہو سکتے۔ اس سے واضح ہے کہ جو کچھ خداوند عالم سے طلب کرنا مانگنا جائز ہے وہی ان سے طلب کرنا و مانگنا جائز ہے کہ ان کو خدا نے ہم پر ولی مقرر فرمایا ہے۔

اور اس سے یہ بھی واضح ہے کہ جس کو چند یا نصف یا کل مسلمان مل کر اپنا ولی تسلیم کرلیں وہی ولی ہو گیا یا کہ خدا نے بھی اسی کو ولی بنا دیا یا مقرر کر دیا نہیں نہیں ہرگز ایسا نہیں ہے بلکہ یہ مخصوص گروہ اور ایک خاص جماعت ہے جن کا ذکر ہم کرتے آ رہے ہیں۔ نہ ہر عابد و زاہد و متقی اگرچہ وہ صاحب کرامت ہی ہو۔ عبادت و زہد و اتقا سے صاحب کرامت ہو جانا اور ہے اور خدا کا مقرر فرمانا اور ہے۔ اسی طرح ہر عابد و زاہد و متقی صاحب کرامت کو ولی ماننا اور ہے اور خداوند عالم کے مقرر کردہ کو ولی ماننا تسلیم کرنا اور ہے۔ ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے جس کو دکھانے کے لئے کافی طوالت کی ضرورت ہے جس سے منزل مقصود دور ہو جاتی ہے پس اتنا اشارہ کافی ہے۔ کہ زہد و اتقیٰ سے ولی ہونا یا کہ کہلانا خداوند عالم کی مانند ولی نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ ولی ہیں جن کو خدا نے خود اپنے ساتھ یہ عہدہ ولایت ہم پر عطا فرمایا ہے۔ کسب و محنت سے حاصل نہیں کیا بلکہ خدا نے ان کو ہم پر اپنے جیسا ولی قرار دیا ہے۔ زہد و اتقیٰ سے یہ درجہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ خداوند عالم کی ولایت و ولیت سے تو توحید پرستوں کو انکار ہو ہی نہیں سکتا۔ اس واسطے وہ معتقد ہیں کہ . . . . .

جس طرح غیر اللہ کی عبادت حرام ہے اسی طرح غیر اللہ سے سوال کرنا مانگنا کوئی شے طلب کرنا حرام ہے۔ اسی خیال کی وجہ سے ہم یہ بیان

کہہ دیے ہیں کہ یہ اعتقاد کس حد تک درست ہے۔ پس زہد و اتقا سے بنے ہوئے ولی یا کہ لوگوں کے بناتے ہوئے اولیاء کی نسبت بالکل درست ہے وہ ضرور غیر اللہ میں داخل ہیں۔ لیکن جن کو خدا نے ہم پر اپنے جیسا ولی قرار دیا ہے وہ کسی طرح غیر اللہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کو غیر اللہ میں داخل کرنا خدا کی نافرمانی اور مخالفت میں داخل ہے۔ جس کا ثبوت خداوند عالم نے اس طرح دیا ہے کہ وہ فرماتا ہے۔

النبی اولی بالمومنین من انفسھم و ازواجہ امھتھم [۲۱/۱۷]
ہمارا نبی مومنین کی جانوں کا خود ان سے زیادہ مالک ہے اور اس کی ازواج یعنی بی بیبیاں ان کی مائیں ہیں۔ اس آیت سے واضح ہے کہ نبی کی ولایت سے مراد ملکیت و حاکمیت ہے کہ خدا نے اپنے نبی کو ہماری جانوں کا ہم سے زیادہ مالک بنایا ہے وہ ہماری جانوں کو جس طرح چاہے صرف کرے۔ پس خداوند تو بھی ہماری جانوں کا مالک ہے اور اس کا نبی بھی ایسا ہی مالک ہے۔ اسی طرح وہ مومنین بھی ہمارے مالک ہیں ان کے بالمقابل ہم کو اپنی جانوں پہ کوئی اختیار نہیں رہتا پس یہ مومنین تمام مسلمانوں کے خدا و رسولؐ کی طرح مالک ہیں یہی ولایت یا کہ ولیت ہے۔ اسی وجہ سے خدا نے فرمایا ہے۔

ما تشاءون الا ان یشاء اللہ (دہر) کہ جب تک میں نہ چاہوں تم چاہتے ہی نہیں۔ پس جب یہ کسی امر کو چاہیں تو وہ خدا کا چاہنا ہے جب ان کا چاہنا ہی خدا کا چاہنا ہوا۔ تو ان کی ملکیت و حاکمیت بھی خدا کی ملکیت و حاکمیت ہوئی۔ تو اب اس حال میں ان سے طلب امداد خدا سے طلب امداد ہے۔ جو ہر حال میں واجب ہے کہ

خدا نے ان کو ہم پر اپنے جیسا ولی یعنی مالک وحاکم بنایا ہے لہٰذا اپنے مالک اور حاکم سے ہر چیز طلب کرنی جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے۔ جب خدا نے ان کو اپنی طرف سے ہماری ملکیت وحاکمیت عطا فرمائی ہے تو ان کو وہ اختیار بھی عطا فرمائے ہیں جن سے یہ ہماری حاجات وضروریات وسوالات کو پورا کر سکیں بغیر اس اختیار اور طاقت کے عطیہ کے ان کو ہم پر اپنی مثل ولی بنانا ہماری ملکیت عطا فرمانا ایک مہمل امر ہے جس سے اس کی ذات بابرکات بری ومنزہ ومبرہ ہے کیونکہ یہی خلافت خدا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا دفاع

یہاں یہ شبہ پیدا کیا جا سکتا ہے کہ جب ان کی ملکیت اور چاہنا خدا کی ملکیت اور چاہنا ہے جس کا ثبوت دیا گیا ہے تو پھر اسی طرح خدا سے امداد طلب کرنا بھی ان سے طلب امداد کیوں نہیں ہو سکتا جب خدا کی اور ان کی ملکیت وچاہت واحد ہے تو اس میں کیا حرج ہے۔ کہ ہر حاجت خدا سے ہی چاہی جائے جس میں یہ بھی داخل ہیں کہ ولایت کا امر واحد ہے اس صورت میں خدا کی عظمت بھی قائم رہ سکتی ہے جس کا قائم رکھنا واجب ہے برخلاف اس کے ان سے ہی ہر امداد طلب کی جائے اور خدا سے نہ کی جائے تو خدا کی عظمت دنیا میں کس طرح قائم رکھی جائیگی جس کا قائم رکھنا واجب ہے۔

جواب | اس شبہ کا باقاعدہ دفاع کافی طویل ہے جس سے منزل دور ہو جاتی ہے اس لئے ایک مختصر طریقہ سے جواب دیا جاتا ہے جماعت

مواحدہ اور اس کے ہم خیال فضلاء کرام تدبر سے کام لیں۔

ہماری عرض ہے کہ اسلامی اعتقادات اور اعمال کی صحت کا مدار صرف قرآن مجید کی تعلیم پر ہے لہذا اس امر میں بھی اسی کی تعلیم کی طرف رجوع کرنا فرض ہے پس اس شبہ یا اعتراض کے مطابق اس کی صحت کے لئے قرآن مجید کی کوئی ایک آیت ایسی پیش کی جائے جس میں فرمایا گیا ہو کہ جس امر میں خدا کی طرف رجوع کیا جائے وہی ان کے لئے مانا جائیگا۔ ایسی کوئی آیت کسی امر میں بھی خدا نے نازل نہیں فرمائی بخلاف اس کے قرآن مجید کی یہ تعلیم اکثر مقام وامور میں موجود ہے کہ جس امر میں رسولؐ اور ان مومنین کی طرف رجوع کروگے۔ وہ ہی رجوع الی اللہ ہوگا۔ مثلاً خدا فرماتا ہے۔

من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ لیکن یہ کہیں نہ ملیگا من یطع اللہ فقد اطاع الرسول اور صراط الذین انعمت علیھم لیکن یہ نہ ملیگا۔ ان صراطی صراط الذین انعمت علیھم اور ویتبع غیر سبیل المومنین (اعراف آیت ۱۱۵) اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

اس تعلیم قرآن سے واضح ہے کہ خدا نے ان مومنین کے عملی قدموں عملی نمونوں یعنی ان کے تمام اعمال کو اپنی صراط مستقیم قرار دیا ہے جس سے ثابت ہے کہ جن مومنین کے اعمال کو اپنی صراط مقرر فرمایا ہے ان کے ہی چاہنے کو اپنا چاہنا ثابت فرمایا ہے (وما تشاءون الا ان یشاء اللہ۔ پس اسی طرح ان کی ولایت کو اپنی ولایت قرار دیا ہے لہذا یہ شبہ وسوسہ ہی ہے اس کو حقیقت سے کوئی تعلق

نہیں - اس مقام پر ایک اور مثال عرض کی جاتی ہے، وہابیت دمواحدیت جماعت اور اس کی مقلد فاضلیت تدبر سے کام لے جس کا واضح ثبوت انشاء اللہ آرہا ہے -

تمام اہل اسلام میں یہ مسلمہ امر ہے کہ ذات احدیت واجب الوجود مستجمع الصفات کمالیہ جلالیہ وجمالیہ کلیہ ہے جن کا شمار ممکن نہیں - ظاہراً اسماء حسنیٰ کے اعتبار سے ایک سو ایک تعداد بیان کی جاتی ہے - اور ان کی تشریح سے ایک ہزار ایک تک شمار میں آتی ہے - لیکن یہ سب کچھ ہمارے احساس و معلومات ادراک وشعور کی وجہ سے ہے ورنہ اس کی ذات کی صفات کی کوئی حد وانتہا نہیں ہوسکتی - اس کی ذات کی صفات کی حد مقرر کرنا یا کہ مقرر ہونا اس کی خدائی والوہیت والہیّت کو باطل کرنا ہے کہ محدود الصفات خدا نہیں ہوسکتا - لہٰذا ثابت ہوا کہ اس کی صفات کی کوئی حد نہیں ہے -

اور یہ بھی واضح ہے کہ خدا کی ہر صفت کا اظہار بغیر وجود مظہر ناممکن و محال ابدی ہے لہٰذا خدا کی ہر صفت کے اظہار کے لئے ایک مظہر کی ضرورت لازمی ہے پس اس اعتبار سے اس کے مظہر اوصاف کی بھی کوئی حد نہیں ہوسکتی اور علماء کاملین و فضلاء عارفین تابعین نے اسم اللہ کو اسم ذات تسلیم کیا ہے لیکن یہ مسلمہ امر ہے کہ خدا کی ذات عین صفات ہے - صفات کے علاوہ اس کی ذات ہے ہی نہیں اس کی ذات مجموعہ صفات ہی ہے اس بنا پر اسم اللہ کو اسم ذات کس طرح تسلیم کیا جائے اس کا جواب عرفاء کاملین محققین

نے یہ دیا ہے کہ جس طرح خدا کی ذات مجموعہ صفات کمالیہ جلالیہ وجمالیہ کلیہ ہے اسی طرح یہ اسم بھی جامع الصفات الٰہیہ کمالیہ وجلالیہ و جمالیہ کلیہ ہے۔ اس بنا پر اسم اللہ کو اسم ذات تسلیم کیا گیا ہے۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ جو وجود اقدس مظہر اسم اللہ قرار دیا جائیگا وہ تمام مظاہر اسما حسنیٰ الٰہیہ سے اعلےٰ وارفع وبلند مرتبہ اور مقرب بارگاہ الٰہیہ اور تمام مظاہر اسماء حسنہ کا جامع ہوگا اس سے بالا و اعلےٰ کوئی مظہر اسم الٰہی نہ ہوگا۔ کیونکہ خدا کا اور کوئی ایسا اسم نہیں جس کو اسم اللہ پر فوقیت وبرتری دی گئی ہو اس واسطے ہی خداوند عالم نے اپنی ذات کے لئے اسی اسم کو زیادہ تر استعمال فرمایا ہے۔

قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایاً ما تدعوا فلہ الاسماء الحسنیٰ $\frac{15}{12}$ تم کہدو کہ اللہ کے نام سے پکارو یا کہ رحمٰن کے نام سے پکارو پس تمام اچھے نام اسی کے ہیں۔ اس فرمان سے ثابت ہے کہ اسم اللہ بھی اسماء حسنہ میں داخل ہے اور دوسری جگہ فرمایا ہے۔

وللہِ الاسماء الحسنیٰ فادعوا بہا $\frac{19}{12}$ تمام اچھے نام اللہ کے لئے ہیں پس ان سے ہی اس کو پکارو یا دکرو اس فرمان میں تمام اسماء حسنہ کو اللہ کے لئے فرمایا گیا ہے جس سے معلوم وثابت ہوتا ہے کہ اسم اللہ مجموعہ اسماء حسنیٰ ہے پس جو وجود مظہر اسم اللہ ہے وہ تمام مظاہر اسماء حسنہ سے زیادہ مقرب واعلےٰ وارفع ہے اور یہ بھی خیال رہے کہ ہر صفت اپنے موصوف کو چاہتی ہے جس سے صفت اور موصوف کو علیحدہ علیحدہ ماننا پڑتا ہے اور یہ امر خلاف وحدت ہے

اسی لئے حضرت امیر المومنین علی علیہ الصلوٰت والسلام نے فرمایا ہے کہ اصل توحید یہ ہے کہ اس کی ذات سے صفات کی نفی کردی جائے - اس صورت میں خدا کی ذات ہی منبع صفات ہے ہماری طرح اس کی صفات علیحدہ از ذات نہیں بلکہ اس کی ذات صفات ہی صفات ہے تمام صفات اس کی ذات سے ہی پیدا ہوتی ہیں۔ پس اسی طرح تمام اسماء حسنہ اسم اللہ سے ہی ملحق ہوتے ہیں یعنی تمام اسماء حسنہ اسم اللہ کی طرف ہی راجع اور منسوب ہوتے ہیں اسی بنا پر اسم ذات مانا جاتا ہے ورنہ جب اس کی ذات ہی نہیں تو اسم ذات کیسے ہو چونکہ تمام اسماء حسنہ اسی اسم اللہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں (وللہ الاسماء الحسنیٰ) کہ تمام اسماء حسنہ اللہ کے لئے ہیں تو اس صورت میں اسم اللہ مجموعہ اسماء حسنہ قرار پایا لہذا وجود پاک اسم اللہ کا مظہر ہوگا وہی تمام صفات حسنہ اور مظاہر اسماء حسنہ کا منبع و مرجع ہوگا اور وہی واجب الوجود خالق اکبر کے بعد اور کل مظاہر اسماء حسنہ سے اول اور قدیم ہوگا اور کل مظاہر اسماء حسنہ سے مقرب بارگاہ الہیہ ہوگا - اسلامی احاطہ میں ایسا وجود اقدس اول ما خلق اللہ نوری اور انا و علی من نور واحد کے سوا اور کوئی نہیں ہے یہی منزل او ادنیٰ کے تقرب پر فائز ہیں - پس جس طرح اللہ کی ذات اور صفات میں تفریق بلکہ تمیز ہی ناممکن و محال ابدی ہے اسی طرح اللہ تعالےٰ اور مظہر الوہیت میں تفریق بلکہ امتیاز ہی ناممکن و محال ابدی ہے اسی واسطے وہ فرماتے ہیں۔

یفصل نورنا من نور ربنا کشاع الشمس من الشمس (بحار وغیرہ)

ہمارا نور اللہ تم کے نور سے اس طرح منفصل ہوتا ہے جس طرح شعاع آفتاب آفتاب سے منفصل ہوتی ہیں ۔ (یہ جملہ نہایت عظیم المرتبہ و اہم مطالب پر محیط ہے) ہم صرف یہی دکھائینگے کہ جس طرح شعاع آفتاب نہ تو عین آفتاب ہیں اور نہ ہی آفتاب سے جدا کوئی چیز ہیں ۔

اسی طرح چہاردہ معصومین علیہم السلام نہ تو خدا ہیں اور نہ ہی خدا سے جدا ہیں جس طرح آفتاب کا وجود اس کی شعاع سے پہچانا جاتا ہے ۔ اسی طرح اللہ بھی ان کے افعال و اعمال سے پہچانا جاتا ہے اور یہی راز وحدانیت ہے ۔ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہہ ربک ذوالجلال والاکرام ۲۷/۱۱ اور کل شیءٍ ھالک الا وجہہ ۲/۱۱ اور خدا نے ان کو ہی اپنی وجہ فرمایا ۔ فتدبروا

پس جس طرح خدا کی صفات کو خدا کی ذات سے علیحدہ کرنا ناممکن و محال ابدی ہے عین اسی طرح ان مظہر اسم اللہ کو خدا کی صفات سے علیحدہ کرنا ناممکنات و محال ابدیہ سے ہے پس جو لوگ خداوند عالم اور اس کے مظہر اوصاف کے درمیان حدبندی کے خواب دیکھتے ہیں وہ خدا کی ذات کی معرفت سے بے بہرہ ہیں ۔ انہیں اس حدبندی کے خیال سے توبہ کرنا فرض ہے ۔ عرفا کاملین اپنی اپنی جگہ پر کہتے گئے ہیں ؎

من تن شدم تو جاں شدی من جاں شدم تو تن شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حافظ شیرازی علیہ رحمہ نے یہ بیان حدیث ۔ یا علی لحمک لحمی الخ اور یا علی انت بمنزلۃ راسی من بدنی اور یا علی انت بمنزلۃ روحی من بدنی اور یا علی انت منی وانا منک کے ترجمہ میں

دیا ہے جس میں اتحاد اوصاف نبوت و امامت کا اظہار کیا ہے۔ ہم اسی کو اوصاف الہیّہ اور مظہر اوصاف الہیّہ پر چسپاں کر کے مرحوم کی روح پرفتوح کے لئے ہدیہ تبریک پیش کرتے ہیں۔ خداوند عالم ان کو اس کا اجر احسن عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرات ناظرین تدبر سے کام لیں مذکورہ بالا مثال آفتاب اور شعاع آفتاب حضرت امیر المومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دی ہے اس سے سبق ہدایت حاصل کریں۔ اس سے واضح مثال اس امر میں ممکن ہی نہیں فیض آفتاب کو اشیاء عوالم تک پہنچانے کا ذریعہ اور واسطہ شعاع آفتاب کو قرار دیا گیا ہے اگر اشیاء عوالم آفتاب سے براہ راست فیض آفتاب حاصل کر سکتیں تو شعاع آفتاب کو خلق کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ شعاع آفتاب کے وجود نے ثابت کر دیا کہ اشیاء عوالم کو بغیر شعاع آفتاب کے آفتاب سے فیض حاصل کرنے کی اہلیت نہ تھی۔ لہٰذا اس امر کو پورا کرنے کے واسطے خلقت شعاع آفتاب کی ضرورت داعی ہوئی۔

پس اب فیض آفتاب حاصل کرنے کے لئے آفتاب کے پاس جانے اور درخواست کرنے کی ضرورت اشیاء عوالم کو ہرگز نہیں بلکہ آفتاب کی شعاع سے توصل پیدا کرنے کی ضرورت ہے جس شئی نے ادھر آفتاب کی شعاع سے توصل پیدا کیا اُدھر فیض آفتاب سے مستفیض و مستفید ہونا جاری ہو گیا۔ اور جب کسی شئی نے شعاع آفتاب سے توصل قطع کیا فوراً فیض آفتاب سے محروم ہو گیا۔ فتدبر فیہ انہ دلیل واضح۔

(۲) اور یہ بھی ظاہراً ثابت ہے کہ شعاع آفتاب آفتاب سے کسی حال میں کسی وقت بھی جدا اور علیحدہ نہیں ہوتیں ہمیشہ ہر وقت آفتاب سے وابستہ ہیں ایک آن کے لئے بھی آفتاب اور اس کی شعاع میں علیحدگی نہیں ہوسکتی یہ امر ناممکن و محال ابدی ہے۔ پس اسی طرح آفتاب الٰہیتہ کی شعاعوں کا حال ہے۔

(۳) اور یہ بھی ثابت ہے کہ شعاع آفتاب عین آفتاب ہرگز ہرگز نہیں اور نہ ہی آفتاب سے علیحدہ کوئی چیز ہیں بلکہ آفتاب کی نورانیت اور فیض کا ثبوت ہیں پس شعاع کے بغیر وجود آفتاب ہی تسلیم نہیں ہوسکتا۔ یہی شعاع ہی اس کو آفتاب متواتی اور ثابت کرتی ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو آفتاب قطعاً آفتاب نہیں مانا جاسکتا۔ آفتاب کی معرفت انہی شعاع سے ہوسکتی ہے اور ان شعاع کی معرفت ہی آفتاب کی معرفت ہے اور یہی شعاع آفتاب کے اثر اور فیض کو ظاہر کرتی ہیں۔

(۴) جب سے آفتاب کو آفتاب تسلیم کیا جائیگا۔ تب سے ہی شعاع آفتاب کو تسلیم کرنا لازمی ہوگا کیونکہ آفتاب کو آفتاب یہی شعاعیں ثابت کرتی ہیں کہ آفتاب کا آفتاب ہونا انہی شعاعوں کے وجود پر منحصر ہے

(۵) آفتاب کی شعاعوں کا نقص یا کہ عجز ثابت کرنا یا کہ تسلیم کرنا خود آفتاب کا نقص اور عجز ثابت ہوگا۔ کیونکہ آفتاب کی شعاعیں اپنا ذاتی اثر نہیں ظاہر کرتیں بلکہ جو کچھ آفتاب میں ہے اسی کو ظاہر کرتی ہیں اور نہ ہی آفتاب کی شعاعیں کسی غیر آفتاب سے اثر لیتی ہیں اور نہ ہی غیر آفتاب سے متصل و منفصل ہوتی ہیں اور نہ ہی یہ شعاعیں آفتاب ہوتی ہیں اور نہ ہی غیر آفتاب ہوتی ہیں اور نہ

ہی ان کا اثر اور فیض غیر آفتاب میں شمار ہوتا ہے اور نہ ہی کیا جا سکتا ہے اسی وجہ سے ان کو آفتاب کہا بھی جاتا ہے اور مانا جاتا ہے اور ان شعاع آفتاب کو آفتاب کہہ دینے سے آفتاب کا انکار لازم و ثابت نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی اس سے شعاع آفتاب کا انکار لازم آتا ہے۔ جب یہ مسلمہ امر ہے کہ خدا کی صفات کا اظہار بغیر وجود مظہر محال ہے تو جملہ اوصاف الٰہیہ کمالیہ، جلالیہ وجمالیہ کلیہ کے لئے مظہر کامل واکمل کی ضرورت ہے۔ جو تمام اوصاف الٰہیہ کا مظہر اکمل ہو اس صورت میں اوصاف الٰہیہ اور اس مظہر اکمل واکمل تر کے وجود اقدس کا تعلق آفتاب اور اس کی شعاعوں کی مانند ہونا لازمی ہے۔ یعنی اوصاف الٰہیہ اور وجود مظہر اوصاف الٰہیہ کا اتصال وانفصال اسی طرح ہونا لازمی ہے جس طرح آفتاب اور اس کی شعاعوں کا اتصال وانفصال ہوتا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ اوصاف الٰہیہ اور ان مظہر اوصاف کے درمیان جدائی وتفریق محال ابدی و ناممکن ہے کیونکہ بغیر مظہر اوصاف الٰہیہ کے اوصاف الٰہیہ کا ظہور نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے خطبہ میں جو طارق کے نام سے مشہور ہے جس میں آپ نے طارق کو مخاطب رکھا تھا جو کافی طویل ہے اس کے چند جملے کتاب صراط السوی مصنفہ علامہ سید محمد سبطین مرحوم اعلی اللہ مقامہ سے نقل کرتے ہیں جس سے بیان سابقہ کی تائید اور فوائد معرفت مزید حاصل ہونگے

عن طارق بن شہاب عن امیر المومنین علی علیہ السلام انہ قال یا طارق الامام کلمۃ اللہ و حجۃ اللہ و

وجه الله وحجاب الله وآية الله۔۔۔ ويلبس الهيبة وعلم الضمير ويطلع الغيب ويرىٰ بين المشرق والمغرب فلا يخفى عليه شئ من عالم الملك والملكوت ويعطى منطق الطير عند ولايته ۔۔۔۔ مفزع العباد فى الدواهى والحاكم الامر والنهى مهيمن الله على الخلائق وامينه على الحقائق ۔۔۔۔ مطلع على المغيوب ظاهره امر لا يملك وباطنه غيب لا يدرك ۔۔۔ فمن ذا ينال معرفتنا اويعرف درجتنا اويشهد كرامتنا اويدرك منزلتنا حارت الالباب والعقول وتاهت الافهام فيما اقول وا تصاغرت العظماء وتقاصرت العلماء وكلّت الشعراء وخرست البلغاء ولكنت الخطباء وعجزت الفصحاء وتواضعت الارض والسماء عن وصف شان الاولياء وهل يعرف اويوصف اويعلم اويفهم اويدرك او يملك من هو شعاع جلال الكبرياء وشرف الارض والسماء جلّ مقام آل محمد عن وصف الواصفين و نعت الناعتين وان لا يقاس بهم احد العلمين۔

طارق بن شہاب نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا اے طارق امام کلمہ وجودیہ الٰہیہ حجت خدا وجہ اللہ نور خداوند عالم حجاب اکبر الٰہی اور آیت خدائی ہوتا ہے۔۔۔ اور وہ لباس ہیبت وجلال سے متلبس ہوتا ہے اور دلوں کا بھید جانتا ہے اور غیب پر مطلع ہوتا ہے اور مشرق

سے مغرب تک تمام اشیاء کو دیکھتا ہے اور اس سے عالم ملک و ملکوت ظاہر و باطن کی کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہوتی اور ولایت کے ساتھ پرندوں (یعنی حیوانوں) کی بولی بھی اس کو عطا کر دی جاتی ہے۔

.... ہر ایک مصیبت اور مشکل میں ملجا و ماوٰی جائے پناہ بندگان خدا ہوتا ہے خواہ ظاہر یا غائب ہو اِس عالم میں ہو یا اُس عالم میں ہو ہر مصیبت میں نصرت کرتا ہے اور مشکل میں کام آتا ہے اور مشکلکشاء خلق ہوتا ہے اور من جانب اللہ صاحب حکم امر و نہی الٰہی ہوتا ہے۔ وہی خدا وند عالم کی طرف سے تمام مخلوقات کا محافظ و نگران ہوتا ہے حاکم و مسلط ہوتا ہے وہی جملہ حقائق پر خدا کا امین ہوتا ہے .... اور جملہ اسرار غیب پر مطلع ہوتا ہے اس کی حقیقت ظاہر یہ ایسا امر ہے جس پر کوئی محیط نہیں ہو سکتا اور اس کو نہیں پا سکتا اور باطن امام وہ غیب الٰہی ہے جس کو کوئی ادراک نہیں کر سکتا۔

.... پس کون ہے جو ہماری معرفت حاصل کر سکے یا کہ ہمارے درجہ کو پہچان سکے یا کہ ہماری کرامت کا مشاہدہ کر سکے یا کہ ہماری منزلت کا ادراک کر سکے اس میں عقول حیران ہیں لوگوں کے افہام پریشان ہیں جو کچھ میں نے کہا ہے۔ امام کے مرتبہ کے سامنے بڑے بڑے صاحبانِ عظمت حقیر ہیں۔ اس کے ادراک سے علماء قاصر ہیں شعرا ماند ہیں اور بلغاء و خطباء گونگے و بہرے ہیں اور فصحا عاجز اور زمین و آسمان اور ان کی مخلوق اولیاء اللہ کے ایک وصف کے بیان کرنے سے عاجز ہیں۔ کیا وہ پہچانا جا سکتا ہے یا کہ اس کا وصف بیان کیا جا سکتا ہے یا کہ اس کو معلوم کیا جا سکتا ہے یا کہ اس کو سمجھا جا سکتا

ہے یا کہ اس کا ادراک کیا جا سکتا ہے یا کہ وہ پایا جا سکتا ہے جو خدا کے جلال کی شعاع ہو اور زمین و آسمان کا شرف ہو۔ مقام آلِ محمدؐ اس سے بزرگ و بلند و برتر ہے کہ کوئی وصف کرنے والا ان کی صفت بیان کر سکے یا کہ ان کی نعت و تعریف لکھ سکے یا کہ تمام عوالم میں سے ان کے ساتھ کسی کو قیاس کر سکے۔ (یعنی ان کا ہم مرتبہ کسی کو ثابت کر سکے)۔

اس فرمان امیر المومنین علیہ السلام کے ہر جملہ کی تشریح باعث طوالت ہے صاحبان بصیرت خود اصل اور ترجمہ سے سب کچھ معلوم کر سکتے ہیں۔ ہم صرف ایک جملہ کی بابت عرض کرتے ہیں اور اسی کی وجہ سے نقل بھی کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آپ نے فرمایا ہے ھو شعاع جلال الکبریاء۔ کہ امام اللہ تعٰ کے جلال کی شعاع ہوتا ہے اور اس سے پہلے نقل کیا گیا ہے کہ ہمارا نور خدا کے نور سے اس طرح منفصل ہوتا ہے جس طرح آفتاب سے شعاع آفتاب منفصل ہوتی ہیں۔ دونوں فرمان کا مقصد و مفہوم ایک ہے کہ آئمہ طاہرین علیہم السلام خداوند عالم کے نور اور جلال کی شعاع ہیں۔ جس سے واضح ہے کہ شعاع کبھی اپنے مرکز سے علیحدہ اور الگ نہیں ہوتیں بلکہ ہمیشہ متصل ہی رہتی ہیں۔ پس آفتاب الہیہ اور جلال الہیہ سے شعاع کو کسی طرح کسی وقت میں جدا و علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جس قدر شعاع میں کمی و نقص تسلیم کیا جائیگا وہ اصل مرکز کا ہوگا جس کی یہ شعاع ہیں۔ لہذا مواحدیت یا وہابیت نواز فاضلیت کی یہ حدبندی کہ (ہر شخص اپنی حد کے اندر مشکلکشا ہوتا ہے اپنی حد سے یا ہر وہ خود اپنی مشکل کے حل کے لئے محتاج غیر ہوتا ہے) پس اسی طرح حضرت

علی علیہ السلام بھی اپنی حد کے اندر مشکلکشا ہو سکتے ہیں اپنی حد سے باہر وہ خود محتاج غیر ہیں) - ان دونوں بیانوں کو غور سے دیکھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ یہ دونوں بیان ایک دوسرے کے خلاف ہیں۔ جن میں ایک صحیح اور دوسرا غلط ہے۔ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم آل محمدؐ خدا کے جلال اور نور کی شعاعیں ہیں - اور ہمارے فاضل کہتے ہیں کہ حضرت علیؑ اپنی حد تک مشکل کشا ہیں حد سے باہر وہ خود محتاج غیر ہیں -

پس شعاع اور مرکز شعاع یعنی جلال و نور خدا میں فصل وفاصلہ وجدائی محال و ناممکن ہے۔ اور حد بندی کا مقام جدائی و فصل اور فاصلہ کو پیدا و ثابت کرتا ہے جس سے دونوں کا اختلاف ظاہر ہے۔ کہ حد کا مقام بغیر فصل اور علیحدگی کے پیدا ہی نہیں ہو سکتا۔ اور حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہمارے اور خدا کے درمیان سورج کی شعاعوں کے مطابق توصل ہے کبھی انقطاع انفصال نہیں ہوتا اور فاضلین کا بیان ہے کہ وہ اپنی حد رکھتے حد سے بالا امور میں وہ محتاج غیر ہیں جس سے انقطاع و انفصال علیحدگی و جدائی لازم آتی ہے پس فاضلین کی تصدیق سے حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کی تکذیب ہوتی ہے لہٰذا ہم مامور اور مجبور ہیں کہ اپنے ایمان بلکہ ایمان کل اور ولی اللہ الاعظم صدیق اکبر کی تصدیق کریں۔ اور فاضلین کی تکذیب کریں اور شدید تکذیب کریں انشاء اللہ تا دم آخر کرینگے -ہمارے بعض فاضلین نے ایک اور سبق بھی یاد کیا ہوا ہے وہ فرمایا کرتے ہیں کہ یہ سب ٹھیک ہے ہم بھی جانتے اور مانتے

ہیں لیکن اس سے حضرات معصومین علیہم السلام سے طلب امداد کا جواز نہیں ثابت ہو سکتا"۔

معلوم نہیں ان کی اس منطق "سب ٹھیک ہے تا آخر" کا مطلب کیا ہے اور وہ کس قسم کا جواز چاہتے ہیں جب یہ تسلیم ہے کہ یہ نور آفتاب الہیہ اور جلال الہیہ کی شعاعیں ہیں تو پھر نور آفتاب الہیہ اور جلال الہیہ سے فیض حاصل کرنے کے لئے ان شعاعوں کے علاوہ کس طرح حاصل کریں گے۔ خداوند عالم نے اپنے فیض کو عام مخلوقات تک پہنچانے کے واسطے ان شعاعوں کو وجود دیا ہے۔ تاکہ تمام مخلوق میری شعاع سے تمسک و توصل و توسل پیدا کر کے میرے فیض سے فیضیاب ہوں۔ جس طرح سورج کا فیض حاصل کرنے کے لئے اس کی شعاع سے تعلق و توصل و توسل پیدا کیا جاتا ہے۔ اسی تعلق اور توصل و توسل کا نام طلب فیض اور طلب امداد نہیں تو اور کیا ہے۔ حسی قاعدہ ہے کہ جس کسی کو فیض آفتاب کی ضرورت ہوتی ہے وہ فوراً اس کی شعاع میں چلا جاتا ہے اور اس کا فیض پانے لگتا ہے۔ اور جب کوئی اس کی شعاع سے ہٹ گیا علیحدہ ہوا فیض آفتاب سے محروم ہو گیا۔

نتیجہ | شعاع آفتاب سے ہٹ کر علیحدہ ہو کر ہزاروں قسم کی دعائیں التجائیں کرے کہ اے آفتاب اپنی شعاع و کرنوں کے واسطہ و وسیلہ سے مجھے سردی سے بچایا کہ میرا کپڑا خشک کر دے وغیرہ کچھ کبھی نہ ہو گا اور قطعاً نہ ہو گا اور جب اس کی شعاع میں جا کر بیٹھ گیا فوراً فیض جاری ہو گیا اور بغیر طلب و دعا کے جاری ہو گیا۔ یہی طریقہ اور

عمل شعاع جلال کبریا اور شعاع آفتاب الہیہ کا ہے اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اس مثال اور بیان سے واضح فرما دیا ہے۔ کہ ذات الہیہ سے فیض حاصل کرنے کا ذریعہ و وسیلہ صرف ہمارے ہی وجود ہیں۔ ہمارے بغیر کسی کو فیض الہیہ نہیں حاصل ہو سکتا۔ کیونکہ ذریعہ فیض رسانی شعاع کو قرار دیا ہے لہذا جلال کبریا کی شعاع سے توصل و توسل پیدا کرنا ہی توحید پرستی ہے کہ وہ اپنی شعاع کے ذریعہ سے پہچانا جا سکتا ہے اور یہی شعاع اس کی پہچان کا سبب ہے اگر یہ شعاع نہ ہوتیں تو پہچانا ہی نہ جا سکتا کوئی اس کو معلوم ہی نہ کر سکتا۔ اسی خطبہ میں آگے چل کر حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں :-

والامام یا طارق بشر ملکی وجسد سماوی و روح قدسی ومقام علی ونور جلی وسر خفی۔ فهو ملکی الذات والٰهی الصفات وزائد الحسنات عالم بالمغیبات خصاً من رب العٰلمین ونصاً من الصادق الامین وهذا کلّهٗ لآل محمد الخ۔

اور اے طارق۔ امام کی بشریت ملکی ہوتی ہے جسمانیت آسمانی یعنی عرشی ہوتی ہے اور امام امر الٰہی اور روح قدس اور بلند مقام اور نور جلی اور بھید و اسرار پوشیدہ ہوتا ہے پس وہ ملکی ملکوتی ذات والا اور خدائی صفات والا ہوتا ہے اور حسنات اس کی بے حد ہوتیں ہیں اور تمام غیبوں کو جانتا ان کا عالم ہوتا ہے۔ ان تمام امور کے لئے رب العالمین کی طرف سے مخصوص کیا جاتا ہے اور رسول خدا صلی اللہ

وآلہ وسلم کی اس کے حق میں نص ہوتی ہے اور یہ سب کچھ آل محمدؐ کے لئے ہی ہے۔

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے اس ارشاد عالیہ سے کس قدر واضح ہے کہ آل محمدؐ کی ذات ملکی ملکوتی ہوتی ہے۔ بیدل لا ملکوت کل شئی میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور آل محمدؐ کو خدا نے اپنی صفات پر خلق فرمایا ہے۔ ان کو خلقتاً اپنی صفات عطا فرما کر مخصوص قرار دیا ہے۔ (یہی خلافت الہیہ ہے)۔

ہمیں تقدس مآب ہوا حدیث یا وہابیت نواز فاضلیت کی توحید پرستی کے جذبہ پر حیرت آتی ہے کہ ان کا تقدس اور فاضلیت ان ارشادات عالیہ سے کیا مراد لیتی ہے۔ جبکہ وہ امیرالمومنین حضرت علی علیہ السلام کے لئے حد قرار دیتی ہے۔ خدائی صفات اور ملکوتی ذات اور شعاع جلال کبریائی اور شعاع آفتاب سرمدی ابدی و ازلی کے لئے کیونکر حد مقرر کی جاسکتی ہے۔ ان حضرات فاضلین کے پاس آل محمدؐ کے لئے حد بندی مقرر کرنے کا کونسا عہدہ ہے۔ عجب گورکھ دھندا ہے۔ نہ معلوم ان حضرات تقدس مآب نے یہ آلہ یا کہ مشین مقیاس الحد کہاں سے خریدی ہے۔ کیا ان ارشادات عالیہ میں اور بیانات سابقہ میں کہیں اس آلہ مقیاس الحد کا ذکر آیا ہے اگر نہیں آیا تو انہوں نے کہاں سے لیا ہے۔ اور اگر انہوں نے یہ ارشادات عالیہ نہیں دیکھے تو اس صورت میں ان کی فاضلیت اور تقدس مجروح و مجہول بلکہ بقول عارف و متبصر (عالم جہول گردد جاہل شود علامہ) میں داخل۔ اور اگر دیکھے ہیں تو کس کے حق میں فرمائے گئے ہیں۔

آل محمدؐ کے سوا ان کا مصداق کون ہے۔ اور اگر دیکھے اور سمجھے بھی ہیں۔ لیکن ان کو غالیوں کی پیداوار جان کر قابل وثوق نہیں جانتے تو اس سے ایک اور رام مشکل کا سامنا کرنا پڑیگا کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

ھلك الاثنان فی محب غال ومفرط قال

کہ میرے بارے میں دو قسم کے لوگ ہلاک ہونگے ایک محب غالی اور دوسرا تفریطی قالی۔

پس اس فرمان سے ثابت ہے کہ غالی اور مفرط قالی یعنی مقصر دونوں ایک شہر میں آباد ہیں۔ ایک ہی فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس لئے غلو اور تقصیر کی حدود قائم کرکے دونوں طرح کے راویوں کی فہرست بنا کر ان کی روایات کو علیحدہ کرکے باقی ماندہ رواۃ واحادیث سے حد آل محمدؐ کو قائم کرنا ہوگا۔ اگر ایسا نہ کریں تو اپنے بیان میں صادق نہ قرار دئے جائینگے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ جس کو وہ غالی قرار دیں وہی عارف ومستبصر حقیقی ہو اور جس کو وہ عارف ومستبصر حقیقی قرار دیں وہی مفرط ومقصر قالی ہو۔ پھر اس کے ساتھ قرآن مجید کی بھی اصلاح کرنی ہوگی۔ کہ اس میں بھی ایسی آیات موجود ہیں جو ان بلند پایہ بیان کی سند ونص ہیں جیسا کہ کچھ گذر چکی ہیں اور کچھ آتی ہیں۔ پس اس وادی میں اترنے والا پورا اہل حدیث یا وہابی منش ثابت ہوگا۔ کیونکہ اس کام کے لئے اس کو وہی طریقہ اختیار کرنا پڑیگا جس کو وہابیت نے ایجاد کیا ہے۔ بلکہ اس سے بڑھ کر ناصبیت سے بھی مدد لینی پڑیگی اس منزل پر پہنچ کر وہ

شیعہ نہ رہیگا بلکہ ھذا من عدوّ ہ میں داخل ہو کر گمراہی کے سمندر میں غرق ہو جائیگا اسی لئے عرض کی جاتی ہے۔ کہ ہماری فاضلیت کو اس سے توبہ کرنی واجب ہے۔ فتفکر و قیہ۔

علامہ مجلسی علیہ الرحمہ و نور اللہ مرقدہٗ نے ہفتم بحار میں محمد بن صدقہ سے روایت کی ہے جس کو اہل بصیرت پر حقیقت روشن ہو جانے کی غرض سے پوری نقل کرتے ہیں جس سے بیانات سابقہ و آمدہ کی تصدیق و تائید ہو جائیگی۔ البرہان جلد ۱۴ مضمون معرفتہ الائمہ بالنورانیہ از مولوی نبی بخش مرحوم مشہدی اعلےٰ اللہ سے نقل کی جاتی ہے:۔

"عن محمد بن صدقہ قال سئل ابوذر الغفاری عن سلمان الفارسی رضی اللہ عنہما یا ابا عبد اللہ ما معرفۃ امیر المومنین علی علیہ السلام بالنورانیۃ قال یا جندب فامض بنا حتی نسئلہ عن ذالک قال فاتیناہ فلم نجدہ قال فانتظرناہ حتیٰ جاء قال صلوات اللہ علیہ ما جاء بکما قالا جئناک یا امیر المومنین نسئلک عن معرفتک بالنورانیہ قال صلوات اللہ علیہ مرحبا بکما من ولیین متعاھدین لدینہ لستما بمقصرین لعمری ان ذالک لواجب علےٰ کل مومن و مومنۃ ثم قال صلوات اللہ علیہ یا سلمان و یا جندب قالا لبیک یا امیر المومنین قال انہ لا یستکمل احد الایمان حتیٰ یعرفنی کنہ معرفتی بالنورانیۃ فاذا عرفنی بھذہ المعرفۃ فقد امتحن اللہ قلبہ للایمان و شرح صدرہ للاسلام و صار عارفاً

مستبصرا او من قصر عن معرفة فهو شاك ومرتاب
يا سلمان ويا جندب قالا لبيك يا امير المومنين صلوات
الله عليك قال معرفتي بالنورانية معرفة الله عز وجل
ومعرفة الله عز وجل معرفتي بالنورانية وهو الدين
الخالص قال الله تعالى وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين
له الدين حنفا ويقيموا الصلوة ويؤتوا الزكوة ذالك
الدين القيمة يقول ما امروا الا بنبوة محمد وهو الدين
الحنيفة المحمدية السمحة وقوله ويقيموا الصلوة فمن
اقام ولايتي فقد اقام الصلوة واقامة ولايتي صعب
مستصعب لا يحتمله الا ملك مقرب او نبي مرسل
او مومن امتحن الله قلبه للايمان فالملك اذا لم
يكن مقربا لم يحتمله والنبي اذا لم يكن مرسلا لم
يحتمله والمومن اذا لم يكن ممتحنا لم يحتمله قلت
يا امير المومنين من المومن وما نهايته وما حده حتى
اعرفه قال يا ابا عبد الله قلت لبيك يا اخا رسول الله
قال المومن الممتحن هو الذي لا يرد من امرنا اليه
شيء الا شرح صدره لقبوله ولم يشك ولم يرتد
اعلم يا سلمان انا عبد الله عز وجل وخليفته على
عباده لا تجعلونا اربابا ... وقولوا في فضلنا ما شئتم
فانكم لن تبلغوا كنه ما فينا ولا نهايته فان الله عز وجل
قد اعطانا اكبر واعظم مما يصفه واصفكم او يخطر

علی قلب احد کم اذا عرفتمونا هکذا فانتم المومنون قال سلمان قلت یا اخا رسول الله و من اقام الصلوٰة اقام ولایتك قال نعم یا سلمان و تصدیق قوله تعالیٰ فی الکتاب العزیز و استعینوا بالصبر و الصلوٰة و انها لکبیرة الا علی الخاشعین - فالصبر رسول الله و الصلوٰة اقام ولایتی فمنها قال الله تع و انها لکبیرة و لم یقل و انهما لکبیرة لان الولایة لکبیرة حملها الا علی الخاشعین و الخاشعون هم الشیعة المستبصرون و ذالك لان اهل الاقاویل من المرجیئة و القدریة و الخوارج و غیرهم من الناصبیة یقرون لمحمد و لیس بینهم خلاف و هم مختلفون فی ولایتی منکرون لذالك جاحدون بها و هم الذین وصفهم الله فی کتابه العزیز فقال انها لکبیرة الا علی الخاشعین و قال الله تع فی موضع اخر فی کتابه العزیز فی نبوة محمد و ولایتی فقال عزوجل و بئر معطلة و قصر مشید فالقصر محمد صلی الله علیه و اله وسلم و البئر معطلة و لایتی عطلوها و جاحدوها و لم یقر ولایتی لم ینفعه الاقرار نبوة محمد لانهما مقرونان و ذالك ان النبی نبی مرسل و هو امام الخلق و علی من بعده امام الخلق و وصی محمد کما قال النبی یا علی انت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبی بعدی و اولنا محمد و اوسطنا محمد و اخرنا محمد و کلنا محمد فمن استکمل معرفتی فهو علی الدین.

القیم کما قال اللہ تعہ و ذالک دین القیم و سابین ذالک
بعون اللہ و التوفیقہ یا سلمان و یا جندب قالا لبیک
یا امیر المومنین صلوات اللہ علیک قال کنت انا و محمد
نوراً واحد من نور اللہ عز و جل فامر اللہ تبارک و
تعالیٰ ذالک النور ان یشق فقال للنصف کن محمد
و قال للنصف کن علیاً فمنھا قال رسول اللہ علی منی
و انا من علی و لا یودی عنی الا علی و قد وجہ اول یہ براتہ
علے مکہ فنزل جبریل فقال یا محمد قال لبیک قال ان
اللہ یامرک ان تؤدیہا انت او رجل منک فوجھنی فی
استردادہ فردتہ فوجد فی نفسہ و قال یا رسول اللہ
أنزل فی القرآن قال لا و لکن لا یودی الا انا و علی
یا سلمان یا جندب قال لبیک یا اخا رسول اللہ قال
من لا یصلح لحمل صحیفہ یؤدیہا عن رسول اللہ کیف
یصلح للامامۃ یا سلمان و یا جندب فانا و رسول اللہ
نور واحد صار رسول اللہ محمد و صرت انا وصیہ المرتضیٰ
و صار محمداً الناطق و صرت انا الصامت و انہ لا بد فی کل
عصر من الاعصار ان یکون فیہ ناطق و صامت یا سلمان
صار محمد المنذر و صرت انا الھادی و ذالک قولہ تعہ
انما انت منذر و لکل قوم ھاد فرسول اللہ المنذر و
انا الھادی اللہ یعلم ما تحمل کل انثیٰ و ما تغیض الارحام
و ما تزداد و کل شئی عندہ بمقدار عالم الغیب و

الشهادة الكبير المتعال سواء منكم من اسر القول ومن
جهر به ومن هو مستخف بالليل وسارب بالنهار له معقبات
من بين يديه ومن خلفه يحفظونه من امر الله قال فضرب
بيده على الاخر وقال صار محمد صاحب الجمع وصرت
انا صاحب النشر وصار محمد صاحب الجنة وصرت انا
صاحب النار اقول لها خذي هذا وذري هذا وصار
محمد صاحب الرجفة وصرت انا صاحب الهداة وانا
صاحب اللوح المحفوظ الهمني عز وجل علم ما فيه - نعم
یاسلمان ویا جندب صار محمد يٰسين والقرآن الحكيم
وصرت انا ن والقلم وصار محمد طٰهٰ وما انزلنا عليك
القرآن لتشقىٰ وصار محمد صاحب الدلالات وصرت انا صاحب
المعجزات والايات وصار محمد خاتم النبيين وصرت انا
خاتم الوصيين وانا صراط المستقيم وانا النباء العظيم
الذي هم فيه مختلفون ولا احد اختلف الا في ولايتي
وصار محمد صاحب الدعوت وصرت صاحب السيف وصار
محمد نبياً مرسلاً وصرت انا امر النبي صلى الله عليه و آله وسلم
قال عز وجل يلقي الروح من امره على من يشاء من عباده
وهو روح الله لا يعطيه ولا يلقیٰ هذا الروح الا على ملك
مقرب او نبي مرسل او وصي منتجب فمن اعطاه الله هذا
الروح فقد ابانه من الناس وفوض اليه القدرة واحی الموتیٰ
وعلم بها ما كان وما يكون وسار من من المشرق الى

المغرب ومن المغرب الى المشرق فى لحظة عين وعلم
ما فى الضمائر والقلوب وعلم ما فى السمٰوات والارض
يا سلمان ويا جندب وصار محمد الذكر الذى قال الله
عز وجل قد انزل اليكم ذكراً رسولاً يتلو عليكم آيات الله
وانى اعطيت علم المنايا والبلايا وفصل الخطاب و
استودعت علم القرآن وما هو كائن الى يوم القيمة
ومحمد اقام الحجة للناس وصرت انا حجة الله عز وجل
وجعل الله لى ما لم يجعل الله لاحد من الاولين والآخرين
لا لنبى مرسل ولا لملك مقرب يا سلمان وجندب
قال لبيك يا امير المومنين قال انا الذى حملت نوحاً
فى السفينة بامر ربى وانا الذى اخرجت يونس من بطن
حوت بامر ربى وانا جاوزت بموسىٰ بن عمران البحر
بامر ربى وانا الذى اخرجت ابراهيم من النار باذن
ربى وانا الذى اجرت انهارها وفجرت عيونها و
غرست اشجارها باذن ربى وانا عذاب يوم الظلة و
انا المنادى من مكان قريب قد سمعه الثقلان الجن
والانس فهمه قوم انى لاسمع كل قوم الجبارين والمنافقين
بلغاتهم وانا الخضر عالم موسىٰ وانا معلم سليمان بن
داؤد وانا ذوالقرنين وانا قدرت الله عز وجل يا سلمان
وجندب انا محمد ومحمد انا وانا من محمد ومحمد منى قال الله
تعالیٰ مرج البحرين يلتقيان بينهما برزخ لا يبغيان يا

سلمان وجندب قالا لبيك يا اميرالمومنين قال ان ميتنا لم
يمت وغائبنا لم يغب وان قتلانا لم يقتلوا يا سلمان ويا
جندب قالا لبيك يا اميرالمومنين صلوات الله عليك
قال انا امير كل مومن ومومنة ممن مضى وممن بقي و
ايدت بروح العظمة وانما انا عبد من عبيد الله لا
تسمونا ارباباً وقولوا في فضلنا ما شئتم فانكم لن تبلغوا
من كنه فضلنا ما جعله الله لنا ولا معشار العشر لانا
ايات الله ودلائله وحجج الله وخلفائه وامناء الله و
ائمته ووجه الله وعين الله ولسان الله بنا يعذب
عباده وبنا يثيب ومن بين خلقه طهرنا واختارنا و
اصطفانا ولو قال قائل لم وكيف وفيم الكفر واشرك
لانه لا يسئل عما يفعل وهم يسئلون يا سلمان يا جندب
قالا لبيك يا اميرالمومنين صلوات الله عليك قال من
آمن بما قلت وصدق بما بينت وفسرت وشرحت واو
ضحت ونورت وبرهنت فهو مومن ممتحن امتحن الله قلبه
للايمان وشرح صدره للاسلام وهو عارف مستبصر قد
انتهى وكمل وبلغ ومن شك وعند وجحد ووقف وتحير
وارتاب فهو مقصر وناصب يا سلمان ويا جندب قالا
لبيك يا اميرالمومنين صلوات الله عليك قال انا احيي
وامیت باذن ربي وانبئكم بما تاكلون وتدخرون في
بيوتكم باذن ربي وانا اعلم بضمائر قلوبكم والائمة من

بعدی علیهما السلام یعلمون ویفعلون هذا اذا حیراو
امرادو الا ناکلنا واحد اولنا محمد واخرنا محمد واوسطنا
محمد وکلّنا محمد فلا تفرقوا بیننا ونحن اذا شئنا شاء
الله واذا کرہ هنا کرہ الله الویل کل الویل لمن انکر
فضلنا وخصوصیتنا وما اعطانا الله ربنا لان من انکر
شئیا مما اعطانا الله فقد انکر قدرۃ الله عزوجل و
مشیئته فینا - یاسلمان ویا جندب قالا لبیک یا امیر
المومنین صلوات الله علیک قال اعطانا الله ربنا
ما اجل واعظم من هذا کله قلنا یا امیرالمومنین ما
الذی اعطاکم ما هو اعظم واجلّ من هذا کله قال
قد اعطانا ربّنا عزوجل علمنا الاسم الاعظم الذی
لوشئنا خرقنا السموات والارض والجنۃ والنار ونعرج
به السماء ونهبط به الارض ونغرب ونشرق وننتهی
به العرش فنجلس علیه بین یدی الله تعالے ویطیعنا
کل شئ حتی السمٰوات والارض والشمس والقمر والنجوم
والجبال والشجر والدواب والبحار والجنۃ والنار اعطانا
الله ذالک کله بالاسم الاعظم الذی علمنا وخصنا به
ومع هذا کله ناکل ونشرب ونمشی فی الاسواق ونعمل
هذہ الاشیاء بامر ربنا ونحن عباد الله المکرمون
الذین لایسبقونه بالقول وهم بامرہٖ یعملون وجعلنا
معصومیین مطهرین وفضلنا علے کثیر من عبادہٖ المومنین

فنحن نقول الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ وحقت کلمۃ العذاب علے الکافرین اعنی الجاھدین بکل ما اعطانا اللہ من الفضل والاحسان یاسلمان ویا جندب فھذا معرفتی بالنورانیۃ فتمسک بھا راشداً فانہ لا یبلغ احد من شیعتنا حد الاستبصار حتی یعرفنی بالنورانیہ فاذا عرفنی بھا کان مستبصراً بالغاً کاملاً قد غاص بحراً من العلم وارتقی درجۃ من الفضل واطلع علے سرٍ من اسرار اللہ ومکنون خزائنہ۔

مولوی نبی بخش مرحوم کا ترجمہ یہ ہے :-

"جناب علامہ محمد باقر مجلسی علیہ الرحمہ اپنی کتاب بحار الانوار کی ساتویں جلد میں لکھتے ہیں کہ محمد بن صدقہ نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابوذر غفاری نے حضرت سلمان علیہ الرحمہ سے سوال کیا کہ اے ابا عبد اللہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی معرفت بالنورانیت کیا ہے حضرت سلمان نے کہا کہ اے جندب آؤ چلیں حضرت کی خدمت میں اور خود انہیں سے سوال کریں کہ یا حضرت آپ کی معرفت بالنورانیت کیا ہے پس دونوں صاحب آپ کے در اقدس پر حاضر ہوئے۔ لیکن اتفاق سے حضرت کو نہ پایا۔ پس انتظار میں بیٹھے یہاں تک کہ حضرت تشریف لائے پس حضرت نے فرمایا کہو کیا چیز تم کو اس وقت یہاں لائی ہے وہ کہتے ہیں ہم نے عرض کی یا امیر المومنین ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ حضور سے آپ کی معرفت بالنورانیت کا سوال کریں کہ وہ کیا ہے۔ یہ سن کر

حضرت نے فرمایا کہ مرحبا ہو تم کو کہ تم دونوں آپس میں دینی دوست ہو اور اپنے دین کی تکمیل میں ہمیشہ ساعی ہو پس تم ہرگز ہرگز مقصر نہیں ہو پس حضرت نے فرمایا کہ مجھے اپنی زندگانی کی قسم کہ ہماری معرفت بالنورانیت البتہ ہر مومن اور مومنہ پر واجب ہے کہ اس کو حاصل کرلے بعد ازاں ارشاد فرمایا کہ اے سلمان و اے جندب ہم نے عرض کیا لبیک یا امیر المومنین پس فرمایا کہ بالتحقیق کسی کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک وہ ہم کو ہماری نورانیت کی کنہ کے ساتھ نہ پہچانے اور جب وہ شخص ہم کو ہماری نورانیت کی حقیقت کے ساتھ پہچانتا ہے پس بالتحقیق کہ خدا نے اس کے قلب کا امتحان ایمان کی خاطر کرلیا ہے اور اس وقت اس کے سینہ کو اسلام کی خاطر کھول دیتا ہے پس وہ عارفین اور مستبصرین میں داخل ہو جاتا ہے اور جو شخص ہماری معرفت بالنورانیت کی تحصیل میں کوتاہی کرتا ہے۔ پس وہ شکی و مرتاب ہے اس کا ایمان ناقص ہے پس فرمایا اے سلمان و اے جندب ہم نے عرض کیا لبیک یا امیر المومنین فرمایا ہماری معرفت بالنورانیت خدا کی معرفت اور خدا کی معرفت ہماری معرفت بالنورانیت ہے اور وہی دین خالص ہے جس کی نسبت خدا فرماتا ہے کہ ان کو نہیں حکم دیا گیا مگر یہ کہ خدا کی عبادت کریں درآں حالیکہ خالص کریں۔ اس کے لئے دین کو سچے دل سے اور برپا کریں نماز کو اور دیں زکوٰۃ کو پس یہ دین قیم ہے پس مطلب خدا کا اس سے یہ ہے کہ نہیں امر کیا گیا ہے ان کو مگر یہ کہ ایمان لائیں محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت پر پس وہ دین محمدیہ حنفیہ آسان اور سہل ہے

اور اقامہ نماز سے خدا کا یہ مطلب ہے کہ میری ولایت کو قائم کریں۔
پس جس شخص نے میری ولایت کو برپا کیا اس نے نماز کو برپا کیا لیکن
میری ولایت کا برپا کرنا ایک نہایت مشکل کام ہے کہ نہیں برپا کر
سکتا اس کو مگر فرشتہ مقرب بارگاہ جلیل یا نبی مرسل یا مومن کامل
الایمان پس اگر فرشتہ مقرب بارگاہ رب العزت نہیں ہے تو ہرگز
میری ولایت کا متحمل نہیں ہو سکیگا اور اسی طرح اگر نبی مرسل
نہیں ہے تو وہ بھی متحمل نہ ہو سکیگا اور یہی حال ہے مومن کا کہ اگر
اس کا ایمان کامل نہیں ہے تو وہ بھی ہرگز متحمل نہیں ہوگا سلمان
کہتے ہیں تب میں نے عرض کیا یا امیرالمومنین مومن کون ہے اس
کی کیا تعریف ہے تاکہ میں اس کو پہچان سکوں پس فرمایا اے اباعبد
اللہ میں نے عرض کیا لبیک یا اخا رسول اللہ پس فرمایا کہ مومن کامل
وہ شخص ہے کہ اس کو جب ہمارا کوئی حکم پہنچے تو فوراً اس کو خوشی
سے قبول کرے ہرگز چوں وچرا نہ کرے اور ذرہ برابر شک نہ کرے،
اور رد نہ کرے پھر فرمایا تم کو معلوم ہو اے سلمان میں خدا کا بندہ ہوں
اور اس کا خلیفہ ہوں اس کے بندوں پر پس تم ہم کو اپنا رب مت
بتاؤ یعنی ہم کو ہی خدا مت سمجھو اور اس کے سوا جو چاہو ہماری تعریف
و توصیف کرو پھر بھی تم ہماری اصل حقیقت کو درک نہیں کر سکو گے
اس لئے کہ خدائے متعال نے ہم کو وہ کچھ دیا ہے کہ کوئی واصف اور
مداح ہماری پوری تعریف اور توصیف اور مدح نہیں کر سکتا ہم سب
کی تعریف اور توصیف سے اعلے اور افضل ہیں حتیٰ کہ ہم کو
خدائے بزرگ نے وہ مرتبہ و مقام عطا کیا ہے جو کسی کے وہم و گمان

ہیں نہیں آسکتا پس جب تم ہم کو اس طرح پہچانو گے اس وقت تمہارا ایمان کامل ہوگا اور تم مومن ہو گے۔

سلمانؓ کہتے ہیں میں نے عرض کیا یا اخا رسول اللہؐ آیا جو شخص نماز کو برپا کرتا ہے وہ آپ کی ولایت کو برپا کرتا ہے فرمایا ہاں اے سلمان ایسا ہی ہے اور اس بات کی تصدیق خدا کا وہ قول ہے اس کی کتاب میں یعنی استعانت چاہو صبر اور صلوات سے لیکن وہ ایک نہایت بزرگ اور مشکل چیز ہے مگر خاشعین کے لئے پس مراد اس آیت میں صبر سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور مراد صلوٰۃ سے میری ولایت کا برپا کرنا ہے پس اسی لئے خدائے علیم وحکیم نے کہا ہے کہ وہ ایک نہایت مشکل کام ہے اور نہیں کہا کہ وہ دونوں مشکل ہیں اس لئے کہ میری ولایت کا متحمل ہونا سخت کام ہے نہ کہ نبوت پیغمبرؐ کا مگر خاشعین کے لئے آسان ہے کہ خاشعین سے مراد ہمارے وہ شیعہ ہیں جو مستبصر ہیں اور یہ اس طرح سے ہے کہ مختلف مذہب کے لوگ یعنی مرجیہ قدریہ خارجی ناصبی سب کے سب حضرت رسولؐ کی نبوت کا اقرار کرتے ہیں اور آپس میں شیر وشکر کی طرح ملے جلے رہتے ہیں لیکن یہ سب میری ولایت کے دشمن ہیں کہ جہاں ان کو معلوم ہوا کہ فلاں شخص مجھ کو اچھا جانتا ہے پس اس کے جانی اور مالی دشمن بن جاتے ہیں حالانکہ وہ بھی نبوت محمدؐ کا قائل ہے لیکن ان کو اس سے بحث نہیں ہے ان کو تو میری ولایت سے دشمنی ہے کوئی یہودی ہو کوئی نصاریٰ ہو مشرک ہو بت پرست ہو لا مذہب ہو یہ لوگ سب کے دوست ہیں مگر ہماری ولایت ان کے لئے وبال

جان ہے کہ اس کے سخت ترین دشمن ہیں بس بہت تھوڑے لوگ میری
ولایت کے قائل ہیں اور وہ وہ لوگ ہیں کہ خدائے متعال نے اپنی کتاب
میں ان کی تعریف و توصیف میں فرمایا ہے کہ وہ ولایت ایک سخت
مشکل ہے مگر خاشعین پر پس ان کی تعریف لفظ خاشعین سے فرمائی
ہے - اسی طرح دوسرے مقام میں خدائے متعال نبوت محمدؐ اور میری
ولایت کے متعلق فرماتا ہے بہت سے چاہ یعنی کنوئیں ہیں کہ ان کو
معطل کر دیا گیا ہے یعنی ان سے پانی نہیں نکالا جاتا ہے اور قصر مشید
یعنی عمارت پختہ کو مزین کیا جاتا ہے پس اس آیت میں قصر مشید سے مراد
وجود پیغمبرؐ ہے اور بئر معطلہ سے مراد میری ولایت ہے کہ اس کو
معطل کر دیا گیا ہے - اور اس سے بکلیتہ" انکار ہے حالانکہ جو شخص میری
ولایت کا اقرار نہیں کریگا اس کو محمدؐ کی نبوت کے اقرار سے کوئی فائدہ
حاصل نہیں ہوگا - آگاہ اور خبردار ہو جاؤ اے بندگان خدا کہ محمدؐ
کی نبوت اور میری ولایت دونوں ایک دوسری سے وصل اور مربوط
ہیں یہ اس لئے کہ حضرت نبیؐ نبی مرسل و امام الخلائق ہیں اور میں ان
کے بعد ان کا وصی اور امام الخلائق ہوں چنانچہ خود خاتم الانبیا صلی
اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اس بات کو ظاہر فرمایا ہے - اے علیؑ تو مجھ سے
مانند ہارونؑ کے موسٰے سے ہے یعنی جس طرح سے حضرت موسٰے کا وصی
اور نائب اور قائمقام اور خلیفہ ہارون تھے اسی طرح تو میرا وصی
اور نائب اور قائمقام اور خلیفہ ہے البتہ حضرت موسٰے کے بعد نبوت
ختم نہیں ہوئی تھی اس واسطے وہ نبی بھی تھے لیکن میرے بعد نبوت
ختم ہو گئی ہے - پس تو نبی نہیں جیسا کہ ہارون نبی تھے پس نبوت

کے سوا اور تمام صفات میں ہم ایک دوسرے سے مساوی ہیں اس لئے کہ ہمارا اول محمدؐ ہے اور ہمارا آخر محمدؐ ہے اور ہمارا درمیانی محمدؐ ہے پس ہم سب ہی محمدؐ ہیں۔

پس جو شخص میری معرفت اس طرح حاصل کر لیتا ہے اس نے دین قیم کو حاصل کر لیا یعنی دین صحیح جو خدا کے نزدیک دین ہے جس پر ثواب دیا جائیگا جیسا کہ خدا فرماتا ہے یہی ہے دین قیم اور عنقریب میں اس کو خدا کی تائید و توفیق سے تمہارے لئے بیان کرونگا اے سلمان و اے جندب ہم نے عرض کیا لبیک یا امیرالمومنین صلوٰۃ وسلامہ علیک پس فرمایا کہ تم کو معلوم ہو کہ ابتدا میں میں اور محمدؐ ایک ہی نور تھے خدائے بزرگ و برتر کے نور سے پس خدائے تعالیٰ نے امر فرمایا اس نور کو کہ دو حصے ہو جائے پس وہ نور دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ پس ایک حصہ کو فرمایا کہ ہو جا محمدؐ اور دوسرے حصہ کو کہ فرمایا ہو جا علیؑ پس اسی سے حضرت رسولؐ نے فرمایا ہے کہ علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں۔ اور نہیں پہنچائیگا میرے دین و میری شریعت کو میری طرف سے کوئی شخص مگر علیؑ۔ غور کرو۔ اول کو سورہ برات دے کر مکہ کو روانہ کیا کہ وہاں جا کر میری طرف سے مشرکین کو پڑھ کر سنا دے۔ پس جبرئیل امین رب جلیل سے نازل ہوئے اور کہا یا محمدؐ کہا لبیک پس جبرئیل نے عرض کی کہ خدائے متعال بعد درود وسلام کے ارشاد فرماتا ہے کہ ان کو واپس بلا لو اس لئے کہ ہماری رسالت کو تم خود پہنچاؤ یا وہ شخص پہنچائے جو تم میں سے ہو دوسرے کو ہرگز اس امر کے لئے مت مامور کرو۔ پس حضرت رسولؐ

نے مجھ کو ان کے لوٹانے کے لئے روانہ کیا پس میں نے جا کر ان کو لوٹا
دیا اس بات سے ان کے دل میں خیالات پیدا ہوئے اور کہا کہ یا رسولؐ
اللہ کیا قرآن میں کوئی حکم نازل ہوا ہے جس کی وجہ سے آپ نے مجھے
واپس بلالیا ہے فرمایا نہیں۔ لیکن مجھے حکم ہوا ہے کہ میری رسالت کو
تم خود پہنچاؤ یا وہ شخص پہنچائے جو تجھ سے ہو۔ اے سلمان واے جندبؓ
ہم نے عرض کیا لبیک یا اخا رسول اللہ پس فرمایا دیکھو غور کرو کہ
جو شخص ایک صحیفہ پہنچانے کا حقدار نہیں ہے کہ اس کو رسولؐ کی طرف
سے پڑھ کر سنادے۔ پس وہ کیونکر حقدار اور لائق ہو سکتا ہے کہ
بعد رسولؐ ان کا خلیفہ بن کر تمام دین پہنچائے ... اے سلمان و
اے جندب پس میں اور رسولؐ اللہ دونوں ایک نور ہیں پس رسول
اللہ محمدؐ مصطفےٰ ہو گئے اور میں ان کا وصی علی مرتضےٰ ہوا اور محمدؐ ناطق
ہوئے اور میں صامت ہوا اسی واسطے ہر زمانہ میں ایک ناطق اور
ایک صامت کا موجود ہونا ضروری ہے اے سلمان محمد منذر ہوئے
اور میں ہادی ہوا یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا کہ خدا فرماتا ہے۔
انما انت منذر و لکل قوم ھاد یعنی اے رسولؐ تو ڈرانے والا
ہے اور ہر قوم کے لئے ایک ہادی ہے۔ پس رسول صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم منذر ہیں اور میں ہادی ہوں اور اللہ ہر شے کو بہتر جانتا ہے وہ
جانتا ہے کہ شکم مادر میں کیا ہے۔ اور کس شے کو شکم میں کم کرتے
ہیں۔ اور کیا چیز ان میں بڑھتی ہے اور ہر شے اس کے پاس اندازے
کے ساتھ ہے وہی عالم الغیب ہے اور وہی عالم شہادت ہے بزرگ
و برتر ہے اس کے نزدیک مساوی ہے خواہ تم میں سے کوئی شخص کسی

بات کو چھپائے یا ظاہر کرے وہ سب کو جانتا ہے اور کوئی شخص اس سے پوشیدہ نہیں ہو سکتا خواہ رات میں چھپ کر چلے یا دن میں ظاہر ہو کر اور ہر شخص کے ہمراہ اس نے دو محافظ لگا دیئے ہیں ایک آگے کی طرف سے ایک پیچھے کی طرف سے جو خدا کے حکم کے مطابق اس کی حفاظت کرتے ہیں تاکہ اپنی آخری عمر کو پہنچے سلمان کہتے ہیں کہ تب حضرتؑ نے اپنے دست مبارک کو دوسرے ہاتھ پر مار کر فرمایا اے سلمان ہو گئے محمدؐ صاحب جمع اور میں صاحب نشر ہو گیا ہوئے محمدؐ صاحب جنت اور ہوا میں صاحب جہنم میں روز قیامت جہنم کے پاس کھڑا ہوا اس کو حکم دونگا کہ پکڑ لے اے جہنم اس شخص کو کہ یہ میرا مخالف تھا اور چھوڑ دے اس کو یہ میرا محب تھا دنیا میں اور ہوئے محمد صاحب زلزلہ اور ہوا میں صاحب جھٹکا اور میں ہوں صاحب لوح محفوظ خدائے منان نے تمام علوم جو اس میں ہیں مجھے الھام فرمائے ہیں۔

ہاں اے سلمان ہوئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یٰسین اور قرآن حکیم اور ہوا میں ن والقلم اور ہوئے محمد طٰہٰ ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ اور صاحب دلالات اور ہوا میں صاحب معجزات اور صاحب آیات اور ہوئے محمدؐ خاتم النبیین اور ہوا میں خاتم الوصیین اور میں ہوں صراط مستقیم اور میں ہوں نباء عظیم کہ جس میں لوگ اختلاف کرتے ہیں اور نہیں ہے کسی فرقے والے کو دوسرے سے اختلاف مگر میری ولایت میں اختلاف ہے اور ہوئے محمدؐ صاحب دعوت اور ہوا میں صاحب سیف اور ہوئے محمدؐ نبی مرسل اور ہوا میں صاحب امر نہی یعنی خلیفہ فرمایا خدائے متعال نے کہ القا کرتا ہے خدا روح کو

اپنے مقام امری سے جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں سے۔ پس روح امری ایک روح ہے جس کا تعلق براہ راست خدا سے ہے نہیں دیتا اور نہ القا کرتا اس کو مگر ملک مقرب پر یا نبی مرسل پر یا وصی منتخب پر پس جس کو خدائے منان یہ روح القا کرتا ہے تو اس کو تمام لوگوں سے ممتاز بنا دیتا ہے اور اپنی قدرت اس کو دیتا ہے پس وہ شخص اس روح کے ذریعہ سے مردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمام گزشتہ اور آئندہ چیزوں کو جاننے لگتا ہے اور مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک چشم زدن میں سیر کرتا ہے اور جاننے لگتا ہے لوگوں کے دلوں کی باتوں کو اور جو کچھ زمین و آسمان پر ہے اور جو کچھ ان میں ہے سب کو جاننے لگتا ہے۔ اے سلمان و اے جندب ہو گئے محمدؐ وہ ذکر جس کو خدا نے بیان فرمایا ہے کہ نازل کیا ہے اللہ نے تمہاری طرف ذکر کہ جو رسولؐ ہے پس تم پر آیات خدا کو پڑھتا ہے بالتحقیق دیا گیا ہے مجھ کو علم منایا اور بلایا یعنی مخلوقات کی زبان اور ان کے فیصلے اور سونپا گیا ہے مجھ کو قرآن پاک کا علم اور ان تمام چیزوں کا علم جو قیامت تک ہونے والی ہیں۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجت خدا کو مخلوقات میں قائم کیا اور میں خود حجت خدا ہوں اس کی تمام مخلوقات میں اور مجھ کو خدائے منان نے وہ کچھ دیا ہے جو اور کسی کو اولین و آخرین میں سے نہیں دیا نہ کسی نبی مرسل کو اور نہ کسی ملک مقرب کو اے سلمان و اے جندب ہم نے کہا لبیک یا امیر المومنین پس فرمایا آگاہ رہو کہ میں نے نوح کو کشتی میں سوار کیا اپنے پروردگار کے حکم سے یعنی اس طوفان سے

بچایا۔ اور میں نے یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے زندہ اور سلامت نکالا اپنے رب کے حکم سے اور میں نے موسیٰؑ کو دریا سے پار اتارا۔ اور فرعون کو اس میں غرق کیا اپنے رب کے حکم سے اور میں نے ابراہیمؑ کو نمرود کی آگ سے صحیح و سلامت باہر نکالا اپنے رب کے حکم سے اور وہ میں ہی ہوں جس نے رب کے حکم سے روئے زمین پر ندی نالے دریا جاری کئے اور پہاڑوں سے چشمے جاری کئے اور زمین پر ہر طرح کے درخت لگائے اپنے رب کے حکم سے اور وہ میں ہی ہوں جس نے قوم رس پر آسمان سے آگ برسائی اور میں ہی ندا کرونگا جس کو کل جن و انس اس طرح سنیں گے کہ کوئی شخص ان کے پاس کھڑا ہوا ندا کررہا ہے جس کو سن کر سب ہی سمجھیں گے اور میں تمام جباروں اور منافقوں کی زبان جانتا ہوں اور سنتا ہوں اور میں وہ خضر ہوں جس سے موسےٰ تعلیم پانے کو گئے تھے۔ (نہ وہ خضر جو بادشاہ کا فرزند تھا اور آج تک زندہ ہے) اور میں ہی سلیمان بن داؤد کو تعلیم دینے والا ہوں اور میں ذوالقرنین ہوں اور میں ہی خداوند جلیل کی قدرت ہوں۔ (یعنی میں ہی خداوند جلیل کی قدرت کا مظہر ہوں عالم حدوث میں خدا کی قدرت جب بھی ظاہر ہوئی ہے وہ میرے ہی ہاتھوں اور زبان سے ظاہر ہوئی ہے)۔ اے سلمان واے جندب میں محمدؐ ہوں اور محمدؐ میں ہوں اور میں محمدؐ سے ہوں اور محمدؐ مجھ سے ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے مرج البحرین یلتقیان وبینھما برزخ لا یبغیان یعنی خدائے قدیر نے اپنے مقام قدس سے دو دریائے نور و آبحیات جاری فرمائے ہیں جو تمام عوالم سرمدی و دہری اور ملکوتی اور زمانی کو سیراب کرتے ہوئے عالم

زمانی یعنی دنیا میں آکر آپس میں مل جاتے ہیں۔ یعنی حضرت زہرا سلام اللہ علیہا کا عقد حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوات والسلام سے ہو جاتا ہے (تو) یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان۔ ان دونوں کے توسل اور ملاپ سے موتی اور مرجان پیدا ہوتے ہیں یعنی حضرات حسنین علیہما السلام پیدا ہوتے ہیں اور ان کے درمیان وجود پیغمبر ایک پردہ ہے جو دونوں کو مساوی رکھتا ہے زیادتی نہیں کرنے دیتا۔ علیہم السلام۔

اے سلمان و اے جندب ہم نے عرض کیا لبیک یا امیرالمومنین علیہ السلام فرمایا آگاہ رہو کہ ہمارے مرنے والے تمہارے لوگوں کی طرح نہیں۔ وہ مرنے کے بعد بھی زندہ ہیں اور ہمارے غائب تمہارے غائب کی طرح نہیں بلکہ وہ غائب ہونے کے بعد بھی حاضر ہیں۔ ہمارے مقتول تمہارے مقتولوں کی طرح نہیں وہ قتل ہو جانے کے بعد بھی زندہ ہی ہیں۔

اے سلمان و اے جندب ہم نے عرض کیا لبیک یا امیرالمومنین علیہ السلام فرمایا آگاہ رہو۔ کہ میں ہی ہوں حاکم اور امیر تمام مومنین و مومنات کا جو گذر چکے اور موجود ہیں اور جو آنے والے ہیں اور میں ہی روح عظمت سے مؤید ہوں اور اس کے سوا نہیں ہے کہ خدا کے بندوں میں سے میں اس کا ایک بندہ ہوں، تم ہم کو خدا نہ بناؤ اور ہم کو خدا نہ جانو (یعنی خدا کے وجود کے منکر ہو کر ہم کو ہی خدا نہ بنا لو ہم کو خدا کی خلق مان کر) پھر جو چاہو ہم کو کہو جس طرح چاہو ہماری تعریف کرو و توصیف کرو یا لتحقیق کہ تم ہرگز ہرگز ہمارے بعض فضائل کی کنہ کو نہ پہنچو گے بلکہ وہ فضائل جو خدا نے ہمیں عطا فرمائے ہیں ان فضائل کے اعشار میں سے ایک عشر کو بھی نہیں بیان کر سکو گے۔ اس لئے کہ

ہم ہی خدا کی آیات ہیں اور اس کے دلائل و براہنات ہیں اور ہم ہی اس کی حجت اور خلفاء ہیں اور ہم ہی اس کے امین اور امام خلق ہیں اور ہم ہی اس کی وجہ ہیں اور اس کی آنکھ ہیں اور اس کی زبان ہیں اور ہماری وجہ سے خدا بندوں کو عذاب دیتا اور ہماری ہی وجہ سے ثواب دیتا ہے اور خدا نے اپنی تمام مخلوق سے ہم کو طاہر بنایا ہے اور ہم کو اختیار کیا ہے اور ہم کو برگزیدہ کیا ہے۔

پس اگر کوئی شخص یہ کہے کہ خدا نے ایسا کیوں کیا ہے اور کس طرح کیا ہے اور کس میں کیا ہے تو اس نے خدا کا کفر کیا اور اس کے ساتھ شرک کیا اس واسطے کہ خدا سے نہیں پوچھا جا سکتا کہ اس نے ایسا کیوں کیا یا کہ کرتا ہے البتہ لوگوں سے پوچھا جائیگا کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں یا کر چکے ہیں۔ اے سلمان و اے جندب ہم نے عرض کیا لبیک یا امیرالمومنین آپ پر خدا کی صلوات ہو۔ آگاہ ہو کہ جو شخص ایمان لائے میری ان باتوں پر جو میں نے بیان کی ہیں۔ اور تصدیق کرے اس کی جو میں نے واضح کیا ہے اور جو میں نے تفسیر کی ہے اور جو میں نے مشرح بیان کیا ہے جو میں نے خوب وضاحت کیا ہے۔ جو میں نے روشن کیا ہے جو میں دلیل و برہان کے ساتھ بیان کیا ہے پس وہی شخص مومن ممتحن ہے کہ اللہ نے اس کے قلب کا امتحان ایمان کی خاطر کر لیا ہے اور اس کے سینہ کو کشادہ کر دیا ہے اسلام کی خاطر وہ عارف و کامل و مستبصر ہے کہ منتہائے عرفان اور کمال ایمان تک پہنچ گیا ہے اور جو شخص ان باتوں میں شک کرے اور عناد کرے اور انکار کرے یا ٹھہر جائے قبول کرنے سے یا متحیر ہو

جائے کہ ہیں یہ کیا اوصاف ہیں۔ پھر شبہات پیدا کرے تو وہ شخص مقصر ہے یا ناصبی ہے۔ اے سلمان و اے جندب ہم نے عرض کیا۔ لبیک یا امیرالمومنین صلوات اللہ علیک فرمایا آگاہ رہو کہ میں مارتا ہوں اور زندہ کرتا ہوں اپنے رب کے اذن سے اور خبر دیتا ہوں ان چیزوں کی جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو اپنے رب کے اذن سے اور میں جانتا ہوں دلوں کی باتوں کو اور اسی طرح وہ آئمہ جو میری اولاد میں سے ہونگے وہ بھی یہ تمام اوصاف رکھتے ہونگے اور ان تمام کاموں کو کرینگے جب پسند کرینگے جب ارادہ کرینگے اس لئے کہ ہم سب ایک ہیں ہمارا اول محمدؐ ہے ہمارا آخر محمدؐ ہے ہمارا درمیان محمدؐ ہے ہم سب محمد ہیں پس ہرگز ہمارے درمیان فرق مت کرو کہ ایک کو بڑا اور ایک کو چھوٹا خیال کرو ہم وہ ہیں کہ جب ہم کسی بات کو چاہتے ہیں خدا بھی چاہتا ہے۔ جب ہم کسی کو ناپسند کرتے ہیں تو خدا بھی ناپسند کرتا ہے پس ویل اور دوزخ و عذاب ہے اس شخص کے لئے اور کامل ویل و عذاب دوزخ ہے اس کے لئے جو ہمارے فضائل سے انکار کرتا ہے اور ہماری خصوصیات کو عام کرتا ہے ہمارے خطابات کو عام کرتا ہے اس واسطے کہ جو شخص ایک چیز کا بھی انکار کرے جو ہمیں خدا نے دی ہیں تو اس نے خدا کی قدرت اور اس کی مشیّت کا انکار کیا جو اس نے ہم میں جاری کی ہیں۔

اے سلمان و اے جندب ہم نے عرض کیا لبیک یا امیرالمومنین خدا کی طرف سے آپ پر صلوٰت و سلام ہو فرمایا آگاہ رہو کہ خدائے منان نے ہم کو اس سے کہیں زیادہ چیزیں عطا کی ہیں۔

ہم نے عرض کیا امیر المومنینؑ وہ کیا چیز ہے جو خدا نے آپ کو عطا کی ہے کہ وہ ان سب سے اعظم و اجل ہے فرمایا بالتحقیق وہ عطیہ ہمارے پروردگار کا یہ ہے کہ اس نے ہم کو اپنے اسم اعظم کی تعلیم دی ہے۔ اس اسم اعظم کی قوت و اثر سے اگر ہم چاہیں تو زمین و آسمان وجنت و نار کو شگافتہ کریں اور عروج کریں اس کے ذریعہ سے آسمانوں پر اور نازل ہوں زمین پر اور مشرق و مغرب میں جائیں اور اس کے ذریعہ عرش پر پہنچیں اس کے سامنے عرش پر بیٹھیں خدا کے حضور میں اور عالم امکان کی ہر شئی ہماری اطاعت کرے حتیٰ کہ آسمان اور زمینیں اور شمس و قمر اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور حیوانات اور دریا اور جنت اور نار و دوزخ وغیرہ سب کچھ خداوند عالم نے ہم کو اسم اعظم کی تعلیم سے عطا فرمایا ہے جو خاص ہم کو ہی تعلیم فرمایا ہے اور محض ہمارے ساتھ ہی مخصوص فرمایا ہے باوجود ان تمام باتوں کے ہم کھاتے ہیں پیتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں اور ان تمام چیزوں کو ہم اپنے رب کے حکم سے کرتے ہیں اور ہم ہی وہ بندگان خدا مکرم و معزز ہیں جو اپنے قول و فعل سے ہرگز اس پر سبقت نہیں کرتے اور محض اسی کے امر کی اطاعت کرتے ہیں اور ہم کو خدائے منان نے تمام مخلوقات میں معصومین اور مطہرین بنایا ہے اور ہم کو اس نے اپنے بندوں پر فضیلت دی ہے پس ہم کہتے ہیں کہ ہم حمد کرتے ہیں اس ذات پاک کی جس نے ہم کو ہدایت کی ہے ان باتوں کی اور ممکن نہیں تھا کہ ہم ان باتوں کی ہدایت حاصل کرتے اگر خدا ہم کو ہدایت نہ کرتا اور ثابت ہوگیا کلمہ عذاب کا فرین پر یعنی ان لوگوں پر جو ہماری ان

فضیلتوں سے انکار کرتے ہیں۔

اے سلمان واے جندب پس یہ ہے ہماری معرفت بالنورانیت پس تم کو لازم ہے کہ اس سے تمسک کرو اس وقت تم ہدایت یافتہ ہوگے بالتحقیق ہمارے شیعوں میں سے کوئی بھی حد استبصار تک نہیں پہنچیگا جب تک کہ وہ ہم کو اس نورانیت کے ساتھ نہیں پہچانیگا پس جب اُس نے ہماری معرفت بالنورانیت حاصل کرلی تو وہ مستبصر ہو جاتا ہے اور ایمان کے اعلےٰ درجہ پر پہنچ جاتا ہے اور بحر زخار علوم الٰہیہ میں غوطہ لگاتا ہے۔ اور فضل و کمال کے اعلےٰ درجہ پر فائز ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اسرار پر مطلع ہو جاتا ہے۔ اور اس کے خزانہ مکنون سے مالامال ہو جاتا ہے۔"

اللّٰھم اجعلنی منھم بحق محمد وآل محمد انک علےٰ کل شی قدیر و بالاجابتہ جدیر (دالابد) اللّٰھم صل علےٰ محمد وآل محمد بعدد ذرات مخلوقاتک و مصنوعاتک وعدد ما کان و ما یکون و ما ہو کائن من الازل۔

ہمارے تقدس مآب و تقدس پرست و حامیان توحید پرست فضلاء و علماء کو اس فرمان امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو باغور تدبر مطالعہ کرنا چاہئیے اور اس سے سبق حاصل کرنا چاہئیے۔ اس میں غور و فکر کر کے بتائیں کہ ان کے قیاسی شبہات و شکوک میں سے کس شبہ و شکوک کا جواب اس فرمان میں موجود نہیں ہے۔ وہ کونسا امر ہے جو اس میں حل نہیں کیا گیا وہ کونسی بات ہے جس کا بیان نہیں کیا گیا یا کہ بلا دلیل و برہان بیان فرمایا گیا ہو اور کس چیز کو

با دلیل و برہان و نص و سند نہیں بیان فرمایا اور کس چیز کی دلیل و برہان کو غلط استعمال یا کہ بیان فرمایا گیا ہے۔

(۱) اس میں توحید ہے اور عظمت توحید ہے اور علم توحید ہے۔
اور قدرت توحید ہے اور احکام امر و نواہی ہیں۔

(۲) اس میں نبوت ہے اور عظمت نبوت ہے اور علم و قدرت نبوت ہے اور تعلیم نبوت اور شرع احکام الہیہ ہے۔

(۳) اس میں امامت ہے اور عظمت امامت ہے اور علم و قدرت امامت ہے اور تعلیم امامت ہے اور فروعات کی تائید ہے۔ اس میں حد توحید ہے حد نبوت و امامت ہے حد نورانیت و روحانیت ہے اور نورانیت نفوس طاہرہ ہے اور نورانیت جسمانیت طاہرہ ہے۔ افعال توحید ہیں افعال نبوت و امامت ہیں اوصاف وحدانیت اور اوصاف نبوت و امامت ہیں۔ ذات احدیت کے اوصاف کمالیہ جلالیہ و جمالیہ کلیہ کا بھی ذکر ہے اور اوصاف الہیہ کے مظاہر ین طاہرین کا بھی ذکر ہے اور مظاہر الاسماء حسنیٰ کے خلق ہونے کا بھی ذکر ہے اور ان کے مخلوق ہونے کا بھی ثبوت ہے اور ان اوصاف کے حامل ہو کر اشیاء کے خالق ہونے کا بھی ذکر اور ثبوت ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اگر یہ مظاہر اسماء حسنہ ان اوصاف کا اظہار بصورت عمل نہ کر سکیں تو ان کا مظہر اوصاف ہونا عبث اور امر باطل ہے لہٰذا اس خیال باطل کو باطل کرنے کے واسطے اپنے افعال کا ذکر فرما کر ثابت کر دیا کہ ہم یہ افعال اس کے اذن اور امر کے تحت کرتے رہتے ہیں۔ اور اس میں اذن و امر کی بھی تشریح ہے کہ مظہر اوصاف ہونا اور مظہریت اوصاف

کا عہدہ ملتا ہی اذن اور امر ہے۔ اس میں طلب امداد کا جواز بھی ہے اور ضرورت طلب امداد بھی ہے۔ اور بوقت ضرورت طلب امداد نہ کرنے سے لزوم کفر بھی ہے اور اس میں حد غلو بھی ہے اور حد معرفت و استبصار بھی ہے اور حد تقصیر و مقصریت بھی ہے اور حد ناصبیت بھی ہے غرضیکہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کا ذکر نہ ہو۔ ایسی جامع العلوم کلام کو غالیوں کی طرف منسوب کرنا مقصریت اور ناصبیت کا عملی ثبوت نہیں تو اور کیا ہے۔ تدبر و تفکر کی ضرورت ہے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کی کلام کی معرفت رکھنے والے حضرات جانتے ہیں کہ ہمارے گیارہ آئمہ پاک نے بھی (کلام الامیر امیر الکلام) کا لحاظ رکھتے ہوئے کوئی ایسا خطبہ نہیں انشا فرمایا جو حضرت امیر المومنین نے ارشاد فرمائے۔ پھر عوام اہل عرب کو ایسی قادر الکلامی کہاں سے حاصل ہو گئی تھی جو ان ارشادات امیر المومنین علیہ السلام کو ان سے منسوب کیا جائے۔ یہ تو وہی بات ہے جو عوام نے مشہور کر رکھی ہے کہ نہج البلاغہ حضرت علی علیہ السلام کا کلام نہیں یہ تو سید رضی کا کلام ہے جن کی غلط بیانی مشہور و معروف ہے تو پھر کسبی فاضلیت کے جرموں کی کیا قدرت ہے کہ وہ موہبتی علوم کے حالات اور عالم انوار کے واقعات کا انکشاف کر سکیں اور ان کے لئے الفاظ وضع کر سکیں۔ (ایں خیال است و محال است و جنوں)

ہماری مقدس فاضلیت جو غیر کی مقلد ہو کر حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے لئے حدود قائم کرتی ہے۔ اور اس حد کے اندر ان سے طلب امداد کی قائل ہے اس پر سوال کرتے ہیں کہ وہ روح القدس جس کو خدا روح القدس فرماتا ہے اور جس کو الروح من امرہٖ اور روحًا من امرنا فرماتا

ہے جو مخصوصاً محمدؐ و آل محمد علیہم السلام سے متعلق ہے ان کے سوا اور کسی کو نہیں عطا فرمائی گئی۔ اس کی روحانیت و نورانیت کی حد مقرر کریں پھر اس کے بعد اس روح کو اسم اعظم کی تعلیم سے جو قدرت عطا فرمائی گئی ہے اس کی حد مقرر کر کے دکھائیں اور قرآن و حدیث سے دکھائیں نہ کہ قیاس سے پھر اسم اعظم کے اثر اور قدرت کے بالمقابل مخلوقات کی ان حاجات کو دکھائیں جن کو اسم اعظم کی قدرت و طاقت حل نہیں کر سکتی اور عاجز مانی جا سکتی ہے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

پس یہ مقام فاضلیت کے قیاس بلکہ وہم و گمان و خطور سے بھی باہر ہے اور قطعاً باہر ہے اور اس مقام پر جس عجز کو ثابت کرینگے۔ وہ اسم اعظم کا عجز ثابت ہوگا۔ اور اسم اعظم کا عجز صاحب اسم کے عجز کو لازم و حاوی ہوگا۔ جو ذات احدیث کے نقص اور عجز کو مستلزم ہوگا وہی باطل صریحاً اعتراض کی نیت سے نہیں بلکہ اصلاح فی مابین کے خیال سے صرف چار آیات قرآن کو پیش کرتے ہیں۔ فاضلین و ناظرین حضرات اپنے اپنے خیال کے مطابق خود فیصلہ کریں۔ لیکن ان سے قبل دو آیات اقرار و معرفت ولایت میں عرض کر کے پھر ان آیات کو پیش کرتے ہیں۔

(۱) وانی لغفار لمن تاب وامن وعمل صالحاً ثم اهتدیٰ[لے] $\frac{۱۶}{۱۳}$ - ترجمہ:- اور میں ضرور ہی اس کو بخش دونگا جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کئے پھر ہدایت حاصل کی۔

اس فرمان الٰہیہ میں توبہ اور ایمان اور اعمال صالحہ کو ایک حرف عطف سے بیان فرمایا گیا ہے اور اهتدیٰ کے لئے حرف عطف دوسرا

لے ملاحظہ ہو صفحہ ۲۲۲ و صفحہ ۱۹۲ کتاب ہذا۔

بیان ہوا ہے جو اھتدٰی کی اہمیت اور حقیقت کو سابقہ امور سے اہم اور علیحدہ ثابت کرتا ہے۔ اھتدٰی ہدایت پانے کو کہتے ہیں۔ جب تک اس ہدایت کو نہ پائے حاصل نہ کرے سابقہ امور پر عمل کرنے والا شرطیہ مغفرت میں نہیں آسکتا اور یہ بھی ثابت ہے کہ یہ ہدایت توبہ اور ایمان اور اعمال صالحہ سے حاصل نہیں ہوتی اسی واسطے حرف عطف کو بدلا گیا ہے۔ اور اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ سابقہ امور کو چھوڑ کر صرف اھتدٰی کو پانے والا بھی شرطیہ مغفرت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

پس مغفرت کا تعلق اھتدٰی سے ہے توبہ و ایمان اور اعمال صالحہ شرط مغفرت میں داخل نہیں کرسکتے اجر و بدلہ و عوضہ دلائینگے۔
ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین ۱۱/۱۲ یا بتحقیق اللہ نیک اعمال کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ پس توبہ و ایمان اور نیک اعمال کا عوض و بدلا ضرور ہوگا۔ لیکن ان سے شرط مغفرت حاصل نہ ہوگی وہ اھتدٰی پر موقوف ہے۔ مغفرت کو اھتدٰی سے وابستہ فرمایا گیا ہے۔ جس کے بغیر مغفرت حاصل نہ ہوگی اور معصومین علیہم السلام کا فرمان ہے کہ اھتدٰی سے مراد ہماری ولایت اور اس کی معرفت ہے۔ جب تک ہماری ولایت کی معرفت حاصل نہ کریگا۔ اپنے اعمال کا بدلہ پا لیگا۔ لیکن مغفرت نہ پائیگا۔ شرط مغفرت اھتدٰی معرفت ولایت اہلبیت سے وابستہ ہے اور صرف اقرار ولایت معرفت کو مستلزم نہیں ہوتا اقرار اور چیز ہے اور معرفت اور چیز ہے۔ اسی امر کی تائید میں خداوند عالم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔
قد انزل اللہ الیکم ذکراً رسولاً یتلوا علیکم اٰیات اللہ

مبینٰت لیخرج الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت من الظلمات الی النور ۲۸/۱۸

بے شک اللہ نے تمہاری طرف ذکر کو نازل کیا ہے جو رسول ہے تم پر خدا کی آیات ظاہرہ کو پڑھتا ہے۔ تا کہ ان آیات کی سند سے ایمان لانے والوں اور اعمال صالحہ کرنے والوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کے پاس لے جائے یا کہ لے آئے۔ اس فرمان خداوند عالم میں چند امور کا ثبوت ملتا ہے۔

(۱) اوّل یہ ہے کہ رسول نازل کیا گیا ہے (۲) دوسرا یہ ہے کہ وہ رسول ذکر ہے (۳) تیسرا یہ ہے کہ وہ خدا کی آیات ظاہرہ کو پڑھتا ہے (۴) چوتھا یہ ہے کہ ان آیات کو اس لئے پڑھتا ہے کہ ان کی مدد اور سند سے مومنین صالحین کو اندھیروں سے نکالے (۵) پانچواں یہ ہے کہ یہ مومنین صالحین ہو کر بھی اندھیروں میں ہوتے ہیں (۶) چھٹا یہ ہے کہ یہ اندھیرے ان مومنین صالحین پر موثر اور محیط ہوتے ہیں (۷) ساتواں یہ ہے کہ ان اندھیروں کے اثر کو زائل اور احاطہ کو توڑنے کے واسطے خدا نے قرآن میں آیات نازل کی ہوئی ہیں (۸) آٹھواں یہ ہے کہ یہ آیات ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرانے والی آیات کے علاوہ ہیں (۹) نانواں یہ ہے کہ ان آیات کے بغیر ایمان لانے اور اعمال صالحہ کرانے والی آیات ان اندھیروں سے نہیں نکال سکتیں (۱۰) دسواں یہ ہے کہ یہ آیات نور کی معرفت اور اندھیروں کی مذمت میں نازل ہوئی ہیں (۱۱) گیارھواں یہ ہے کہ ایمان اور اعمال صالحہ تک رہ جانا خدا کے نزدیک ممدوح نہیں جس سے نجات نہیں حاصل ہو سکتی (۱۲) بارھواں یہ ہے کہ جب

ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کر کے اس نور کی معرفت نورانیہ حاصل کرے تو پھر مستحق جنت ہو جاتا ہے۔ جس کا ذکر آیت کے آخری حصہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔

پس حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے بیان مذکورہ سابقہ کو اسی آیت کے مطابق ارشاد فرمایا ہے۔ لہٰذا اس بیان اور اس آیت کو نحالیوں سے منسوب کرنا اپنے مقصر ہونے کی دلیل ہے اور یہ بھی ظلمات کا جز ہے۔ کہ ظلمات کی تقلید و تائید ہی مستبصر ہونے سے روکتی ہے۔ اور یہی امر ان آیات سے ثابت ہے جو اعمال کی جانچ اور پڑتال اور میزان میں بیان ہوئی ہے۔

(۱) والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمان ماء حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئا $\frac{18}{11}$

(۲) وجوہ یومئذ خاشعۃ عاملۃ ناصبۃ تصلی نارا حامیۃ $\frac{30}{13}$

(۳) وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنہ ھباء منثورا $\frac{19}{1}$

(۴) قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا اولئک الذین کفروا بایات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا $\frac{16}{3}$

پہلی آیت میں کفار کے اعمال کو سراب سے نسبت دی ہے جو ایک دھوکہ نظر ہوتا ہے۔ اصلیت کچھ نہیں ہوتی کہ کفار کے اعمالِ نیک

صرف دکھلاوا ہی ہوتے ہیں ۔جن کی قیمت کچھ نہیں ہوتی ۔

دوسری آیت میں ان کا ذکر ہے جن کے اعمال ہی جہنم کی آگ بن جاتے ہیں جس قدر وہ اعمال میں محنت کرتے ہیں وہی محنت ان کے لئے جہنم کی سختی کا باعث بنتی جاتی ہے ۔

تیسری آیت میں ان کا ذکر ہے جن کے اعمال بروز محشر اعمال کے خاکہ وڈھانچا دنمونہ میں پیش ہونگے ۔لیکن جن ارادوں اور خیالوں اور حالوں کے تحت کئے گئے ہونگے ان کے مطابق ان اعمال کے جب اجزا کئے جائینگے تو وہ اعمال ایک غبار کی صورت میں تبدیل ہوجائینگے ان کی ہوبہو صورت کبھی قائم نہ رہیگی ۔وہ بکھرے ہوئے ذرات وغبار میں تبدیل ہوجائینگے ۔

چوتھی آیت میں ان کا ذکر ہے ۔جن کے اعمال اپنی عملی صورت میں ہی ہونگے ۔نماز نماز کی صورت میں ہوگی روزہ روزہ کی صورت میں ہوگا علےٰ ہذا القیاس لیکن پھر بھی وہ لوگ خسارہ میں ہونگے ان کے اعمال نیک ان کو اس خسارہ سے نہ نکال سکینگے اور یہ وہ لوگ ہونگے جن کی زندگی اسی کوشش وسعی میں گزری ہوگی یعنی انہوں نے اعمال میں کبھی کوتاہی وسستی نہ کی ہوگی پوری عمر اسی کوشش میں صرف کردی ہوگی اور اسی خیال اور اعتقاد پر قائم ہیں کہ ہم ہی صحیح عمل کرنے والے ہیں ۔ اور ہم ہی اعمال صالحہ وخیر کی تعلیم دینے والے ہیں ۔لیکن یہی لوگ خدا کی آیات اور اس کی ملاقات سے انکاری ہیں ۔اس لئے ان کے اعمال حبط وبیکار ہوجائینگے جن کا بروز محشر کوئی وزن اور کوئی وقعت وقدر وقیمت نہ ہوگی ۔اس آیت کا یہ جملہ کہ ایسی لوگ خدا کی آیات اور ملاقات

سے انکاری ہیں) قابل غور ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ یہ ان کافروں کا ذکر نہیں جن کے حق میں پہلی آیت آئی ہے لہذا یہ انکار آیات و ملاقات اس قسم کا نہیں ہے بلکہ ان کا انکار آیات و ملاقات اور قسم کا ہے۔ آیت سے مراد جس طرح وجود نبی و امام ہے اسی طرح اعجاز نبی و امام بھی مراد ہے۔ اور اسی طرح آیات قرآن بھی مراد ہیں۔ لہذا آیات کا انکار ان ہر سہ قسم یا دو قسم یا ایک قسم کا مراد ہے۔ اس مقام پر وہ آیات بھی مراد ہیں جن کا ذکر رسول خدا کی تلاوت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ آیات ظاہرہ کو پڑھ کر ان کی نص سے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کے پاس لاتا ہے اور ملاقات سے مراد خود وجود نور اور اس کی معرفت ہے۔ یعنی جن آیات کو خدا نے معرفت نور میں نازل فرمایا ہے۔ ان سے اس نور کی معرفت حاصل نہ کرنا بلکہ ان آیات کا کچھ اور مطلب لینا مترادف انکار ہوتا ہے۔ لہذا ان کو آیات کا انکار ہی کہا گیا ہے اور نور سے مراد وجود امام ہے اور خدا کی ملاقات بغیر امام کے نہیں ہوگی (یوم ندعوا کل اناس بامامھم ۱۷/۷۱) جس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے امام کے ساتھ حاضر ہونے کو بلائیں گے اور امام کے حق میں فرمایا ہے وکل شیٔ احصیناہ فی امام مبین ۳۶/۱۲ قرآن کی ان آیات میں جس امام کا ذکر اس کا انکار ان آیات اور خدا کی ملاقات اس امام کے بغیر کسی اور امام کے ساتھ کرنا ملاقات کا انکار ہے۔ اسی طرح معرفت امام جس کو نور کہا گیا ہے حاصل نہ کرنا بھی انکار امام میں داخل ہے مثلاً امام میں ہر شیٔ کے احصا کو اس طرح نہ سمجھنا جس طرح خدا نے کیا ہے بلکہ کسی اور طریق سے سمجھنا بھی منافی معرفت ہے یہیں امام کو منشاء الٰہی

کے مطابق امام سمجھا اور پہچانا جائے تو اقرار ہے ورنہ انکار ہے۔ مثلاً امام کے لئے اذن الٰہیہ کی مصنوعی و قیاسی صورتیں تلاش کرنا اور امام کے لئے حدود قائم کرنا اور قیاس سے مقرر کرنا اور امام کے بیانات و فرمائشات کو غلط اور غالیوں کے بیان تسلیم و نشر کرنا ۔ اور اسی قسم کی اور باتیں انکار میں ہی داخل ہیں پس آیات متذکرۃ الصدر میں نور سے مراد امام اور اس کی معرفت بالنورانیہ ہے اور اندھیروں سے مراد انکار امام اور اس کی نورانیت کی معرفت کا انکار اور اس کے قادر ہونے کی طاقت کا انکار ہے۔

تقلید کی زنجیر ایسی بری ہوتی ہے کہ وہ ٹوٹنے میں آتی ہی نہیں اور نہ کسی دلیل کو قبول کرنے دیتی - جب تک مقلد صاحب تقلید نہ تسلیم کرے اسی کا نام اندھی تقلید ہے - گویا مقلد کے نزدیک کل علم اسی وجود میں بند ہے جس کی وہ تقلید کرتا - اس لئے ایسے حضرات کو کوئی امر منوانا تسلیم کرانا کسی کے بس کی بات نہیں جب خداوند عالم ہی اپنے خلیفہ کو ابلیس سے نہ منوا سکا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیات خدا کو پڑھ کر نہ منوا سکے تو ہم کس باغ کی مولی ہیں۔

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا مشہور بات ہے - ہاں بفضل خدا کلام خدا سے دلیل پیش کر دینگے جس سے زبان ضرور بند ہو جائیگی - تسلیم کریں نہ کریں۔

یہاں تک تو "جماعت مواحدہ" المشہور وہابیت کے مقلدین شیعہ حضرات سے خطاب تھا - اب دو جملے اصل "جماعت مواحدہ" یا

وہابیت کے لئے عرض کئے جاتے ہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔

وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی $\frac{9}{16}$

اور نہیں پھینکی تو نے مٹھی خاک جبکہ تو نے پھینکی تھی۔ لیکن وہ اللہ نے پھینکی تھی۔

اس آیہ مبارکہ میں خداوند عالم نے ایک عمل اور واقعہ کی خبر دی ہے۔ اس خبر میں ایک عمل کو خدا نے دو طرف نسبت دی ہے ایک رسولؐ کی طرف اور دوسرا اپنی ذات اقدس کی طرف۔ ایک عمل کے دو عامل بیان فرمائے ہیں اور بیان فرمانے والا خداوند عالم ہے جو اصدق الصادقین ہے۔ جو تمام سچ بولنے والوں سے زیادہ سچا ہے۔ لہذا "جماعت مواحدہ" یا کہ وہابیت اور اس کے مقلدین سے سوال ہے وہ جواب دیں۔

(۱) بھلا یہ ہے کہ کنکریاں پھینکنے کا عمل رسول خدا کے ہاتھ نے کیا تھا یا کہ خدا کے ہاتھ نے کیا تھا۔ اگر ایک کے ہاتھ کا تسلیم کرو گے تو خدا کی تکذیب ہو گی جو کفر ہے۔ اور اگر دونوں کے ہاتھ کا تسلیم کرو گے تو اشتراک عمل پیدا ہو گا اس کی عملی صورت کیا ہو گی۔ اس سے آپ کی توحید پرستی ثابت نہ ہو گی کہ وحدت اپنے عمل میں محتاج غیر ثابت ہو گی جس سے اللہ کے عمل میں غیر اللہ کو شریک ماننا پڑیگا۔

اور اگر رسولؐ کی طرف نسبت دو گے تو بشر کے عمل میں خالق بشر بے مثل و بے مثال قادر مطلق کو شریک مانو گے یہ بھی آپ کی توحید پرستی کے خلاف ہو گا۔ لہذا اس آیت میں بیان کردہ عمل کی اصلی صورت کیا تھی اور اس کو قرآن سے ثابت کریں نہ کہ اپنے قیاس سے۔

(۲۲) اگر تاریخ کے بیان کے مطابق اس عمل کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف منسوب کرو۔ تو یہ بتاؤ کہ اس عمل کی رسولؐ خدا نے خدا سے اجازت طلب کی تھی یا اذن حاصل کیا تھا۔ اور اس کی منظوری کے لئے جبرئیلؑ نازل ہوئے تھے اس کا ثبوت کیا ہے۔ اور اگر آپ نے اذن حاصل نہ کیا تھا تو بلا اذن فعل بشر کو خدا نے اپنی طرف کس بنا پر منسوب فرمایا ہے۔ ھاتوا برھانکم الخ

پس آیت میں ذرا سے تدبر سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس ارشاد سے خدا کی مصلحت اور منشا یہ ہے کہ لوگ میرے رسولؐ کو بشریت کے تحت نہ دیکھیں۔ بلکہ میری رسالت میرے رسولؐ ہونے کے تحت دیکھیں۔

وما محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین [۲۳/۲]

اور محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کا بھی باپ نہیں۔ لیکن اللہ کا رسولؐ اور نبیوں کو ختم کرنے والا ہے۔

پس رسولؐ کا ہر فعل خدا کی رسالت پر ہوتا ہے کہ وہ اللہ کا رسولؐ ہے۔ جب رسول کا ہر فعل خدا کی رسالت ہو تو وہ فعل خدا کا فعل ہوگا۔ کیونکہ رسالت کا مقصد ہی یہی ہوتا ہے کہ رسولؐ اپنے ہر فعل سے رسالت کو ادا کرے اگر ایسا نہ ہو تو رسالت بیکار ہو جاتی ہے اور یہ نہیں معلوم ہو سکتا کہ رسول کا اپنا ذاتی و نفسی فعل کونسا ہے۔ اور رسالت یعنی رسول بنا کر بھیجنے والے کا کونسا ہے اس صورت میں مقصد رسالت ختم ہو جاتا ہے۔ اسی واسطے ہی خدا نے فرمایا ہے۔

کہ میرے رسول کے ہاتھ کا فعل خود میرا فعل ہے۔ رسولؐ کا ذاتی اور نفسی فعل نہیں بلکہ اس کے ہاتھ کا فعل میرا فعل ہے کہ رسول میرا ہاتھ ہے اس کا ہر فعل میری رسالت پر مبنی ہے لہذا میرا فعل ہے۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ رسولؐ کی کنکریاں پھینکنا میرا عمل ہے (ولکن اللہ رمیٰ) نص ہے کہ رسول کا ہر فعل خدا کا فعل ہوتا ہے اسی امر کو دوسری جگہ زیادہ صاف بیان فرمایا ہے۔

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم ۲۶/۹ بے شک جو لوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں سوائے اس کے نہیں کہ وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔

اس جگہ مقصد کو کس قدر واضح فرمایا گیا ہے اور کلمہ حصر سے محصور کر کے واضح فرمایا گیا ہے کہ رسولؐ کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ۔ بلکہ رسولؐ کا وجود ہی اللہ کا ہاتھ ہے کیونکہ خدا نے رسالت سارے وجود کو عطا فرمائی ہے نہ صرف ہاتھ کو اس لئے ہی رسولؐ کا ہر فعل خدا کا فعل ہے اگر ایسا نہیں ہے تو امر رسالت بیکار ہو جاتا ہے۔ اگر جماعت مواحدہ یعنی وہابیت اور اس کی مقلد فاضلین کو قبول نہ ہو تو وہ ان آیات کا مقصد بتائیں۔ خیال رہے کہ کلام خدا کی اصلاح کرنے کا کسی کنویں کے مینڈک کو حق نہیں۔ خواہ عربی ہو کہ عجمی ہو۔ یہاں خدا نے صاف فرما دیا ہے کہ رسول میرا ہاتھ ہے۔ یہ قابل اصلاح و تاویل نہیں پس رسولؐ خدا ہر حال میں خدا کے رسول ہیں خواہ دنیا میں آنے سے قبل ہوں۔

یا کہ دنیا میں ہوں یا کہ دنیا سے چلے جانے کے بعد ہوں ۔ میثاق النبیین سے ثابت ہے کہ اس وقت بھی رسولؐ تھے اور دنیا میں بھی رسولؐ تھے اور دنیا سے چلے جانے کے بعد آج بھی رسولؐ ہیں جو ان کو رسول نہ مانیں وہ ان کا کلمہ چھوڑ دیں پس کلمہ توحید کے ساتھ کلمہ رسالت کا پڑھنا دو باتوں کا ثبوت ہے ایک خدا کی طرح دائمی زندگی کا اور دوسرا ان کی رسالت کلیہ کا لہذا وہ جس طرح دنیا میں رسولؐ تھے اسی طرح دنیا میں آنے سے قبل اور دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی رسولؐ ہیں وہ ہر مقام اور ہر وقت ہر زمانہ میں خدا کے رسولؐ ہیں۔ لہذا اسی طرح وہ خدا کا ہاتھ بھی ہیں اور ہر جگہ ہیں اس کا انکار صریحاً ان کی رسالت کا انکار ہے ۔ اور اس وقت قرآن کے منکروں سے بحث نہیں کہ اس کا یہ محل نہیں وہ علیحدہ بحث ہے ۔ جاحد انہ انکار کا جواب نہیں ہوتا ۔ پس جب یہ ثابت ہے کہ رسول خداؐ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے تو اب اس آیت کی طرف توجہ فرمائیں ۔

قالت الیھود ید اللہ مغلولۃ غلت ایدیھم ولعنت بما قالوا بل یداہ مبسوطتان ینفق کیف یشاء $\frac{6}{13}$ ۔

اور یہودی جماعت کے لوگ کہتے ہیں کہ خدا کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ۔ بندھ جائیں ان کے ہاتھ اور اس کہنے کی وجہ سے ان پر لعنت ہو بلکہ خدا کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں جس طرح چاہتا ہے ان سے انفاق کرتا ہے ۔

پس اس آیت میں یہودیوں نے دو جھوٹ بولے ہیں ۔ ایک یہ کہ خدا کا ہاتھ ایک ہے ۔ اور دوسرا یہ کہ وہ ہاتھ بندھا ہوا ہے ۔

خداوند عالم نے ان کے دونوں جھوٹوں کی رد فرمائی ہے کہ میرا ایک ہاتھ نہیں بلکہ دو ہاتھ ہیں اور دو سے زیادہ بھی نہیں صرف دو ہی ہیں اور وہ دونوں کھلے ہیں جن سے خدا انفاق روزی کا کام لیتا ہے یعنی تقسیم و عطا رزق کرتا ہے جس طرح اس کی منشا ہو[1]

بس مواحدیت یا وہابیت اور اس کے مقلد خدا کے ان دو ہاتھوں کا انکار نہیں کر سکتے۔ اگر انکار کریں تو خداوند عالم کے دعویٰ کی رد اور اس آیت کا انکار ہوگا جس سے وہ مسلم ہی نہ رہینگے۔ اور اگر اقرار کرینگے تو وہ خدا کے دو ہاتھ کون ہیں۔ پس جن کو بھی وہ تسلیم کرینگے وہ ان کے اعتراض غیر اللہ میں ہی داخل ہونگے۔ کہ خدا کا جسم نہیں جس سے اس کے جسمانی ہاتھ دکھا سکیں اور یہ بھی ثابت کہ خدا اپنے دونوں ہاتھوں سے عطیہ رزق کا کام لیتا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ جب سے خدا نے عطیہ رزق جاری فرمایا ہے تب سے لیکر جب تک عطیہ رزق جاری رکھیگا۔ تب تک ان دونوں خدا کے ہاتھوں کا وجود ہونا لازمی و واجبی و فرض ہے جس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خدا کے دونوں ہاتھوں کا کل مخلوق سے اول موجود ہونا لازمی و واجبی ہے کہ ادھر مخلوق پیدا ہو ادھر ان کو روزی و رزق ان دو ہاتھوں سے پہنچایا جائے اور جب تک مخلوق موجود رہیگی ان دونوں ہاتھوں کا موجود ہونا لازمی و واجبی ہے۔ نہیں نہیں بلکہ کل مخلوق کے بعد بھی ان دونوں ہاتھوں کا موجود ہونا لازم و واجب ہے جس طرح پہلے موجود ہونا لازم و واجب تھا اسی امر کو خدا نے اس طرح ارشاد فرمایا ہے کہ یہ ہاتھ فنا ہ

[1] ملاحظہ ہو صفحہ ۳۲۲ و صفحہ ۱۸۳ کتاب ہذا

ہلاکت سے ہی نہیں بلکہ صعق اور فزع سے بھی محفوظ رہینگے۔
کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام ۲۷/۱۱
کل شیٔ ھالک الا وجہ ۲۰/۲۱
یہ ہاتھ فنا و ہلاکت سے وجہ رب ہونے کے تحت محفوظ رہینگے۔
اور صعق اور فزع سے ۲۴/۴
ونفخ فی الصور فصعق من فی السمٰوات والارض الا ما شاء اللہ
ویوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السمٰوات والارض الا ما شاء اللہ ۲۰/۳
منشاء الٰہیہ کے تحت محفوظ و مامون رہینگے اسی لئے خدا کے ایک
ہاتھ نے فرمایا تھا انا الذی یمیت الموت کہ میں ہی موت کے فرشتہ
اور موت کو مارنے والا ہوں۔ موت کی موت بھی خدا کے انہی ہاتھوں سے
واقع ہوگی جس کو درندہ کی صورت میں اہل محشر کے سامنے ذبح کر دیا
جائیگا۔ افسوس ہے ہر جملہ کی تشریح کرنا منزل مقصود میں دوری
پیدا کرتا ہے ورنہ شک و شبہ کی گنجائش نہ رہتی۔ پس خداوند عالم
اپنے ہاتھوں سے صرف رزق دینے کا ہی کام نہیں لیتا۔ بلکہ مخلوق کو
پیدا کرنے کا کام بھی انہی ہاتھوں سے لیتا ہے اور یہی خلافت الٰہیہ ہے
یا ابلیس ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی استکبرت
ام کنت من العالین ۱۰۳/۲۳

اے ابلیس تجھے کس نے اس کو سجدہ کرنے سے منع کیا جس کو میں نے
اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا اور بنایا ہے کیا تو نے تکبر کیا ہے یا کہ
تو عالین بلند مرتبہ لوگوں میں سے تھا۔

خداوند عالم نے اپنے اس ارشاد میں اپنے انہیں دو ہاتھوں کا ذکر فرمایا

ہے جن سے آدم کو پیدا کیا تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت آدم کی خلقت ما بقیہ مخلوق سے بلند مرتبہ تھی کہ آدم خلیفۃ اللہ خلق ہوئے تھے۔ دوسری مخلوق خلیفۃ اللہ نہ تھی۔ جس سے واضح ہے کہ جو ہاتھ آدم کو خلق کر سکتے ہیں ان کے لئے آدم سے پست درجہ کی مخلوق کو خلق کرنا کوئی اہم بات نہیں ففہم انہ دقیق وحقیق

اور سب سے اول خلق (اول ما خلق اللہ نوری وانا و علی من نور واحد) کے سوا اور کوئی نہیں لہذا یہی وہ دو ہاتھ ہیں۔ یاد رہے کہ خدا کی خلافت اوصاف میں ہوتی ہے نہ ملک و مال وغیرہ میں اور خلیفہ کا عمل مستخلف کا ہی عمل ہوتا ہے اور خداوند عالم نے اس نور اول خلق کو اپنی خلافت کے لئے ہی خلق فرمایا تھا اور اسی امر کو ثابت کرنے کے واسطے اس نے آیات نازل فرمائی جن کا ذکر کرتے آتے ہیں۔ اور ابھی اور بھی ذکر کی جائینگی۔ جن سے اہل بصیرت کا ایمان کامل ہو گا۔

موحدیت یا کہ وہابیت اور اس کے مقلدین ہمارے نظریہ اور منشاء الہیہ کو نہ تسلیم کریں تو نہ کریں لیکن اس سے ہرگز گریز نہیں کر سکتے کہ وہ خدا کے دو ہاتھ نہ مانیں۔ خواہ کسی طرح یا کہ کسی طرح سے ہی مانیں ماننا ضرور پڑیگا کہ خدا کے دو ہاتھ ہیں جن سے وہ خلق کرتا رزق دیتا اور مار دکرتا ہے وغیرہا۔ اور وہ ہاتھ خدا کے جسمانی نہیں ہیں کہ خدا جسم نہیں رکھتا جب خدا کے یہ ہاتھ جسمانی نہیں ہیں تو ضروری ہے کہ وہ ہاتھ اس کی ذات قدس سے علیحدہ ہوں اور علیحدہ ہونے کی صورت وہ ہاتھ غیر اللہ میں داخل ہونگے اور نہیں کہ خدا جسم و جسمانیات سے منزہ و مبرہ ہے۔ اور یہ بات

ان کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ اور انکار کی صورت میں وہ اس وادی میں جا پڑینگے جس میں ایمان و اعمال صالحہ جل جاتے ہیں۔ لہذا خدا کے ہاتھ مانے بغیر انسان مسلمان نہیں رہ سکتا۔ لہذا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیا خداوند عالم اپنے ان ہاتھوں کے بغیر یہ کام بذات خود نہیں کرسکتا اگر تسلیم کیا جائے کہ نہیں کرسکتا تو اس صورت میں خداوندِ عالم قادر مطلق نہ رہیگا۔ لہذا یہ باطل ہوا۔ پس معلوم ہوا کہ وہ قادر قادر مطلق ہے کرسکتا ہے لیکن کرنا پسند نہیں کرتا کہ اس کی شان اس سے اعلےٰ وارفع وبلند وبرتر ہے کہ وہ ایسے افعال سے بذات خود ملوث ہو اس لئے اس نے اپنے دو ہاتھ سب سے اول خلق فرمائے جن سے آئندہ اپنے کام کرانے تھے اور کراتا رہا ہے جس کا ثبوت ہم ہر مقام پہ دیتے آتے ہیں اور یہی کار، اور راز خلاقت ہے تنزل الملئکۃ والروح فیھا باذن ربھم من کل امر۔ میں یہی راز بیان فرمایا گیا ہے۔ پس جس طرح وہ بذات خود ہمارے معاملات وحالات میں مباشر و ملوث ہونا پسند نہیں کرتا کہ اپنے شان کبریائی کے منافی جانتا ہے۔ اسی طرح وہ ہماری ہر فریاد و حاجت کو باوجود جاننے اور سن لینے کے اس کی اجابت کے لئے بذات خود مباشر و ملوث ہونا خلاف شان جانتا ہے اسی وجہ سے اس نے خود فرمایا ہے

یاایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللّٰہ وابتغوا الیہ الوسیلہ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون ۶/۱۰

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور خدا کی درگاہ میں وسیلہ کی تلاش

کرو اور اس کی راہ میں کوشش و محنت کرو شائد کہ تم فلاح پاؤ۔
پس اگر خدا ہم سے بذات خود مباشر و ملوث ہونا پسند کرتا اور قرین مصلحت جانتا تو نہ تو اپنے اور ہمارے درمیان وسیلہ کو بناتا اور نہ ہی اس کی تلاش کرنا ہم پر فرض کرتا۔ پس خداوند عالم کا اپنے اور ہمارے درمیان وسیلہ کو خلق کرنا اور بنانا اور قائم فرمانا اور ہم پر اس کی تلاش فرض کرنا اس امر کی ضمانت ہے کہ وہ بذات خود ہم سے ملوث و مباشر ہونا خلاف شان کبریائی و عظمت جانتا ہے۔ ورنہ نحن اقرب الیہ من حبل الورید (ق آیت ۱۶) کے بعد اور اس کی مثل دیگر آیات کے مطابق وسیلہ کی کیا ضرورت تھی۔
پس ہم پر فرض ہے کہ اول خدا کے مقرر کردہ وسیلہ کو تلاش کریں۔ اور اپنی ضروریات و حاجات کو وسیلہ کی خدمت میں پیش کریں۔ اور یہ وسیلہ وہی اس کے دونوں ہاتھ ہیں پس ان خدا کے ہاتھوں کو غیر اللہ جاننا اور غیر اللہ میں شمار کرنا۔ توحید پرستی نہیں بلکہ انکار توحید اور کفر پرستی و طاغوت پرستی میں داخل ہے اعاذنا اللہ من ذالک الوسوسۃ بل یداہ مبسوطتان کی نص موجود ہے کہ وہ خدا کے ہاتھ ہیں تو پھر ان کو غیر اللہ کہنا یا کہ جاننا اور لوگوں کو اس اعتقاد پر قائم کرنا۔ اس نص کے خلاف اور ضد میں کفر اور طاغوت پرستی نہیں تو اور کیا ہے نیز خدا کے ان دونوں ہاتھوں کو چھوڑ کر اور لوگوں کو وسیلہ بنانا انکار وسیلہ نہیں تو اور کیا ہے۔ (بل یداہ) کی نص ان ہاتھوں کا انکار نہیں کرنے دیتی۔
پس ایک ہاتھ کا اعلان تو خداوند عالم نے صریحاً فرما دیا ہے

کہ میرا ایک ہاتھ میرا رسول ہے جس سے انکار کفر میں داخل ہے۔
اور دوسرے ہاتھ کو (انفسنا و انفسکم اور یحذرکم اللہ نفسہ،
۳/۱۱ اور واتبعوا النور الذی انزل معہ ۹/۹ اور جعلنا لھم
لسان صدق علیاً ۱۶/۲ کی آیات میں بیان فرمایا ہے اور رسول کی
زبان سے (انا و علی من نور واحدٍ) کہ میں اور علی ایک نور سے
پیدا ہوئے ہیں اسی واسطے ہی ان کو آیت مباہلہ میں نفس رسول
فرمایا ہے اور اپنا نفس بھی فرمایا ہے اور نفس بھی جسم سے تعلق رکھنے
والی چیز ہے جس طرح خداوند عالم جسم و جسمانیات سے پاک ہے اسی
طرح نفس و نفسانیات سے پاک ہے لہذا یحذرکم اللہ نفسہ
سے مراد خدا کا ذاتی نفس نہیں بلکہ اضافی نفس ہے۔ جس طرح ہاتھوں
کو اضافی و نسبتی مقام دیا ہے۔ اسی طرح نفس کو بھی ذاتی نہیں بلکہ اضافی
اور نسبتی درجہ دے کر اپنی طرف منسوب فرما کر ڈرایا ہے۔

پس خداوند عالم نے اپنے رسول اور علی علیہما الصلوٰت والسلام
کو اپنے ہاتھ قرار دیا ہے جن سے خلق کرتا اور رزق دیتا ہے اور رحم
کرتا ہے اور غضب و قہر کرتا ہے۔ لہذا وہ کہہ سکتے ہیں اور صحیح کہہ
سکتے ہیں کہ ہم خلق کرتے ہیں رزق دیتے جنت دیتے دوزخ دیتے ہیں
وغیرہ اور اسی لئے باب علم نبی نے کہا ہے اور مستبصرین نے ان
سے روایت کیا ہے اور صحیح اور درست روایت کیا ہے جن کو مقصر
حضرات غالیوں کی طرف نسبت دیتے ہیں اور اپنی مقصریت و ناصبیت
کو توحید پرستی کے پردہ میں اور جبہ و تقدس میں چھپاتے ہیں۔
ہر جامہ کہ خواہی میپوش۔ من انداز قدت را مے شناسم۔ (حافظ شیرازی علیہ)

اہل نظر ان کی چال سے واقف ہوتے ہیں۔ اور یہ بات آج کی نہیں بلکہ ان کے زمانہ سے چلی آرہی ہے اور کتب فریقین اسلام میں موجود ہے جس کا دل چاہے وہ کتب مناقب اور ابواب مناقب میں دیکھ سکتا ہے۔ ہمیں اشارہ سے زیادہ بیان کرنے سے خوف طوالت مانع ہے جو ویسے ہی بڑھتا جارہا ہے اور مجبوری سے بڑھ رہا ہے۔ اور ابھی کتب سابقہ کی نصوص و سندات سے اور بھی طویل ہوگا۔

کتب مناقب میں مذکور ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوات والسلام نے کل اہل مدینہ کی موجودگی میں دن کے وقت اسنی ذاجی یعنی اونٹنی جو سامان یمنی سے لدی (بارکی ہوئی تھی ابوصمصام کو زمین سے نکال کر دی تھی اور اس سے وہ تحریر رسولؐ خدا واپس لی جو اس کو رسولؐ خدا نے لکھ کر دی تھی۔ (کوکب دری وارجح المطالب و صواعق محرقہ کتب اہلسنت) وغیرہ

اسی طرح کے کئی واقعات کتب میں درج ہیں جو ان حضرات نے لوگوں کو اپنے عمل سے دکھائے ہیں

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام والصلوٰت کی حد تصرف

حدیث قدسی میں مذکور ہے کہ خداوند عالم جل شانہٗ نے فرمایا ہے۔

"کنت کنزاً مخفیاً فاحببت ان اعرف فخلقت خلقاً"

میں ایک مخفی خزانہ تھا پس مجھے محبوب ہوا پسند ہوا پیارا ہوا کہ میں پہچانا جاؤں پس میں نے خلق کیا پیدا کیا خلق کو۔

ہمیں معلوم نہیں کہ ہماری مخاطب جماعت اور اس کے مقلد

اس فرمانِ الٰہیہ کو مانتے ہیں یا کہ نہیں مانتے اگر نہ مانتے ہوں۔ تو اس آیت سے تو انکار کر ہی نہیں سکتے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ؑپ ۲۷

اور نہیں خلق کیا ہم نے جنوں اور انسانوں کو مگر واسطے عبادت کے تاکہ وہ میری عبادت کریں۔ پس جن وانس محض عبادت کی غرض کے لئے خلق کئے گئے ہیں۔ اور عبادت بغیر معرفت نہیں ہو سکتی۔ جب خدا کی معرفت ہی نہ ہو تو اس کی عبادت کا سوال ہی کیسا۔ لہٰذا معرفت عبادت کا جز لازمی اور عبادت سے قبل ثابت ہوئی کہ پہلے خدا کی معرفت حاصل ہو گی تو پھر اس کی عبادت کی طرف رجوع ہو گا ورنہ اس کی عبادت کی طرف رجوع ہی نہ ہو گا۔ اور اسی لئے بلا معرفت عبادت بیکار اور عبث کہی جاتی ہے جو قابل اجر و ثواب نہیں ہوتی اسی واسطے معصوم علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ الا لیعبدون۔ ای لیعرفون یعنی لیعبدون سے مراد لیعرفون ہے۔

اس بیان سے واضح ہو گیا۔ کہ حدیث قدسی اور آیت قرآن کا مقصد و مطلب واحد ہے۔ کہ معرفت و عبادت لازم و ملزوم ہیں۔ معرفت سے ہی عبادت کا لزوم اور وجوب ثابت ہو گا۔ اور معرفت عقل اور تکمیل عقل سے حاصل ہوتی ہے۔ اسی لئے جب تک بچہ تکمیل عقل تک نہیں پہنچتا اس پر عبادت فرض نہیں کی جاتی جب وہ تکمیل عقل کی منزل کو عبور کر لیتا ہے تو فوراً اس پر عبادت فرض کی جاتی ہے وغیرہا۔

الغرض معرفت خدا عبادت خدا سے مقدم ثابت ہونے کے

بعد آیت وحدیث قدسی کے مضمون درمیان میں وحدت ثابت ہو گئی۔ اس بنا پر ہم اپنی مقدس فاضلیت اور جن کی وہ تقلید کرتی ہے۔ ان پر سوال کرتے ہیں۔ کہ وہ خداوند عالم جل شانہ کے قادر مطلق ہونے کے قائل ہیں یا کہ نہیں۔ اگر قائل نہ ہوں تو پھر اس کے خدا ہونے کے بھی منکر ہونگے۔ کیونکہ خداوند عالم عاجز و محتاج و بے بس نہیں مانا جا سکتا لہٰذا یقین ہے کہ وہ خداوند عالم کو قادر مطلق اور صمد و بے نیاز اور ہر طرح سے غنی مطلق مانتے ہونگے۔ کیونکہ خداوند عالم کا ہر امر پر قادر ہونا ضروری ولازمی ہے۔

لہٰذا اب وہ بتائیں کہ خداوند عالم قادر مطلق نے جس وجود اقدس کو اپنی معرفت تامہ یعنی پوری معرفت کے لئے سب سے اوّل خلق فرمایا ہے۔ اس کو اپنی معرفت کی تکمیل کے آخری درجہ پر خلق فرمایا تھا۔ یا کہ معرفت سے جاہلیت وجہالت کے انتہائی پست درجہ پر خلق فرمایا تھا اور وہ کون تھا۔ پس معرفت سے جاہل خلق کرنے کا نظریہ تو صریحاً باطل ہے کیونکہ علت خلق معرفت ہے لہٰذا یہ تو رستہ ہی بند ہے۔ اب رہی یہ بات کہ خدا نے اپنی پہلی خلق کو اپنی معرفت کی تکمیل کے آخری درجہ پر خلق فرمایا تھا۔ یعنی اکمل تر خلق فرمایا تھا جس کے بعد عارف و معروف اور عابد و معبود اور حامد و محمود اور مقرب (جس کا قرب حاصل کیا جائے) کے درمیان کوئی حد کوئی فصل کوئی فرق اور کوئی فاصلہ نہ رہے۔ جب ایسا ہوا تو اب اس خلق کے لئے مقام کونسا تھا کیونکہ خدا تو لا مقام ہے اس کو مقام کی ضرورت نہیں اور یہ وجود اقدس خدا نہیں بلکہ اس کی خلق ہے۔ مخلقت خلقاً

فرمایا ہے (فخلقت مخلوقاً) نہیں فرمایا۔ پس خدا نے اس خلق کو خلق فرمانے کے بعد کس مقام پر رکھا تھا۔ کہ اس وقت اور کوئی مخلوق خلق نہ ہوئی تھی۔ اس خلق کا مقام قیام کس طرح مقرر کیا جائیگا۔ لہذا ثابت ہوا کہ عارف اور معروف اور عابد و معبود اور حامد و محمود مقرب اور مقرب دونوں کو مقام کی ضرورت نہ تھی۔ خدا تو لامقام تھا اور یہ خلق بھی لامقام تھی۔ اب وہ فاضلیت جو ان کے لئے حد مقرر کرتی ہے کہ اپنی حد کے اندر یہ سب کچھ کرسکتے ہیں اور حد سے باہر یہ بھی محتاج غیر ہیں وہ ان کی اس حد کا مقام بتائیں۔ کیونکہ قادر مطلق نے ان کو لامقام خلق فرمایا ہے جب ان کے لئے کوئی مقام ہی نہیں تھا۔ یہ بھی اس کی ذات کی طرح ضرورت مقام سے منزہ و مبرہ خلق فرمائے گئے تو ان کے لئے قیاسی حد کس طرح مقرر ہوسکتی ہے اور جو مقرر کرے وہ ان کی معرفت سے مقصر نہیں تو اور کیا ہے خداوند عالم قادر مطلق ہے وہ کسی امر عاجز نہیں کہ اپنے ارادہ اور چاہت کے مطابق اپنے ان عارفین و عابدین اولین کو ایسا خلق نہ کرسکے۔ ففہم۔

پس خلق اول کا مقام معرفت کسبی فاضلیت کی حد قیاس سے اعلیٰ وارفع ہے۔

محرم نہیں ہے تو ہی نوا ہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا (غالب مرحوم)

اندھی تقلید کی مقید فاضلیت جو گم کردہ راہ خضر بنی ہوئی ہے وہ خود ہی معرفت توحید سے بے بہرہ دکوری ہے ورنہ مظہر

اوصاف الٰہیہ جلالیہ و جمالیہ کلیہ کے لئے حد قائم کرنا خود اوصاف الٰہیہ ہی نہیں بلکہ ذات الٰہیہ کا نقص ثابت کرنے میں داخل ہے۔ ان کے اختیار و تصرف کی حد وہی ہے جو اوصاف الٰہیہ کی ہے۔ اور اوصاف الٰہیہ عین ذات الٰہیہ ہیں۔ نہ معلوم یہ فاضل قیاسات اپنی ذات کو کیا سمجھ رہے ہیں اور تقلیدی علم کو الہامی و موہبتی علم سے افضل مان رہے ہیں۔ اور اس کے اثر سے رسول خداؐ اور امیرالمومنین علی علیہ الصلوٰت والسلام و دیگر آئمہ طاہرین علیہم السلام کی فرمایشات و ہدایات کو غالیوں کے بیان تسلیم کر رہے ہیں۔ (اعاذنا اللہ من القیاسات الوسواسات) ہم اپنے فاضلین حضرات سے کسی قسم کا بغض و عناد نہیں رکھتے حاشا وکلا تنقیص و تکذیب آئمہ طاہرین علیہم السلام کے بالمقابل مذکورہ بالا الفاظ کوئی نسبت نہیں رکھتے ورنہ تکذیب و تنقیص معصوم علیہ السلام کے القابات سے کون واقف نہیں۔ انکی جرأت علے المعصوم بلکہ جرأت علے اللہ نے یہ الفاظ خدا و رسولؐ و امام کی محبت و اطاعت میں لکھوا دئے ہیں۔ ہم ان سے اس گستاخی کی معافی چاہتے ہیں لیکن الفاظ واپس نہیں لے سکتے کہ اظہار حق کے لئے ادا کئے گئے ہیں۔

عرض کیا جا رہا تھا کہ خداوند عالم قادر مطلق و خلاق و مختار نے خلق اول کو اس ارادہ اور غرض اور اس علت کے لئے خلق فرمایا کہ وہ مجھے ایسا پہچان لے جیسا کہ میں چاہتا ہوں۔ فاحبت ان اعرف میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں۔ کیسا پہچانا جاؤں جیسا کہ میں ہوں۔ پس قادر مطلق نے اس ارادہ سے خلق اول کو خلق فرمایا۔ ان اللہ علےٰ کُل شئی قدیر۔ بے شک اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔

پس قادر علیٰ کلِ شئیٍ و علیٰ کلِ امر نے خلق اوّل کو اپنی معرفت کلیہ تامہ پر خلق فرمایا- پس یہ خلق اوّل جب عدم میں تھی تو کچھ بھی نہ تھی اور عدم سے وجود میں لائی گئی تو عارف اکمل بلکہ اکمل تر تھی جس سے بالاتر معرفت حیطہ امکان میں سما ہی نہیں سکتی اور نہ ہی آسکتی ہے- بلکہ اس بالاتر معرفت کا امکان ہی نہیں کہ اس سے بالا ذات کا مقام ہے جس کی معرفت لازم ہے یہی مقام ذات اور معرفت ذات کے اتصال کا ہے جن میں انفصال کو راہ و دخل نہیں- بلکہ اس جگہ انفصال کا وہم و خطور کرنا ہی کفر حقیقی ہے- لہذا ذات اور معرفت ذات کا یہ وہ مقام اتصال دائمی و لازمی ہے کہ جس میں انفصال کو دخل ہی نہیں اور قطعاً نہیں لیکن جملہ علماء متحقیقین و عرفا کاملین و حکماء متالہین فلسفین متبحرین اس پر متفق و متحد ہیں کہ معرفت ذات باری تعالےٰ معرض تکلیف وجوب نہیں کہ معرفت ذات باری تعالےٰ امر محال ہے اس لئے خداوند عالم کی ذات کی معرفت واجب نہیں کہ امر محال تکلیف مالا یطاق میں داخل ہے لہذا معرفت ذات باری تعالےٰ جل شانہ معرض تکلیف وجوب نہیں- پس معرفت صفات باری تعالیٰ ہی معرض تکلیف اور وجوب میں داخل ہے مبنی بریں خدا کی معرفت اس کے اوصاف سے ہی ہو سکتی ہے تو اس سے ثابت ہوا کہ (فاحببت ان اعرف) سے ارادہ خداوند عالم جل شانہ یہ تھا کہ میری خلق اول میرے کل اوصاف کمالیہ جلالیہ و جمالیہ کلیہ کی کما ہی ہی، جیسے کہ میں اوصاف رکھتا ہوں بالکلیہ و پوری طرح، پس اس خلق اول نے بمعرفت اوصاف کلیہ

کی کوئی کمی و نقص نہ رہے۔ اور یہ امر بغیر اس کے کبھی پورا نہیں ہو سکتا کہ خداوند عالم اس خلق کو اپنے اوصاف کمالیہ جلالیہ وجمالیہ کلیہ پر خلق فرمائے کیونکہ ہر صاحب کمال کمال کو ہی محبوب رکھتا ہے غیر کمال کو محبوب نہیں رکھتا۔ اور خداوند عالم عین کمال ہے اس لئے خدا نے اپنی اس خلق اول کو اپنے اوصاف کمالیہ جمالیہ وجلالیہ کلیہ پر خلق فرمایا۔ (فتبارك الله احسن الخالقين)۔

پس خدا نے اس خلق اول کو اپنے تمام اوصاف کمالیہ پر خلق فرما کر اپنے اوصاف کلیہ کا مظہر بنایا تاکہ ان کے ذریعہ سے میں پہچانا جاؤں یعنی یہی خلق اول اپنے اوصاف سے مجھے پہچانیں۔ اور اپنے بعد کی مخلوق کو اپنے قول اور فعل سے پہچنوائیں اس سے ثابت ہوا کہ خدا نے اس خلق اول کو اپنی معرفت کرانے کی غرض و علت سے اپنے اوصاف پر خلق فرمایا تھا۔

اور اس کے اوصاف کمالیہ میں لامکانیت بھی ہے کہ وہ مقام و مکان و زمان کا محتاج نہیں ہے۔ لہذا اس نے اپنی خلق اول کو ہر شئی سے قبل خلق فرما کر ثابت کر دیا کہ میری یہ خلق اول جو میرے کل اوصاف کمالیہ کی مظہر کامل و اکمل تر ہے اس کو کبھی کسی مقام و مکان و زمان کی ضرورت نہیں جس طرح میں لامکان ہوں اسی طرح ان کو بھی میں نے لامکان خلق فرمایا ہے۔ اور یہ سب سے اوّل میری صفت لامکانی کے مظہر ہیں۔ ہم کیا جانیں اگر یہ خود نہ فرمائیں ہماری کیا بساط کہ ہم اپنے خیال سے ان کے لئے کسی بلندی و پستی کا ذکر کریں جب تک یہ خود نہ ارشاد فرمائیں اور ہماری ہدایت و رہبری نہ کریں۔ اسی طرح ہماری

کیا مجال ہے کہ ان کی فرمائشات و ہدایات کی تصدیق نہ کریں سر تسلیم و رضا ان کے قدموں پر نہ رکھیں ان کے کسی فرمان کو سمجھنا ہماری قابلیت یا کہ اقدس پیرایا کہ عقل کی پرواز پر منحصر نہیں یہ تو محض ان کی عنایت اور خداوند عالم کی رحمت و فضل و کرم پر منحصر ہے الحمد للہ علے احسانہ دیکھئے مذکورہ بالا بیان پر ارشاد فرمایا گیا ہے لا یعرف اللہ الا انا و علی ولا یعرفنی الا اللہ و علی ولا یعرف علی الا اللہ و انا (مقدمہ کوکب دری وغیرہ)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ خدا کو میرے اور علیؑ کے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ اور مجھ کو خدا اور علیؑ کے سوا کسی نے نہیں پہچانا اور علی کو خدا اور میرے سوا کسی نے نہیں پہچانا۔ اللہ اللہ (اقبال مرحوم) اللہ رے شان علیؑ۔ (عاشق گل محمد ملتانی مرحوم)

پس اس فرمان ہدایت نشان سے ثابت ہے کہ نہ تو کوئی خدا کی معرفت کامل رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت رکھتا ہے اور نہ ہی کوئی امیر المومنین علیہ السلام کی معرفت کامل رکھتا ہے ان کی معرفت کامل انہیں میں منحصر و محصور ہے یہ معرفت کسی اور کو نصیب نہیں ہے۔ نہ معلوم بینڈ کی علم کس بنا پر امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حد مقرر کرتا ہے اور کس رعونت اور حقارت آمیز جملہ سے کہتا ہے (کہ ہاں اپنی حد کے اندر باذن اللہ آئمہ سب کچھ کر سکتے ہیں اپنی حد سے باہر وہ بھی غیر کی مدد کے محتاج ہیں) جن کی معرفت ہی نہیں رکھتے ان کی حدود۔ پناہ بخدا نہ معلوم اس فرمان کی وہ کیا تاویل کرتے ہیں اور تعجب تو یہ ہے کہ ان لوگوں نے تاویل کی ٹھیکیداری کہاں سے حاصل کی

ہے حالانکہ خدا فرماتا ہے وما یعلم تاویلہ الا اللہ اگر الا اللہ پر وقف مانا جائے تو تاویل کا حق صرف خدا کو ہی ہے اس سے ثابت ہوگا کہ رسولؐ اور امام کو بھی تاویل کا حق حاصل نہیں تو پھر کسی کنوئیں کے مینڈک کی علم کو کیا حق ہے اور کہاں سے حاصل ہے۔

اور اگر وقف کو والراسخون فی العلم پر تسلیم کیا جائے جیسا کہ علامہ سیوطی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب رموز اوقات میں بدلائل ثابت کیا ہے تو اس تاویل کا حق خدا و رسولؐ اور امام علیہ السلام پر ختم ہو جاتا نہ معلوم عوام حضرات نے یہ ٹھیکیداری کس مرکز سے حاصل کی ہے بہرحال تاویل کا حق خدا و رسولؐ و امام علیہ السلام کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے کہ وہی تعلیم الٰہیہ سے جاننے والے ہیں ان کی تاویل کے سوا اور کسی کی بھی تاویل ہو وہ باطل پر مبنی ہوگی۔ کہ کسی علم موہبتی علم کی کلام کو نہیں جان سکتا۔ اور حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے جس مقام پر فقہاء اعلم فی الاعلم کو تاویل کی اجازت دی ہے وہ صرف احکام کے استنباط میں ایسی روایت کے لئے دی ہے جہاں دوسرے امتیازی اصول مساوی ہوں کوئی بھی قابل ترجیع نہ ہو اور ان کا مضمون بیکدگر مخالفت شدید رکھتا ہو جس سے ایک روایت پر عمل دوسری روایت کی رد ثابت کرتا ہو ایسے مقام کے سوا اور اعلم فی الاعلم کے سوا اور کسی کو تاویل حق حاصل نہیں ہے لہذا جال تاویل باطل پرست مچھلیوں یا کہ پرندوں کو پھنسانے کی خاطر وضع کیا گیا ہے۔ پس تاویل باطلہ سے کسی فرمان عالیہ کو جو معرفت اور اخبار غیب پر مبنی ہو رد کرنا یا کہ بدلنا یا گریز کرنا

وغیرہ ہی مقصریت کا پورا ثبوت ہے اور مقصر کی تاویل کو رد کر کے اصل بیان پر ایمان رکھنا فرض ہے۔ کوئی حکم شرعی کسی کی سمجھ میں آنے پر فرض نہیں کیا گیا ہر حکم شرعی فرض ہے خواہ سمجھ میں آجائے یا کہ نہ آئے۔

پس ان فرمائشات سے گریز کرنا سخت خطرناک و مہلک ہے۔

اور حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی طرح فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں۔ لوکشف الغطاء لما ازددت یقینی ذرۃ۔ اگر تمام پردہ ہائے موانعات ہٹا لئے جائیں تو بھی میرے یقین میں ذرہ بھر زیادتی نہ ہوگی۔ (اللہ رے شان علیؑ) کیوں نہ ہوگی اس لئے کہ یہ یقین اس وقت حاصل کیا گیا تھا۔ جبکہ کوئی پردہ درمیان میں حائل ہی نہ تھا۔ لہذا ان کی حد تصرف میں موانعات کو داخل کرنا اور ان کو اس مخلوق کے مساوی جاننا جن کے لئے موانعات حائل ہیں اسی کا نام مقصریت ہے جس کو رفع کرنے یا کہ واضح اور ثابت کرنے کے لئے حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا تھا۔

(یا معاویہ) نحن صنائع ربنا و انتم بعد صنائع لنا (نہج البلاغۃ)

اے معاویہ۔ ہم ہی اپنے رب کی صنعت ہیں اور تم (لوگ) اسکے بعد ہماری صنعت ہو۔ یا کہ ہمارے لیے صنعت ہو۔

اور یہی فقرہ حضرت حجت زمانہ علیہ الصلوات والسلام نے اپنی غیبت صغریٰ کے زمانہ میں ان شیعہ حضرات کو لکھا جو شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے تھے۔ واد اتنے اپنے دشمن کو اس وقت لکھا جبکہ اس نے آپ کی برابری و ہمسری اوصاف کا دعویٰ کیا اور پوتے نے ان

شیعہ حضرات کو لکھا جو شکوک و شبہات میں پھنس چکے تھے۔ پس ان وجوہات تحریر سے ثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے ایک ناصبی یعنی دشمن کو اپنی حقیقت اور اپنے عہدہ و درجات کی اصلیت کو واضح اور ثابت کرنے کو لکھا تھا اور حضرت حجت علیہ الصلواۃ والسلام نے مقصر شیعہ کو راہ پر لانے کو لکھا تھا۔

یہاں پر ضمنی طور پر میں ایک اپنی بے تکی اور بے پر کی اڑاتا ہوں۔ کسی جگہ پڑھی سنی نہیں اگر پسند تو رکھ لے اور نہ پسند آئے تو پھینک دے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے ذکر میں گذر چکا ہے کہ (انی اخلق لکم) میں تمہارے لئے خلق کرتا ہوں جس سے ثابت ہے کہ حضرت عیسےٰ خلق کرتے تھے اور فعل خلق کے فاعل کو خالق ہی کہا جاتا ہے اور اسی امر کو مذکورہ بالا ارشاد میں صنعت سے تعبیر فرمایا ہے۔ اور اس کو رب العلمین کی طرف منسوب فرمایا گیا ہے (نحن صنائع ربنا) کہ ہم ہی اپنے رب کی صنعت ہیں۔ اور کوئی بھی ہمارے رب کی صنعت و خلق نہیں صرف ہم ہی ہیں۔ اور تم تو بعد میں ہماری صنعت ہو۔ اس جگہ اسی لفظ صنعت کو اسی حالت میں اپنی طرف منسوب فرمایا ہے (وانتم بعد صنائعنا) اور بعض جگہ صنائع لنا بھی وارد ہوا ہے جس کا ترجمہ ہمارے لئے صنعت کئے گئے ہو لیکن اصل صنائعنا ہی ہے جو دونوں فرمان میں وارد ہوا ہے۔

پس اس بنا پر یہ آیہ مبارکہ (فتبارک اللہ احسن الخالقین ۱۸/۱) کے لفظ خالقین پر توجہ کریں آیت کے اس جملہ کا ترجمہ عموماً

تمام علماء اس طرح کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی اچھا خلق کرنے والا ہے۔ اس طرح کے ترجمہ سے لفظ (خالقین) جو جمع کا صیغہ ہے اس کا مقصد بیان فوت ہو جاتا ہے۔ جس سے خداوند عالم کی اصلاح ترجمہ کے رنگ میں کرنی ثابت ہوتی ہے جو سخت مذموم اور معیوب امر ہے اور جب خالقین کے مقصد کو ترجمہ میں ادا کیا جائے تو ترجمہ کی یہ صورت پیدا ہوتی ہے (کہ خدا تمام خلق کرنے والوں سے بہت ہی اچھا خلق کرنے والا ہے) اس صورت میں مذکورہ بیان و فرمان امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تائید بلکہ ثبوت پیدا ہوتا ہے جس کو حضرت صاحب الامر علیہ الصلوات والسلام نے اپنے ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے۔

(نحن صنائع ربنا والناس بعد صنائعنا) پس لفظ خالقین اور ان فرمانوں کو ملا کر غور کرنے سے اس امر کی طرف راہنمائی ہوتی ہے۔ کہ خدا کی خلق و صنعت احسن ہوتی ہے اور دوسروں کی خلقت و صنعت بالمقابل احسن نہیں ہوتی۔ یہی مقصد مذکورہ بالا ارشاد سے واضح ہوتا ہے کہ معصوم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اور عوام الناس کی تخلیق کا فرق دکھا رہے ہیں کہ خدا نے قدیر کی خلق و صنعت تو صرف ہم ہی ہیں۔ عوام الناس تو خدا کی تخلیق ہی نہیں وہ تو ہماری تخلیق ہیں پھر ہم سے ہی برابری و ہمسری کیسی اور کیونکر ہو سکتی ہے۔

پس اس سے ثابت ہے کہ خداوند عالم نے لفظ خالقین میں ان کے خلق کرنے خالق ہونے کو بیان فرمایا ہے۔ پس جب یہ عوام کے خالق ہیں تو عوام الناس اپنے خلق کرنے والوں سے عرض حاجات کیوں نہ کریں۔ اور وہ اپنی خلق کی ہوئی مخلوقات کی حاجت روائی

سے کیونکر عاجز مانے جائیں۔

اب خداوند عالم کے ہاتھوں کی ضرورت اور وسیلہ کے لزوم کی ضرورت اور اس کی تلاش کی وجوبیت کی اہمیت اور مذکورہ بالا فرمانات اور بیان کو ملائیں اور تدبر و تفکر سے کام لیکر نتیجہ اخذ کریں۔ حسی قاعدہ ہے کہ ہر موصوف اپنی صفت سے مانوس ہوتا ہے اور اتحاد رکھتا ہے اور اپنی مخالف صفت سے منافرت رکھتا ہے خواہ وہ کسی قدر ہو۔ خداوند عالم عین کمال ہے اس کی ذات ہی عین کمال ہی کمال ہے اور ہر حال میں عین کمال ہے۔ لہذا وہ کمالی کو ہی پسند کرتا ہے اور کمال کو ہی تقرب بخشتا ہے کیونکہ ناقص تو اس کا تقرب پا ہی نہیں سکتا اور قطعاً نہیں پا سکتا۔ اس واسطے اس کی ذات اقدس نے اپنے مقام تقرب میں سب سے اول ایک ایسی خلق کو خلق فرمایا جو ہر حال میں کامل و اکمل بلکہ اکمل تر تھی اور ہے پھر اس خلق کو اپنا نمونہ اوصاف کمالیہ کلیہ قرار دیکر بنا کر اپنے مقام وحدت سے متصل دوسرے درجہ پر اپنی منشا و حُب کے مطابق ان کو تقرب عطا فرما کر ان کے حق میں کبھی کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرام —— اور کبھی کل شی ھالک الا وجہہ —— اور کبھی فصعق من فی السموات ومن فی الارض الا ماشاء اللہ —— اور کبھی ففزع من فی السموات ومن فی الارض الا ماشاء اللہ —— اور کبھی ما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ —— اور کبھی ما تشاؤن الا ماشاء اللہ —— اور کبھی ومارمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمیٰ —— اور کبھی ید اللہ فوق

اید یھم ـــ اور کبھی لما خلقت بیدی ـــ اور کبھی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیراً ـــ اور کبھی عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون ـــ وغیرہم فرما کران کی معرفت اور پہچان کرائی اور ان کے ذریعہ اور ان کے ہی ہاتھوں سے دوسری مخلوق کو خلق کرایا اور ان کو خالقین خلق کرنے والوں کا مقام عطا فرمایا ہے پس ایک زمانہ تھا کہ خدا تھا اور اس کے ساتھ اس کی معرفت حاصل کرنے والے اور عبادت کرنے والے یہی تھے اور کوئی مخلوق نہ تھی۔ کوئی شئے نہ تھی سب کچھ تشکم عدم میں تھا عالم وجود میں صرف اور محض محمدؐ و علی علیہما الصلوٰات والسلام ہی تھے۔ یہی وہ مقام و زمانہ و وقت تھا اور نہ معلوم کتنا زمانہ تھا کہ زمانہ تو ابھی خلق ہی نہ ہوا تھا عدم میں ہی تھا جس کے لئے فرمایا گیا ہے (لا یعرف اللہ الا انا وعلی)۔ پس ان کو خدا نے اس حال میں اتنی معرفت کرائی جس قدر وہ اپنی معرفت کرانا پسند کرتا تھا جس سے بالا معرفت کا امکان ہی نہیں ہو سکتا اسی واسطے فرمایا ہے کہ خدا کو کسی نے نہیں پہچانا مگر میں اور علی نے۔ کہاں ہے ہماری مقدس فاضلیت اور اس کا مقدس علم اور اس کی پرواز عارفانہ آئے اور ہمیں حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی حد دکھائے یہاں زبان ہلائے تو منہ کی کھائے۔

چندیں ہزار ذرہ سراسیمہ می دوند
در آفتاب وغافل ازاں کافتاب چیست (شیرازی)

اسی لئے معصوم علیہ السلام نے تعلیم فرمادی ہے کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا

مانگا کرو :-

خداوندا تو مجھے اپنی معرفت کرا - اگر تو نے مجھے اپنی معرفت نہ عطا فرمائی تو میں تیرے رسولؐ کی معرفت نہ حاصل کر سکونگا خداوندا تو مجھے اپنے رسولؐ کی معرفت عطا کر اگر تو نے مجھے اپنے رسولؐ کی معرفت نہ عطا فرمائی تو میں تیری حجت کی معرفت نہ حاصل کر سکونگا اگر تو نے مجھے اپنی حجت یعنی امام کی معرفت نہ عطا فرمائی تو میں دین سے گمراہ ہو جاؤنگا - پس اگر خدا کی معرفت ہو تو رسولؐ کی معرفت حاصل ہو گی اور اگر رسولؐ کی معرفت ہو تو امام کی معرفت حاصل ہو گی ورنہ نہ ہو گی اور امام کی معرفت ہی دین ہے - اگر امام کی معرفت نہ ہوئی تو دین سے گمراہ ہو جائیگا - اس سے ثابت ہے کہ خدا و رسول اور امام کی معرفت آپس میں مربوط و منسلک ہے اسی لئے رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ من مات ولم یعرف امام زمانہ مات میتۃ الجاھلیۃ - کہ جو کوئی اپنے زمانہ کے امام کی معرفت حاصل کرنے کے بغیر مر جائے وہ جاہلیت کی موت مرتا ہے - اور جہالت کی موت کا ہی نام انکار توحید ہے جس سے ثابت ہے کہ معرفت امام ہی توحید پرستی اور معرفت توحید ہے -

پس تمام عالم کے ذرات کی طرح بے شمار حضرات توحید پرستی کی فضا میں چکر کھا رہے ہیں مگر ان کو معلوم نہیں کہ توحید پرستی اور معرفت توحید کیا چیز ہے -

جس مفہوم کو وہ توحید پرستی مانتے اور جانتے ہیں وہ جاہلیت میں داخل ہے اور جس کو وہ شرک تصور کئے ہوئے ہیں وہی مقصد

وحدت اور توحید پر مبنی ہے۔ فاعتبروا یا اولوالالباب۔
ہمارے نفدس مآب فضلاء جن ہدایات و فرمائشات معصومین علیہم السلام کو غالیوں کی طرف نسبت دے رہے ہیں ان میں سے کسی ایک میں کبھی یہ ثابت کر دیں کہ جس میں فرمایا گیا ہو کہ خدا کوئی نہیں ہے ہم ہی خدا ہیں اور ہم کسی کی خلق کردہ خلق نہیں ہیں بلکہ ہم ہی خالق مطلق ہیں۔ ہر گز ہر گز یہ امر کبھی نہیں فرمایا گیا بلکہ یہ فرمایا اور ثابت کیا گیا۔ کہ تم ہم کو خدائے مطلق خالق ازلی نہ مانو بلکہ ہم کو خدا کی خلق مان کر اس کے بعد ہمارے حق میں جو کچھ کبھی بیان کرو گے اس سے ہمارے فضائل و درجات کی کنہ تک کبھی نہ پہنچ سکو گے بلکہ ہمارے فضائل کے دسویں حصہ کی حد تک کبھی نہ پہنچ سکو گے پس انہوں نے اپنے ہر چھوٹے سے چھوٹے جملہ میں توحید کو ثابت فرمایا ہے اس کی تعلیم دی ہے خدا کو اپنا خالق و رب تسلیم فرمایا ہے اس کی معرفت کرائی ہے اس کی حمد ادا کی ہے پھر اپنے فضائل و اوصاف کے دریا بہا دئے ہیں سمندر جمع کر دئے ہیں۔ جب ان فرمائشات کو ان کے دل و ایمان قبول نہیں کر سکتے تو اپنے مقصر ہونے کا احساس کر لیتے ہیں اور اپنی مقصریت کو چھپانے کے واسطے کہہ دیتے ہیں کہ یہ غالیوں کے بیان ہیں اس واسطے قابل قبول نہیں جس کا ثبوت یہ ہے کہ جن روات اور محدثین اور مصنفین وغیرہم نے یہ فرمائشات ہم تک پہنچائیں ہیں انہوں نے ہی وہ روایات جن میں دیگر امور احکام اسلام و ایمان یعنی اصول دین اور فروع میں بیان کیں ہیں جن پر ہماری فاضلیت ایمان رکھتی

ہے اور صحیح جان کر عمل کرتی ہے۔ پس اگر یہ حضرات ان کو غالی و کافر جانتے ہوتے تو ان سے کوئی روایت بھی قبول نہ کرتے تو فضلین کے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ ان راویان احادیث اور مصنفین کی کتب میں سے بلند پایہ فضائل اہلبیت کی احادیث کو صرف اس لئے غالیوں کی طرف نسبت دیتے ہیں کہ ان کے دل ان کو قبول نہیں کر سکتے اور بس۔

اگر وہ خاموش رہ جاتے اور ان ہدایات کی تکذیب نہ کرتے تو ہم کو اور دیگر اہل علم و اہل قلم کو محنت برداشت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی۔ پس ان کی جرأت علے المعصوم نے ہم کو ایسا بیان دینے کی جرأت دلائی ہے پھر بھی ہم معافی تو مانگتے ہیں۔ مگر الفاظ حسب سابقہ واپس نہیں لے سکتے۔

پس عرض کر رہے تھے کہ فرمان رسالت ہے کہ خدا کو میرے اور علی کے سوا کسی نے نہیں پہچانا تو اس سے ثابت ہے کہ رسول و امام یعنی محمد و علی علیہما الصلوٰۃ والسلام نے خدا کو اس حد تک پہچانا جس کے لئے ان کو خلق فرمایا گیا تھا۔ یعنی خدا کی معرفت جس حد تک خدا کو منظور و محبوب تھی اس تک پہچانا۔ جس سے بالا خدا کی معرفت کا کوئی مقام و درجہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہی تھا۔ جس سے بالا صرف اور محض مقام وحدت ہی وحدت ہے یعنی اس سے بالا خدا کی ذات ہی ذات کا مقام ہے جہاں پر معرفت کا مقام و درجہ نہیں رہتا۔ اس حد تک پہچانا اور ان دونوں نے ہی پہچانا۔ اُن کے اجزاء نوریہ علیہم السلام نے بھی ان کے بعد ان کی وساطت وسیلہ سے پہچانا۔ اسی لئے ایک رسول کُل قرار پایا اور دوسرا امیر کُل قرار پایا۔ ان کے دوسرے اجزا نوریہ

یعنی ان کی ذریت طاہرہ ان کی ہر صفت میں مساوی ہیں۔ لیکن نہ تو رسول کل کہلا سکتے ہیں اور نہ ہی امیر المومنین کہلا سکتے اور نہ ہو سکتے ہیں بس چودہ انوار مقدسہ میں سے رسول علے الکل بھی ایک اور امیر علے الکل سوائے خدا و رسول بھی ایک ہے۔ اسی وجہ سے رسول و امیر المومنین علیہما الصلوات والسلام ایک ہیں کہ یہی خلق اول تھے۔ ان ہی دونوں کو خدا نے اول خلق فرمایا تھا۔ (فخلقت خلقاً)۔

پس جب توحید اور معرفت توحید اور رسالت رسول علے النبیین و معرفت رسولؐ علے المرسلین اور امارت امیر المومنین و معرفت امیر المومنین تک کسی اعلےٰ سے اعلےٰ اور مقدس سے مقدس ہستی کی بھی رسائی نہیں تو کسی علم کی پرواز اور تقلیدی تقدس اگرچہ واقعاً ہی صحیح بھی ہو، کی کس طرح رسائی ہو سکتی ہے جو امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کی حد تصرف مقرر کر سکے یا کہ سمجھ ہی سکے نہ معلوم کس دلیل کی بنا پر کہا جاتا ہے (کہ ہاں وہ اپنی حد تک الخ)۔ بیانات سابقہ کے مطابق کیا یہ جرأت علے الامیر المومنینؑ نہیں تو اور کیا ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ دعویٰ معرفت آئمہ طاہرین علیہم السلام بھی ساتھ رکھتا ہو خدا رحم کرے۔

پس خدا اور رسولؐ اور امیر المومنینؑ کی معرفت کلیہ کے احاطہ کا دروازہ بند اور قطعاً بند ہے اس پر کسی کو بھی دسترس نہیں اور ہرگز نہیں۔ لہٰذا ان کے تصرف کا بھی کسی کو علم نہیں ہے۔ البتہ جزوی معرفت حسب استعداد نفسی و روحانی ہر صاحب ولا کو ممکن ہے صرف اقرار ولایت بھی ایک گونہ معرفت میں داخل ہے۔ اور

اس میں زیادتی بھی ممکن لیکن ہر ممکن امر واقعہ نہیں ہو سکتا۔ ہر ممکن کے لئے واقعہ کا ثبوت درکار ہے صرف امکان سے امر واقعہ نہیں ہو سکتا باوجود اس کے پھر بھی مقام حد کا تقرر پناہ بخدا جب حضرت جبرئیل سید الملائکہ اور حضرت عیسےٰ علیہما السلام فاضل انبیاء ماسبق بھی ان کی حد مقرر نہیں کر سکتے تو پھر کسی علم کے پتلے کس شمار میں ہیں۔

ہاں تو حضرت حجت زمانہ علیہ الصلوات والسلام کے فرمان سے ثابت ہے کہ غیبت صغرا کے زمانہ میں شیعہ قوم میں ایسا خیال پیدا ہو گیا تھا مگر عام نہ تھا بلکہ الشاذ کمعدوم کی حالت میں تھا۔ جس کو دو کتے بند کرنے کے لئے مالک زمانہ علیہ الصلوات والسلام نے توقیع مبارک میں انتباہ فرمایا اور صاف لکھ دیا (والناس بعد صنائعنا) لوگ بعد میں ہماری مخلوق ہیں۔ پس جب ہم ان کی مخلوق ہیں تو ان سے عوض حاجات کی ممانعت کس نے کی اور کیسی ہے اور یہ اپنی مخلوق کی حاجت کیوں نہیں پوری کر سکتے۔ ہم اس جملہ کی پوری وضاحت کرنے کی سے قاصر ہیں۔ جس کو ضرورت ہو وہ بحار مجلسی علیہ الرحمہ میں اور اردو خواند حضرات مقدمہ کو کب دری میں دیکھیں جو آج کل اس سے علیحدہ کر دیا گیا ہے (رموز سلطنت خویش خسرواں دانند)

خالق۔ خلق۔ مخلوق۔ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ خالق اور ہے اور خلق اور ہے اور مخلوق اور ہے۔ جس طرح آمر۔ امر۔ مامور میں ہوتا ہے

پس امر نہ ذات آمر میں داخل مانا جاسکتا ہے اور نہ امر کو ذات آمر سے علیحدہ کیا جاسکتا ہے۔ برخلاف اس کے مامور کو آمر سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ بلکہ امر سے ہوتا ہے۔

مثال

مثلاً کوئی آمر اپنے دو مامورین پر امر کرتا ہے کہ (اے فاضل جاؤ پانی لاؤ اور اے عاقل تم جاؤ برف لاؤ) اس امر کو سن کر فاضل آمر کے ساتھ یا اس کے پیچھے ہو جاتا ہے اور عاقل امر کے تحت امر کی تعمیل کو چلا جاتا ہے تھوڑے وقت کے بعد عاقل حاضر خدمت ہوتا ہے اور برف پیش کر دیتا ہے۔ اس وقت آمر فاضل سے پوچھتا ہے پانی لایا ہے۔ تو وہ عرض کرتا ہے مجھے تو آپ سے غرض تھی آپ سے جدا نہ ہوا اور نہ ہو سکتا تھا۔ پانی لانے کے لئے آپ سے جدا ہونا پڑتا تھا۔ اب بتاؤ کہ آمر کس سے خوش ہوگا فاضل سے جو آمر کی ذات سے جدا نہ ہوا۔ آمر کے ساتھ رہا یا کہ عاقل سے جس نے امر کو لیکر تعمیل امر بہ تکمیل کر کے برف حاضر کر دی۔ پس فاضل صاحب خواہ کتنے ہی خلوص سے آمر کے گرد چکر لگاتے رہیں یا کہ سجدہ میں پڑے رہیں کبھی تابعدار نہ ثابت ہونگے۔ کہ انہوں نے امر کو نہیں لیا جس سے آمر کے مخالف ثابت ہو چکے ہیں۔ اور عاقل نے امر کو ساتھ لیکر اور آمر کو چھوڑ کر تکمیل امر میں مصروف رہا اور اپنے وقت پر خدمت میں حاضر ہو کر برف پیش کر دی۔ پس عاقل اگرچہ ذات امر سے جدا رہا اور امر کی تعمیل کر کے واپس آیا تو مطیع اور تابعدار ثابت ہوا پس اس سے فاضل سزا اور

عاقل جزا کا مستحق ثابت ہوا۔

پس اسی طرح خداوند عالم نے اپنی پہلی خلق کو درجہ امر عطا فرمایا اور درجہ مامور میں ان کے بعد کی مخلوق کو رکھا اور تمام مخلوق کو اپنی خلق کے ذریعہ اور ہاتھوں سے مخلوق کیا اور اسی امر کو قرآن مجید اور حدیث قدسی میں بیان فرمایا (مخالفت خلقاً اور خلقت بیدی) میں بیان فرما کر حقیقت واقعیہ کو ظاہر فرمایا اور فرق خلقت کو واضح فرما دیا۔ کہ بغیر ہاتھوں کے خلق کی ہوئی خلقت کو خلقاً یعنی امر کے درجہ میں تخلیق فرمایا اور ہاتھوں سے خلق کی ہوئی مخلوق کو مامور کے درجہ میں رکھا۔ جس سے ثابت ہے کہ بلا واسطہ براہِ راست بالامر خلق کی ہوئی شئ خلقاً میں داخل ہے۔ اور بالواسطہ اور بالوسیلہ خلق کی ہوئی شئ کو مخلوق قرار دیا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بلا واسطہ اور بلا وسیلہ خلق بالوسیلہ اور بالواسطہ مخلوق سے افضل و اعلےٰ اور ارفع ہوتی ہے اور جس قدر اعلےٰ وارفع ہوگی۔ اسی قدر درجات وتصرف میں بلند پایہ اور رفیع الدرجہ ہوگی جس سے ثابت ہے کہ بلا واسطہ خلق کا مقام حقیقی ومعنوی ذات احدیت سے متصل درجہ دوم ہیں مقام اوادنیٰ پر فائز ہے اور اسی کا نام ان اللہ یبعثک علےٰ مقام محموداً (۱۵/۹) ہے۔ اور یہی خلق امری کہلاتی اور ہوتی ہے کہ ان کو مقام امر حاصل ہے کہ بامر الٰہی خلق ہوئی ہے۔ پس اسی وجہ سے ان حضرات نے حسب ضرورت ومصلحت مخلوق کی ہدایت کے لئے ایسے ارشادات انشا فرمائے ہیں جن سے فرس خاضبیت اپنی کنوتیاں پھڑا کر بدکتا ہے اور اپنے ضعف

ایمانی کو چھپانے کی خاطر فتویٰ دیتا ہے کہ یہ غالیوں کے بیانات ہیں۔ کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہٖ ۱۱/۹ کا شکار ہو کر دنیا کو صراط مستقیم سے پھرانے لگتا ہے۔

پس جو شخص خدا کے مقام امر اور خدا کی امری خلق سے توسل رکھ کر ان سے اتصال پیدا کر کے یاایہا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین ۱۱/۹ اور فاسئلوا اھل الذکر کو ان صادقین کے ساتھ رہ کر ان سے پوچھ کر ان کے فرمان کی تصدیق کرتا ہوا اور ان کو ان کے خالق کی صنعت اور صفت خالقیت کا مظہر اکمل تر جانتے ہوئے اور مانتے ہوئے اور ان کی ولایت مطلقہ پر یقین کامل رکھتے ہوئے اپنی ہر حاجت کا ان کو ملجا و ماویٰ خلوص نیت و لُب سے تسلیم کرتے ہوئے ان کے ساتھ (یوم ندعوا کل اناس بامامھم ۱۷/۸) میدان محشر میں حاضر ہوگا تو عاقل مثالی کی طرح (یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا ۱۶) کے انعام کا مستحق ہوگا۔

اور جو ایسا نہ کریگا۔ تو وہ فاضل مثالی کی طرح بروز محشر اپنے اعمال صالحہ کو (لا نقیم یوم القیامۃ وزنا ۱۲/۳) وزن اور ثقل سے خالی پا کر بالاخسرین اعمالاً الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعا ۱۲/۳) کی دلدل میں دھنسا ہوا خدا سے رحم و کرم کی اپیل کرنے کو تیار ہوگا تو اس وقت ان رواۃ کا گروہ جن کو غالی کہا گیا ہوگا خدا سے دعویٰ کریگا کہ خداوندا ہم نے تیرے آئمہ طاہرین علیہم الصلوٰت والسلام

کے ان ارشادات کو بیان کیا جو ہماری ہدایت کے لئے بیان فرمائے گئے تھے۔ تاکہ ہمارے بعد کے محب اہل بیتؑ ان سے ہدایت حاصل کر سکیں۔ ان کو دیکھ کر تیرے ان بندوں نے ہم کو غالی کہا تھا۔ اب تو ان سے پوچھ کہ ہم نے غلو کیا کیا تھا۔ تو اس وقت سوال ہوگا کہ تم نے ان مومنین خالصین کو غالی کیوں قرار دیا تھا۔ اس کے جواب میں شائد یہی عرض کرنا پڑے۔

ربنا انا اطعنا سادتنا وکبراءنا فاضلونا السبیلا $\frac{۲۲}{۵}$
اے ہمارے رب ہم نے اپنے سادات اور بزرگوں کی تقلید کی۔ انھوں نے ہم کو راہ سے بھرائے رکھا۔

اس کے بعد تمام اہل محشر کے سامنے ان غالیوں سے معافی مانگنی پڑیگی اور امید ہے کہ وہ بزرگوار ان کو محب اہلبیتؑ جان کر معافی دے دینگے۔ مگر اس وقت اپنی تقلید سے بیزار اور انکار اور فضائل اہلبیتؑ کا اقرار کرنا پڑیگا۔ لیکن اس سے اس وقت کوئی فائدہ نہ حاصل ہوگا ممکن ہے سزا سے بچا دے مگر خسارہ سے نہ نکال سکیگی کہ ان کے اعمال صالحہ جن کی وجہ سے وہ دنیا میں مقتدا اور پیشوا مشہور تھے ان کا وزن اور ثقل کوئی نہ رہیگا۔ اور یہ حسرت دور نہ ہوگی ؎

جز محبت ہر چہ بُردم سود در محشر نہ داشت
دین و دانش عرض کردم کس بہ چیزے بر نہ داشت

دین اور علم دین اور اعمال صالحہ اور ان کا تقدس جن کی وجہ سے وہ دوسروں کو حقیر شمار کرتے رہے ہونگے۔ وہ بے وزن ہونے کی وجہ سے قابل ثواب وجزا نہ رہینگے صرف محبت کا جز ردنہ

ہوگا جو جنت میں داخلہ کی اجازت تو دلوا دیگا۔ لیکن وہاں کے قیام کے سامان کا فقدان سدراہ ہوگا۔ کہ اعمال صالحہ ہی قیام کا سامان تھا جو بیکار ہو چکا ہوگا۔ محبت اہلبیت کا جز جہنم میں نہ جانے دیگا اور جنت میں فقدان سامان قیام نہ جانے دیگا۔ اس وقت انہی غالیوں سے بھیک مانگنی پڑیگی وہ بزرگوار محب اہل بیت و ناسی اہلبیت میں بے دریغ قیام جنت کا سامان عطا کر دینگے پس جنت میں جاکر کبھی ان غالیوں کی برابری نصیب نہ ہوگی بلکہ ان کے احسان کی غلامی دائماً حسرت و افسوس کے ساتھ گلے میں پڑی رہیگی اس وقت تقدس مآب فاضلیت کو اپنے ان فقروں کی قدر و قیمت معلوم ہوگی۔ (ہاں اپنی حد کے اندر آئمہ سب کچھ خدا کے اذن سے کر سکتے ہیں) اور علیؑ اپنی حد کے اندر مدد کر سکتے ہیں اس کے بعد وہ بھی محتاج غیر ہیں وغیرہم۔

اب ہم اس منزل پر آ پہنچے ہیں جس کے لئے یہ صعب اور مشکل و دشوار گذار سفر طے کیا ہے جس کے لئے ایسے سنگلاخ مقاموں سے گذرنا پڑا ہے کہ اگر ذرا بھر اوپر نیچے حرکت ہو جائے تو جہنم کی گہری گھاٹی میں گرنے کا خوف تھا۔ بلندی میں انوار وحدت واجب الوجود سے جلنے کا خوف تھا اور پستی میں اس کے اوصاف کمالیہ جلالیہ و جمالیہ کلیہ کے مظاہرین کے انوار سے جلنے کا خوف تھا۔ واجب الوجود اور ممکن الوجود کے قرب و اتصال کا نوری مقام ہی وہ مقام ہے جو ملائکہ مقربین اور انبیاء مرسلین کو بھی جلا دیتا ہے۔ اسی وجہ سے وہ اپنے مقام سے آگے نہ بڑھ سکے۔ باوجود نوری مخلوق

ہونے کے اپنے عجز کا اقرار کر گئے۔ اس لئے یہ سفر آسان نہ تھا۔ الحمد للہ علے احسانہ۔ کہ اس کی ذات نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں آخری منزل پر پہنچا دیا ہے والشکر علے منہ و احسانہ

حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"اول الدین معرفتہ وکمال معرفتہ التصدیق بہ وکمال التصدیق بہ توحیدہ وکمال توحیدہ الاخلاص لہ وکمال الاخلاص لہ نفی الصفات عنہ لشہادۃ کل صفۃ انھا غیر الموصوف وشہادۃ کل موصوف انہ غیر الصفۃ فمن وصف اللہ سبحانہ فقد قرنہ ومن قرنہ فقد ثناہ و من ثناہ فقد جزاہ ومن جزاہ فقد جہلہ ومن جہلہ فقد اشار الیہ ومن اشار الیہ فقد حدہ ومن حدہ فقد عدہ ومن قال فیما فقد ضمنہ ومن علام فقد اخل عنہ کائن لا عن حدث موجود لا عن عدم مع کل شیٔ لا بمقارنہ وغیر کل شیٔ لا بمزائلۃ فاعل لا بمعنی الحرکات والالۃ بصیرا اذا لا منظور الیہ من خلقہ"

یعنی دین کی ابتدا خدا کی معرفت سے جاری ہوتی ہے کمال معرفت اس کی تصدیق ہے اور کمال تصدیق اس کی توحید ہے اور کمال توحید اخلاص ہے اور کمال اخلاص نفی صفات سے پیدا ہوتا ہے کیونکہ ہر صفت گواہ ہے کہ وہ اپنے موصوف کی غیر ہے اور ہر موصوف گواہ ہے کہ وہ اپنی صفت کے علاوہ ہے لہذا جس نے ذات خدا کے علاوہ صفات مانے اس نے اس کی ذات کے ساتھ اور ساتھی بنا دئے۔

اور جس نے ذات کا کوئی دوسرا ساتھی مان لیا اس نے دوئی پیدا کر دی۔ اور جس نے دوئی پیدا کی اس نے اس کے جز بنا دئے اور جو اس کے جز کا قائل ہوا وہ اس سے بے خبر رہا۔ اور جو اس سے بے خبر رہا اس نے اس کو اشارہ کے قابل بنا دیا اور جس نے اس کو اشارہ کے لائق بنا دیا اس نے اس کی حد بندی کر دی اور جس نے اُسے محدود جانا وہ اس کو دوسری چیزوں کی صف میں لے آیا جس نے کہا کہ وہ کس چیز میں ہے اس نے اس کو کسی میں فرض کر لیا جس نے کہا کہ وہ کس جگہ ہے اس نے اس سے دوسری جگہ خالی مان لی۔ وہ ہے، ہوا نہیں موجود ہے مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا۔ وہ جسمانی اتصال کی مانند ہر شئ کے ساتھ نہیں اور نہ وہ جسمانی طور پر شئے سے دور ہے وہ فاعل ہے حرکات و آلات کا محتاج نہیں وہ اس وقت بھی دیکھنے والا تھا۔ جبکہ کوئی دیکھی جانے والی شی نہ تھی۔

اس فرمان واجب الاذعان میں فرمایا گیا ہے کہ خالص توحید پرستی یہ ہے کہ اس کی ذات سے صفات کی نفی کر دی جائے جب صفات کی نفی کی جائے تو پھر وہ عین ذات ہی ذات ہے اور ذات کی معرفت محال میں داخل ہے لہذا معرفت خدا غیر ممکن امر ہو گیا جو معرض تکلیف مالایطاق ہو گی۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

یا ھشام اللہ مشتق من الہ والہ یقتضی ما لوھا والاسم غیر المسمی فمن عبد الاسم دون المسمی فقد کفر ولم یعبد شیئا ومن عبد الاسم والمعنی فقد

اشرك وعبد اثنين ومن عبد المعنیٰ دون الاسم فذالك التوحید ولله تسعة وتسعون اسماً فلو کان الاسم ھو المسمیٰ لکان لکل اسم منھا الہ ولکن اللہ معنی یدل علیه بھذه الاسماء وکلھا غیره (الکافی)

ہشام بن الحکم سے حضرت صادق علیہ السلام فرماتے ہیں اے ہشام اللہ الہ سے مشتق ہے اور الہ مالوہ کو چاہتا ہے اور اسم غیر مسمیٰ ہے پس جو مسمیٰ یعنی معنیٰ کو چھوڑ کر اسم کی عبادت کرلے وہ کافر ہے اس نے کسی کی عبادت نہیں کی اور جو اسم اور معنیٰ دونوں کی عبادت کرے دونوں کے مجموعہ کو پوجے وہ مشرک ہے دو کی عبادت کرتا ہے اور جو مسمیٰ اور معنیٰ الہ کی عبادت کرے اور اسم کی نہ کرے تو یہ صحیح توحید ہے اور اللہ کے ۹۹ نام ہیں اگر اسم اور مسمیٰ ایک ہوں یعنی ہر اسم کے لئے ایک علیحدہ معنیٰ اور وجود ہو تو پھر ۹۹ ہی معبود ہو جائینگے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ ایک ہی حقیقت و معنیٰ ہے۔ جس پر یہ اسماء دلالت کرتے ہیں اور اس کا پتہ دیتے ہیں۔ اور یہ تمام اسماء غیر مسمیٰ ہیں۔ پس اسم اللہ اور ہے اور معنی اسم اللہ اور ہے یہ لفظ ہے اور وہ معنیٰ ہے۔

پس ان ارشادات عالیہ سے ظاہر ہے کہ عبادت خدا کی ذات کی ہے جو اسم اللہ کا معنیٰ و مقصد ہے اس کی چاہیئے نہ کہ اسم کی۔ اسم کی عبادت کفر میں داخل ہے لیکن ذات احدیت کی معرفت محال میں داخل ہے۔ جب ذات سے صفات کی نفی کردی جائے اور صفات سے پیدا ہونے والے اسماء حسنہ کو علیحدہ کر دیا جائے تو پھر وہی (کنت

کنزاً مخفیاً) کا مقام آجاتا ہے یہی مقام ھو یا کہ ھٗ کہا جاتا ہے۔ لیکن یہ اشارہ ایجاد ہے اور ایجاد کا مشارٌ الیہ واجب الوجود کنز مخفی ہرگز نہیں ہو سکتا لہذا ھو یا ہٗ مخلوق کے موہوم کا مشارٌ الیہ ہی ہوگا۔ جس کو ذات واجب الوجود سے کوئی تعلق نہیں۔

ہم "جماعت موحدہ" یا کہ وہابیت اور اس کی مقلد مقدس فاضلیت کو چیلنج دیتے ہیں کہ وہ ہمت کریں۔ یہاں پہنچ کر دکھائیں۔ اگر ایسا کریں تو منہ کی کھائیں۔ کون ہے جو اس مقام میں داخل ہو سکے یا اپنی آواز التجا وہاں تک پہنچا سکے اگر ایسا ہو سکے تو وہ کنز مخفی نہ رہے اور وہ مقام کنز مخفی تھا اور ہے لہذا وہاں تک ہرگز کسی کی رسائی نہیں۔ اسی لئے ایمان کو اتقوا اللہ سے مامور کیا گیا ہے جس ایمان میں اتقوا اللہ خوف خدا داخل ہے وہ ایمان تو ایسا وہم خطور بھی نہیں کر سکتا اور جس ایمان میں خوف خدا داخل نہ ہو وہ ایمان ہی نہیں پھر جو چاہے کرے اس سے ہمارا کوئی تعلق نہیں بلکہ خدا و رسول و امام کا بھی کوئی تعلق نہیں۔

پس جس ایمان میں خوف خدا داخل ہے اس کو امر کیا گیا ہے کہ کونوا مع الصادقین کا اور یہ معیت دائمیہ ہے۔ بہرحال ہر مقام پر اور ہمیں صادقین کے ساتھ رہنا ہے نہ ان سے آگے بڑھنے کا نہ پیچھے رہنے کا حکم ہے اور یہ معیت ایمانی و روحانی توسل و توصل ہے اسی تک ہماری ایمانی و روحانی وسعت کی حد ہے۔ اس سے بالا عروج کا کوئی مقام نہیں۔ مخلوق کا عروج اسی حد تک ہو سکتا ہے۔ پس ہم نے مقدس فاضلیت کے اس جملہ کہ "علیؑ اپنی حد کے اندر مدد امداد کر سکتے ہیں

اپنی حد سے باہر وہ بھی محتاج غیر ہیں" کے جواب میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وہ حد وسعت ظاہر کی ہے جو خدا نے ان کو عطا فرمائی ہے کہ وہ اس حد سے بالا کچھ نہیں کر سکتے اور اس حد کے بعد جو کچھ کیا گیا یا کہ ہوا ہے وہ سب ان کی حد کے اندر ہے اور تھا اور ہوگا یہی انکا ارشاد ہے ہمارا قیاس نہیں جو بیان ہو چکا ہے اور ہوگا۔

حدیث قدسی سے واضح ہے کہ وہ مقام کنز مخفی ذات احدیت واجب الوجود ازلی کو محبوب نہ تھا۔ اگر محبوب ہوتا تو اس کو ہرگز نہ بدلتا پس اس نے اس حال کنز مخفی کو بدل کر ثابت کر دیا کہ میں ہر طرح کے کمال کا مخفی خزانہ تھا لیکن اپنے کمال کا وہ حال مجھے پسند نہ ہوا۔ (فاجبت ان اعرف) پس مجھے پسند ہوا مجھے پیارا ہوا مجھے محبوب ہوا کہ میں پہچانا جاؤں یہی حد ہے امیرالمومنین علیہ السلام کی جب خدا کی چاہت وخواہش ومنشاء وارادہ نے معرفت کی طرف جہاں سے حرکت کی وہیں سے حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کی حد جاری ہوگئی جو ان کے ہی ارشادات سے ثابت ہے۔

اب ہماری مقدس فاضلیت یا تو اس حد کو توڑ کر دکھائے۔ یا پھر عالم امکان میں جو کچھ اس حد سے باہر ہے اس کو ثابت کرے اور امیرالمومنینؑ کا مقام عجز ثابت کرے پس جہاں تک اس کنز مخفی کا حال تھا حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حد اختیار سے باہر تھا اور جہاں سے اس کنز مخفی نے اپنی اس حالت کو بدلا وہیں سے حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حد جاری ہوگئی۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہر ایک کا علم وعقل جلتا

ہے۔یہی حدیل صراط کی صورت رکھتی ہے کہ یہ حد تفریق بھی رکھتی ہے اور وصل بھی رکھتی ہے اسی لئے فرمایا گیا ہے:۔

لا یعرف اللہ الا انا و علی ولا یعرفنی الا اللہ و علی ولا یعرف علی الا اللہ و انا اور فرمایا گیا ہے امرنا صعب مستصعب لا یحتملہ ملک مقرب ولا نبی مرسل ولا مومن ممتحن اور فرمایا ہے نحن ھو و ھو نحن و مع کلہ ذالک ھو ھو و نحن نحن۔ اسی لئے فرمایا ہے کہ معرفتی بالنورانیہ معرفت اللہ عز و جل۔

افسوس ہے کہ اہل اسلام نے قرآن مجید کلام خدا کو صرف ایک قصہ کے طور پر سمجھ رکھا ہے حقیقت واقعہ کی صورت تک نہیں سمجھا اگر قرآن مجید کو خدا کی سچائی اور حقیقت واقعہ کی صورت میں سمجھا جاتا تو مسلمانوں کے اعتقاد میں موجودہ خرابیاں اور افتراق کی صورتیں نہ پیدا ہوتیں جو اہل بصیرت سے مخفی نہیں۔

ہمیں ایسے الفاظ نہیں مل سکتے جن سے اس حد کی تفریق اور توسل و اتصال کی طرف اشارہ بھی کر سکیں۔ وجوب اور امکان کی حد کا خط جو نہ تو ایک ہونے دے اور نہ ہی علیحدہ اور دو ہونے دے جس سے علیحدہ علیحدہ بھی رہیں اور متصل بھی رہیں اس لئے اس مقام پر سوائے کلام خدا اور کچھ پیش کرنے کی جرأت نہیں ہو سکتی اس کی ذات لقدس کا فرمان ہے:۔

الرحمٰن ٥ علم القران خلق الانسان علمہ البیان ۲۷/۱۱ رحمٰن

رحمان نے ہی قرآن کی تعلیم دی انسان کو خلق کیا اس کو بیان کرنے

کی تعلیم دی۔

یہ نہایت ہی مختصر چھوٹے چھوٹے چار جملے ہیں یعنی چار آیات مبارکہ ہیں بالکل اختصار سے بیان فرمائے گئے ہیں لیکن ان جملوں میں خالق رحمان سے لیکر تا احد ابد سب کچھ بھر دیا گیا ہے اگر اس کی تفسیر کی جائے تو کل جن وانس اور بحر و شجر بلکہ ملک بھی نہیں کر سکتے چہ جائیکہ ایک عام آدمی یا کسبی عالم یا کہ مفسر اس کی تفسیر کر دے۔ اور وہ بھی بالراء نہ کہ تعلیم خدا سے مستنبط بلکہ قیاسی گھوڑ دوڑ سے صفحات کو سیاہ کر کے مدعی تفسیر ہو جائے ہم صرف چند اشاروں پر اکتفا کرتے ہوئے اپنی آخری منزل حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام کی حدر فیعہ کا خاکہ دکھا کر ختم کرتے ہیں۔

اس کلام میں اوّل اسم رحمٰن کو ارشاد فرمایا گیا ہے۔ رحمٰن صفت رحمانیت کے لئے اسماء حسنہ میں سے ایک اسم مقدس باری تعالیٰ ہے ذات احدیت جب تک اوصاف کمالیہ کا مخفی خزانہ تھی تب تک اس اسم رحمٰن سے نہ پکاری جاتی تھی اور نہ ہی اسم خالق اور نہ معلم سے پکاری جا سکتی تھی۔ کیونکہ اس وقت ذات احدیت تمام اوصاف حسنہ کمالیہ کا مجموعہ ہی تھی۔ اس نے اپنی کسی صفت حسنہ کا ظہور ہی نہ فرمایا تھا۔ صفات تو موجود تھیں مگر عمل میں نہ لائی گئی تھیں۔ سب سے اول جس صفت کو ظہور کے لئے حرکت دی گئی تھی وہ صفت حُب تھی (فاحببت) اور یہ صفت اسی رحمانیت سے پیدا ہوتی ہے گو یہ صفت اپنے مقام پر مستقل صفت (ان اللہ یحب المحسنین) ۲/۸ اور واللہ لا یحب کل کفار اثیم ۲/۶ وغیرہ لیکن رحمانیت،

سے اس کا جدا کرنا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے کیونکہ صفت حب رحمانیت سے اشد اتحاد رکھتی ہے پس جب حبّ نے بصورت خواہش حرکت کر کے مقام (مخلقت) سے عبور کیا تو رحمانیت سے مل کر رحمانیت میں جذب ہو کر (خلقا) کی معلم بن گئی۔ فتفکروا فیہ

تعلیم کے لئے معلم اور متعلم اور علم اور مقام تعلیم اور طریقہ تعلیم کا ہونا اشد ضروری ہے ۔ اس کے بغیر عمل تعلیم نہیں ہو سکتا۔ پس معلم خدائے رحمٰن تھا اور علم قرآن کا تھا۔ اور مقام تعلیم مقام خلقاً تھا اور متعلم اوّل ما خلق اللہ نوری و روحی کی وہ روحانیت تھی جس کو قرآن عطا ہوا اور طریقہ تعلیم وہبی و موہبتی تھا جس میں درس و تدریس کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ خلقاً میں داخل ہوتی ہے

عام حسی قاعدہ ہے کہ ہر معلم اپنے متعلم کو یعنی طالب علم کو اول نمونہ بتا کر دیتا ہے پھر اس کے مطابق طالب علم سے عمل کراتا ہے اسی عمل کو تعلیم دینا کہا جاتا ہے۔

مقصد بیان یہ کہ ہر معلم کا نظریہ یہ ہوتا ہے کہ میرا طالب علم متعلم اس فن میں میری طرح قابل اور لائق ہو جائے۔ اس واسطے نمونہ دیکر اس سے مشق کراتا ہے ہر معلم کا یہ عمل اس امر کا ثبوت ہے کہ معلم اپنے ارادہ کو پورا کرنے پر قادر نہیں ہے اس واسطے وہ طالب علم کی لیاقت اور مشق کی محنت و مشقت سے مدد لیکر اپنے ارادہ کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن قرآن مجید کا معلم خداوند عالم قادر مطلق ہے ان اللہ علی کل شیٔ قدیر ہر امر پر قادر ہے اس کو اس طریقہ کار اور عمل کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اس کی تعلیم اس طرح نہیں ہوتی۔

بلکہ اس کی تعلیم کا طریقہ کار اور عمل اور ہے اس کی تعلیم خلقتاً ہوتی ہے یعنی کسی کو اسی صفت پر یا کہ انہی اوصاف کے ساتھ خلق کر دینا ہے۔ یعنی وہ وجود اقدس اول الخلق (اول ما خلق اللہ نوری و انا و علی من نور واحد) جب عدم سے وجود میں آیا یا کہ لایا گیا تو کل علوم قرآن کا عالم تھا اور ایسا ہی عالم تھا جیسا کہ اس کا معلم خداوند عالم چاہتا تھا اور جس قدر قرآن مجید میں علوم الٰہیہ ہیں سب کا عالم تھا۔ (الرحمٰن علم القرآن) پورے قرآن کا عالم تھا۔ فرق صرف معلم اور متعلم طالب علم اور شاگرد اور استاد کا ہے۔ خداوند عالم علم قرآن کا عطا فرمانے والا تھا اور یہ وجود اقدس یعنی خلق اول و انسان اول علم حاصل کرنے اور لینے والا تھا۔ علم قرآن ایک ہے دینے والے اور لینے والے کا فرق ہے۔ دینے والے اور علم عطا کرنے والے تعلیم دینے والے کا یہ علم ذاتی ہے کسی غیر سے نہیں لیا اور لینے والے اور پانے والے اور تعلیم حاصل کرنے والے کا یہ علم ذاتی نہیں ہے، بالذات ہے کہ اس کو ذات کے ساتھ عطا ہوا ہے جب اس کی ذات نہ تھی تو علم بھی نہ تھا۔ اور جب اس کی ذات اقدس کو خلق کیا گیا تو عالم خلق کیا گیا۔ اسی کو علم وہبی اور موہبتی اور لدنی کہا جاتا ہے۔ (و اٰتیناہ من لدنا علماً) اس کے بعد فرمایا ہے۔ خلق الانسان (رحمٰن ۲۷) جس سے واضح ہے کہ یہ خلقت تعلیم کے بعد کی ہے جس کو دوسری خلقت بھی کہا جا سکتا ہے۔ پہلی خلقت تعلیمی تھی یعنی پہلی خلقت میں تعلیم علم تھی۔ اور دوسری خلقت کے بعد علمہ البیان فرمایا ہے کہ دوسری خلقت کے بعد بیان کی تعلیم دی گئی تھی۔ پس پہلی

خلقت باطنی اور غیبی مقام غیب میں علمی خلقت تھی۔ اسی لئے ان کو اوتو العلم اور اتینا ھم الکتاب کہا گیا ہے۔ اس سے علم وعمل حاصل تھا۔ مگر طریقہ والفاظ بیان کی تعلیم نہ دی گئی تھی۔ دوسری خلقت ظاہری جسمانی میں طریقہ بیان یعنی لہجہ قرآن اور الفاظ قرآن کی تعلیم دی گئی تھی اور اس میں مصلحت خاص تھی جس کے بیان کا یہ مقام ومحل نہیں جس کو اس فرمان میں بیان فرمایا گیا ہے۔

قل لو شاء اللہ ما تلوته علیکم ولا ادرٰئکم به فقد لبثت فیکم عمراً من قبله افلا تعقلون ۱۱/۲ تم کہدو کہ اگر خدا چاہتا تو میں تم پر اس کو نہ پڑھتا اور نہ ہی اس کی تم کو خبر دیتا بے شک میں اس سے پہلے بھی تم میں ایک عمر رہ چکا ہوں کیا تم عقل نہیں رکھتے۔

پس اس بیان سے ثابت ہے کہ خدا نے اپنے رسول کو علوم قرآن کی تعلیم خود بذاتہ پہلی خلقت میں ہی دیدی تھی اور علوم قرآن کا احاطہ اور وسعت کی بابت فرماتا ہے۔

ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین ۷/۱۴ اور فرماتا ہے وما غائبة فی السماء والارض الا فی کتاب مبین ۲۰/۲ کوئی خشک وتر شئی اور آسمان وزمین کی غائب وظاہر ایسی شئی نہیں جو ظاہری کتاب میں موجود نہ ہو لہٰذا قرآن کی تعلیم ہر شئی کا علم احاطی وکلی آپ کو خلقت اولیٰ کے ساتھ ہی عطا فرما دیا تھا اور علوم قرآن میں خلقت اشیاء کا علم بھی موجود ہے۔

ھو الذی خلق الازواج کلھا تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون (یٰسین)، قال ربنا الذی اعطی کل شئی

خلقه ثم هدیٰ پ۱۶ - وہ وہی ہے جس نے خلق کیا کل جوڑوں کو جو کچھ زمین سے اُگتا ہے اس سے اور تمہارے نفسوں سے اور اس چیز سے جس کو تم نہیں جانتے۔

موسےٰ نے کہا ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر شئی کو خلقت عطا کی پھر ہدایت کی۔

پس ان آیات اور ان کے علاوہ دیگر آیات جہاں ذکر خلقت کا بیان ہوا ہے ان کے علم کی تعلیم میں ہر شئی کو خلق کرنا نہیں سکھایا گیا تو اور کیا سکھایا گیا تھا اور کیا تعلیم دیا گیا تھا۔ قانون و قواعد تعلیم علم کے مطابق غور و فکر کریں۔ تعلیم علم کو قرأت و تلاوت نہ بنا ڈالیں لے

پس اس صورت میں جو عرض کیا گیا ہے اس کے سوا اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا اور نہ ہی قواعد تعلیم سے باہر لایا جا سکتا ہے۔ علم کی تعلیم اور الفاظ کی قرأت کا فرق قائم رکھیں۔ اور اس کے ساتھ یہ بھی خیال رکھیں کہ کل اسماء حسنہ اسم اللہ کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کر چکے ہیں اور جس طرح ہر اسم کے لئے ایک مظہر اسم کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح اسم اللہ کے لئے بھی ایک مظہر اسم کی ضرورت تھی جس طرح تمام اسماء حسنہ کا مرجع اسم اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح مظہر اسم اللہ بھی تمام مظاہر اسماء حسنہ کا مرجع و مرکز ہونا لازمی ہے لہذا اسی کی خلق اول اور تعلیم کی سب سے اول ضرورت لازمی تھی۔ اسی واقعہ کو سورہ رحمٰن کی پہلی آیت میں بیان فرمایا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہے کہ اس تعلیم میں خلق اول کو اپنے تمام اوصاف کمالیہ کی مظہریت سے مزین فرمایا گیا تھا اور اس کو اپنے تمام اوصاف

لے تعلیم کو صرف قرأت و تلاوت کی حد تک سمجھ کر ہی تو مسلمان سائنس میں بھی پیچھے رہ گئے (مؤلف)

کمالیہ جلالیہ و جمالیہ کلیہ کا مظہر تامہ کا عہدہ عطا فرما کر اپنے تخت
ولی مطلق علے الکل قرار دیا۔ اسی امر کو امیر المومنین علیہ الصلوات
والسلام اپنے زمان میں (باذن اللہ و بامر اللہ و بامر ربی)
سے تعبیر فرمایا ہے جس کو ہماری خاضلیت "ہاں وہ باذن خدا سب
کچھ کر سکتے ہیں" میں نہ معلوم کس طرح منسوب کرتی ہے۔ حضرت
امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام اس اذن وامر الٰہیہ سے عہدہ و مرتبہ
کا حصول و اختیار ثابت فرماتے ہیں اور خاضلیت ان کا عجز اور احتیاج
ثابت کرتی ہے جو خلاف عہدہ و مرتبہ ہے۔ بینھما بعد بعید جو دونوں
ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

پس سورہ رحمٰن کی ان آیات سے خداوند عالم ثابت فرما رہا ہے
کہ میں نے جس اپنی خلق کو اپنی معرفت تامہ کی غرض سے خلق فرمایا تھا
اس کو اپنی تعلیم سے مزین کر کے اپنے کل اوصاف کمالیہ و جلالیہ و جمالیہ
کا مظہر تام کا مرتبہ و درجہ و عہدہ عطا فرما کر ان کے بعد کی مخلوق کا
خالق بنا دیا اگر یہ لفظ گوارا نہ ہو تو یوں سمجھ لو کہ ان کے بعد کی
مخلوق کے خلق ہونے کا ذریعہ بنا دیا۔ لولاک لما خلقت
الافلاک (حدیث قدسی) اس سے تو گریز نہیں ہو سکتا۔ اور
عہدہ و مرتبہ و درجہ کے عطیہ کی اس طرح خبر دیتا ہے:۔

رفیع الدرجٰت ذوالعرش یلقی الروح من امرہ علےٰ من
یشاء من عبادہ لینذر یوم التلاق ۲۴/۲

مالک عرش ہی درجات کو بلند کرنے والا ہے اپنے بندوں میں سے
جس کو چاہتا ہے اپنے امر سے روح کو القا فرماتا ہے۔ عطا فرماتا ہے۔

تاکہ وہ قیامت کے دن کی ملاقات سے لوگوں کو ڈرائے ۔

کذلک اوحینا الیک روحاً من امرنا ما کنت تدری ما الکتٰب والایمان ولکن جعلنٰہ نوراً نھدی بہ من نشاء من عبادنا وانک لتھدی الی صراط مستقیم ۲۵/۶

اور ایسے ہی ہم نے اپنے امر سے تم کو روح عطا کی جس سے پہلے تو کتاب اور ایمان کو نہ جانتا تھا۔ لیکن ہم نے اس روح کو نور بنا دیا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں بے شک تو ضرور ہی سیدھے راہ کی طرف ہدایت کرنے والا ہے ۔

پہلی آیت کا ذکر حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام نے اپنے ارشاد عالیہ میں فرما دیا ہے جو مذکور ہو چکا ہے کہ خداوند عالم جس کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے اس کو یہی روح عطا فرماتا ہے ۔ جائے تفکر ہے ۔ کہ روح ہر انسان بلکہ جن کو بھی عطا ہوتی ہے لیکن اس روح کو نذارت یوم قیامت نہیں دی جاتی ۔ اور جس کو یہ روح دی جاتی ہے ۔ اسی کو نذارت کا عہدہ بھی دیا جاتا ہے اور یہ بھی ثابت ہے کہ اس روح کا عطا کرنا کسی عمل وغیرہ کی جزا نہیں بلکہ منشاء الٰہیہ سے عطا ہوتی ہے خداوند عالم جس کے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے اسی روح کے عطیہ سے ہی بلند فرماتا ہے جس سے دو باتوں کا ثبوت ملتا ہے (۱) ایک یہ ہے کہ خداوند عالم نے بلندی درجات کا ذریعہ اسی روح کو قرار دیا ہے جس کو یہ روح نہ دی جائے وہ بلند درجہ نہیں ہو سکتا (۲) دوسرا یہ ہے کہ قیامت سے ڈرانے

کا عہدہ اسی روح کو عطا ہوتا ہے۔ جب یہ روح پیدا کی گئی تھی اسی دن سے عہدہ تنذرات پر فائز تھی یعنی خدا کی رسالت مع لوازمات رسالت اسی روح کو خلقاً عطا کردئے جاتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اسی روح کو رسول بنایا جاتا ہے یہی روح اوصاف رسالت سے متصف و مزین ہوتی ہے اور شناخت اس روح کی یہ ہوتی ہے کہ عالم دنیا میں آکر یہ روح کسی دنیاوی و کسبی عالم و معلم کی تعلیم کی محتاج نہیں ہوتی۔ اور نہ ہی اس پر غیر اسلامی ماحول اور تعلیم کا اثر پڑتا ہے بلکہ وہ دنیاوی معلم کی تعلیم کو اس طرح باطل ثابت کرتی ہے جس کا جواب کسی سے ہو ہی نہیں سکتا اور اسی روح کی طاقت و قوت سے وہ وہ کام کرتی ہے جس سے دنیا عاجز آجاتی ہے اور اس کے ان افعال کو معجزہ تسلیم کر لیا جاتا ہے۔ جس کا ذکر فرمان امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام میں گذر چکا ہے۔

دوسری آیت مبارکہ میں خداوند عالم حضرت ختمی المرتبت رسولؐ خدا کو مخاطب فرما کر فرماتا ہے کہ اے میرے رسولؐ میں نے تجھے اپنے امر سے روح عطا کی ہے یعنی روح امری ہے جس سے پہلے تو کتاب اور ایمان کو نہ جانتا تھا لیکن ہم نے اس روح کو نور بنا دیا ہے جس کے ذریعہ سے ہم جس کو چاہتے ہدایت کرتے اور بے شک تو سیدھی راہ کی ہدایت کرنے والا ہے۔

اس آیت میں خداوند عالم اپنے رسول کی مدح فرما رہا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مسلمان اس آیت سے رسول خداؐ کی قدح ثابت

کرتے ہیں کہ رسولؐ کتاب و ایمان کو نہ جانتا تھا کتاب و ایمان سے جاہل تھا۔ استغفر اللہ من ھذہ الوسواس الخناس۔

کس قدر تضاد ہے کہ خدا تو رسولؐ کی مدح کرے اور اس کے کلمہ گو توحید پرست امتی یہ ثابت کریں کہ جبرئیل کے نزول سے پہلے رسول کتاب و ایمان کو نہ جانتا تھا۔ یہ بحث کئی حضرات نے اس غیرناصح سے کی ہے اور اسی آیت سے رسول کی جہالت ثابت کرنیکی کوشش کی ہے۔

اور یہ بھی ظاہر ہے کہ تفہیم قرآن و احکام قرآن میں جس قدر اختلاف اور تفرقہ اور فرقہ بندی پیدا کی ہے وہ علوم مروجہ کے علماء نے قواعد علوم مروّجہ کی مدد سے پیدا کی ہے خدا اور رسول اور قرآن اور احادیث نے نہیں بلکہ علماء ہی نے ان علوم مروجہ سے پیدا کی ہے۔ جن کو تفہیم قرآن و احکام قرآن کے حصول کے لئے حاصل کیا جاتا ہے جن پر افہام و تفہیم قرآن کا معیار مقرر کیا جاتا ہے ان سے ہی اختلاف کی پیداوار کی جاتی ہے۔ اور ان علوم کے جاننے والوں اور پڑھانے والے سے سنا گیا ہے کہ رسولؐ وحی سے پہلے کتاب اور ایمان کو نہ جانتا تھا۔ اس لئے ان علوم اور ان کے علماء کی مدد سے مطالب و مقاصد آیات قرآن کو معلوم کرنے سے گریز کی جاتی رہی ہے اور متذکرہ امر کو بھی معلوم کرنے سے گریز ہی کرتے ہیں۔

اگر مذکورۃ الصدر آیت میں مدح سے مراد جبرائیل اور وحی سے مراد وہ وحی لیں جو آپ پر بذریعہ جبرئیل سب سے اول کی گئی تھی۔ تو اس وحی کا ہونا باتفاق اھل الاسلام غار حرہ میں چالیس سال کی عمر کے بعد تسلیم کیا گیا ہے اور اسی کی تائید قرآن مجید

سے بھی ہوتی ہے جس کو بیان کر دیا گیا ہے (فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ ۱۱/۲) اس پر نص ہے کہ آپ پر ایک عمر کے بعد جبرئیل نازل ہوا تھا۔ لہذا اس صورت میں آپ کی پہلی عمر یعنی چالیس برس تک آپ کو اس آیت کی نص سے کتاب اور ایمان سے ناواقف بے خبر یعنی جاہل ماننا فرض ہو گیا جو ایسا نہ کرے۔ وہ اس آیت کا منکر ہو گیا اور خداوند عالم کی تکذیب کرنے والا ہو گیا۔ اور اس طرح یہ آیت رسول کی مدح میں نہیں قدح میں ثابت ہو گئی اور قدح ہمیشہ مخالف کی کی جاتی ہے۔ تابعدار اور متبع کی نہیں کی جاتی۔ اور مخالف اور باغی کو کبھی عہدہ رسالت نہیں دیا جاسکتا۔ نہ دیا گیا۔ لہذا آپ کی رسالت کا اقرار مشکوک ہو گیا۔

اس طرح یہ آیت سورہ رحمٰن کی پہلی آیت کی ضد ثابت ہو گی۔ جو مذکور ہو چکی کہ اس میں فرمایا ہے کہ رحمٰن نے قرآن سکھا کر انسان کو پیدا کیا اور قرآن ہی کتاب ہے (ذالک الکتٰب لا ریب فیہ ۱/۲) اور اس میں ایمان کا ذکر ہے پس ایک آیت بتاتی ہے کہ رسولؐ خدا کو خدا نے سارے قرآن کی تعلیم دے کر پیدا کیا تھا اور دوسری آیت سے مسلمان ثابت کرتے ہیں کہ رسولؐ چالیس سال تک قرآن یعنی کتاب اور اس میں ذکر کئے ہوئے ایمان سے جاہل بے خبر اَن جان تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایک آیت میں دوسری کی رد ہو رہی ہے۔ اور تضاد آیات ابطال قرآن کی دلیل ثابت ہوا جب قرآن باطل ثابت ہو جائے تو توحید و نبوت بھی باطل ثابت ہوئی اور خود قرآن کے قانون سے باطل ثابت ہوئی کہ خدا فرماتا ہے۔

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (۵/۸) پس کیا قرآن میں غور نہیں کرتے کہ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو اس میں بہت ہی زیادہ اختلاف پاتے پس کذالک اوحینا الیک روحاً من امرنا۔ میں روحاً سے مراد جبرائیل لینے سے اتنی خرابیاں لازم آتی ہیں جو خدا و رسولؐ اور کتاب وغیرہ سب کا ابطال ثابت کرتی ہیں۔ باوجود اس کے فاضلان علوم کسبیہ و درسیہ اسی کو ثابت کرتے اور نشر کرتے ہیں۔ اور مغلوب و محجوب ہونے کے بعد بھی وہی عقیدہ رکھتے اور نشر کرتے ہیں اور اسلام کے دائرہ میں ایسے فضیلت مآب موجود ہیں اور یہ محض توحید پرستی کی حب میں ہوتا ہے عظمت توحید کی خاطر توحید کی تکذیب کی جاتی ہے۔

ترسم کہ بکعبہ نرسی اعرابی ایں راہ کہ مے روی بترکستان است (سعدی علیہ)

سعدی علیہ الرحمہ نے ایسے عربی دان حضرات سے عرض کیا تھا۔ پس اس آیت میں روحاً من امرنا سے مراد جبرائیل نہیں ہیں۔ بلکہ یہ روح امری کو فرمایا گیا۔ جو انبیاء سے مخصوص ہوتی ہے اور کسی کو نہیں دی جاتی پھر انبیا کے لئے بھی حسب مدارج نبوت عطا فرمائی جاتی ہے جیسا کہ خداوند عالم نے حضرت آدم علیہ السلام کے ذکر میں بیان فرمایا ہے۔

فاذا نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین ـــــ

اور جملہ انبیاء کے لئے فرمایا ہے۔ (وایدھم بروح منہ ۲۸/۳)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں فرمایا۔ وایدنہ بروح القدس ۳/۱ ۱/۷ پس آیات میں روح کو من تبعیضہ اور بائے بعضیہ سے بیان

فرما کر روح کی جزویت ثابت کر دی ہے کہ جزوی روح رکھنے والے انبیاء جزوی نبی تھے۔ یہ علیحدہ بحث ہے۔ ایدهم بروح منه کا مصداق کون ہیں اور ان کا ذکر کن کے حق میں بیان ہوا ہے جو اس روح کی حقیقت جاننے والوں سے پوشیدہ نہیں پس حضرت آدمؑ کے لئے من روحی اور دیگر انبیاءؑ کے لئے بروح منه اسی روح ہیں سے فرما کر ثابت فرما دیا ہے کہ جزوی نبوت کو جزوی روح دی گئی تھی نبوت جزوی۔ اور جب حضرت عیسٰیؑ کا مقام نبوت آیا جو سابقہ انبیاء و اولوالعزم سے بھی فضیلت رکھتے تھے (تلک الرسل فضلنا بعضهم علیٰ بعض $\frac{۳}{۱}$) تو اسی روح منه کو روح القدس فرمایا گیا جس کو دوسری جگہ فنفخنا فیه من روحنا پس پھونکا ہم نے اس میں اپنی روح میں سے اگرچہ اس روح کو روح القدس کہا گیا ہے لیکن پھر بھی یہ روح جزوی حیثیت ہی رکھتی تھی کہ نبوت جزوی کے لئے دی گئی تھی جس سے ثابت ہے کہ آدمؑ سے لیکر عیسٰیؑ علیہ السلام تک تمام انبیاء و مرسلین کو جزوی نبوت عطا فرمائی گئی تھی اس لئے ان کو روح بھی جزوی ہی عطا فرمائی تھی کہ ظرف مطابق مظروف اور محل مطابق حال ہی ہوا کرتا ہے اس لئے جزوی نبوت کے لئے روح جزوی کی ضرورت تھی۔

اور جب مقام نبوت کُلیّہ کا آیا تو اس کے حال کے مطابق محل اور اس مظروف کے مطابق ظرف کا بدلنا بھی لازمی و ضروری تھا اگر ایسا نہ ہوتا اور نہ کیا جاتا تو محل اور ظرف غیر مناسب ہونے کی وجہ سے نبوت کلیّہ کو برداشت ہی نہ کر سکتا اور ایسا عمل خداوند عالم

کی حکمت و مصلحت کے خلاف ہوکر اس کی حکمت اور مصلحت کے خلاف ہی نہ پڑتا بلکہ اس کی خدائی یعنی اس کے خدا ہونے کی نفی کا ثبوت ہو جاتا ہے۔

لہٰذا خالق عالم نے اس مقام پر محل اور ظرف کو مطابق حال و مظروف تبدیل فرما کر ارشاد فرمایا رفیع الدرجٰت ذوالعرش یلقی الروح من امرہٖ علیٰ من یشاء من عبادہٖ لینذر یوم التلاق۔ صاحب عرش ہی درجات کو بلند کرنے والا ہے عطا کرتا ہے روح کو اپنے امر سے جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے تاکہ وہ قیامت کے دن کی ملاقات سے لوگوں کو ڈرائے۔

پس قیامت سے ڈرانے والا ہی رسول ہوتا ہے یا پھر اس کا خلیفہ جو امام مخلوق ہوتا ہے۔ پس سابقہ ڈرانے والوں کے لئے من روحی اور من روحنا اور بروح منہ فرمایا گیا تھا۔ اب نبوت کلیہ کے لئے الروح من امرہٖ فرمایا ہے۔ پس حال اور مظروف بدلا تو محل اور ظرف کو بھی بدل دیا۔ من روحی و من روحنا کی جگہ الروح من امرہ فرما کر کامل روح بلکہ اکمل و اکمل تر روح کو اپنے امر کی طرف منسوب فرما دیا جس سے ثابت ہوا کہ نبوت کلیہ کے بار کے اٹھانے کے لئے روح کلی اور امری کی ضرورت تھی پس اس روح کو روح امری اور روح نوری اور روح علمی بھی کہا گیا۔ الروح سے اکمل تر اور روح امری سے امر خدا سے منسوب روح اور روح نوری سے نور سے پیدا کی ہوئی روح اور روح کلی سے پوری اور تام روح اور روح علمی سے خداوند عالم سے قرآن کی تعلیم پانے والی روح کہا جانے لگا۔ اور اسی

کو عقل کل بھی کہا گیا۔ پس صاحب عرش و مالک عرش اپنے بندوں میں سے جسکے درجات کو بلند کرنا چاہتا ہے تو اسکو یہی روح امری عطا فرماتا ہے بغیر اس روح امری کے عطا فرمانے کے کسی کے درجات بلند نہیں ہو سکتے یہ روح ہی رسول خداؐ کو عطا ہوئی کہ بار نبوت کلیہ کا اٹھانا اسی روح کا عمل تھا کہ جزوی روح بار نبوت کلیہ قطعاً نہیں اٹھا سکتی کہ اس کا ظرف اس مظروف اور محل اس حال کے مطابق نہیں ہوتا یہاں یہ اس بات کو ذہن نشین کرلیں کہ جب اس نبوت کلیہ کے ختم کا مقام آئیگا تو اس کی خلافت و نیابت کے لئے بھی اسی روح کی ضرورت ہو گی۔ اس روح کے عطیہ کے بغیر نبوت کلیہ کی خلافت کا بار جزوی روح نبوت بھی نہیں اٹھا سکتی۔ چہ جائیکہ عام روح اٹھا سکے۔

کیونکہ نبوت کلیہ اور خلافت نبوت کلیہ میں صرف مقام ہی بدلا ہے بار نبوت نہیں بدلا۔ بار نبوت وہی ہے جس کو اب خلافت نے اٹھانا ہے اور بار نبوت کلیہ کا اٹھانا اسی روح امری پر موقوف ہے۔ لہذا نبوت کلیہ کی خلافت کے لئے بھی اسی روح امری کی ضرورت ہے جو روح امری بار نبوت کلیہ کے اٹھانے کے لائق تھی وہی روح اس کی خلافت میں اس بار کو اٹھا سکتی ہے اور اسی امر کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمایا تھا یا علی جسمک جسمی ولحمک لحمی ودمک دمی ونفسک نفسی وروحک روحی اور یا علی انت منی وانا منک وغیرہا جو گذر چکا ہے۔

اور اسی امر کو حضرت امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے بھی بیان فرمایا جس کا ذکر ہو چکا ہے پس ان بیانات سے ثابت ہے

کہ نبوت کلیہ کی خلافت کے لئے بھی اسی روح امری و نوری و علمی و عقلی کی ضرورت ہے۔ کیونکہ خلافت نے اسی بار کو اٹھانا ہے دونوں مقام پر بار ایک ہی ہے جس کو اٹھانے والی روح امری ہی ہوتی ہے لہٰذا خلیفہ رسولؐ خدا میں بھی اسی روح امری کی ضرورت ہے پس اس آیت کذالک اوحینا الیک روحًا من امرنا ماکنت تدری ماالکتٰب والایمان ولکن جعلنٰہ نورًا نھدی بہ من یشاء من عبادہ وانک لتھدی الی صراط مستقیم ۲۵/۴
اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے امر سے روح کو وحی کیا۔ یا کہ روح کی وحی کی (یعنی تجھے اپنے امر سے روح عطا کی) (وحی کی ایک ہی قسم نہیں ہوتی بلکہ کئی قسمیں ہیں یہی اشارہ کافی ہے) اس آیت میں وحی کی نسبت روح کی طرف دی ہے۔ یعنی تجھے روح وحی کی۔ یا روح کی وحی کی۔ اس وحی سے وحی کلامی مراد نہیں بلکہ عطیہ روح مراد ہے۔ فتفکروا۔

تو ہمارے اس عطیہ روح سے پہلے کتاب اور ایمان کو نہ جانتا تھا۔ اور لیکن ہم نے اس روح کو اپنی تعلیم قرآن سے نور بنا دیا۔ اسی کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں۔ ہدایت کرتے ہیں بے شک تو ہی صراط مستقیم سیدھی راہ کی طرف ہدایت کرنے والا ہے۔

پس جب روح کے وحی کرنے کا مفہوم روح کا عطا کرنا ہے تو مقصد عبارت یہ ہوتا ہے کہ ہمارے اس عطیہ روح سے پہلے تو کتاب اور ایمان کو نہ جانتا تھا۔ غور کی ضرورت ہے کہ روح

کے عطیہ سے پہلے رسولؐ خدا کیا تھا اور کس جگہ تھا جو کتاب و ایمان کو جانتا۔ جب روح سے پہلے رسول تھا ہی نہیں تو پھر کتاب و ایمان کے نہ جاننے کا سوال کس سے ہے۔ اور اس کا مصداق رسول کی روح امری کس طرح ہو سکتی ہے۔ جبکہ اس کو قرآن کتاب خدا اور ایمان باللہ اور معرفت کی تعلیم بھی خدا سے حاصل ہو چکی تھی۔

خدائے حکیم کی کلام سمجھنے کے لئے صرف عربی دانی یا کہ علوم عربیہ ہی کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ذالک الکتاب ھدی للمتقین ۱/۲ متقی ہونا خوف خدا کا ہونا بھی ضروری ہے اور پھر اتباع و اطاعت حکم رسول کی بھی ضرورت ہے۔ غیر متقی عربی دان کو یہ کتاب ہدایت نہیں کرتی۔ اس کی ہدایت خوف خدا اتقاء سے وابستہ ہے نہ کہ عربی دانی سے۔

اوحینا الیک روحا۔ و۔ اوحینا الیک ھذا القرآن ۱۲/۱۱ تسلیم کر کے چالیس سال تک رسولؐ کو کتاب و ایمان سے جاہل بنص خدا مان لیا اور اس پر یہ عمارت تعمیر کر لی کہ جب رسول ہی ایک عمر تک کتاب و ایمان سے جاہل رہ کر رسول ہو سکتا ہے تو اس کی امت میں بھی واقعہ کس طرح عیب میں شمار کیا جا سکتا ہے[1]۔ ہم تائید کرتے ہیں کہ بالکل درست ہے۔ رعیت چنیں شہریارے چناں

جیسا بادشاہ ہو ویسی ہی رعایا ہوا کرتی ہے اور جیسا رسول ویسی ہی امت ہونی چاہیئے۔

یہ امر قابل اعتراض نہیں یمیل الجنس الی الجنس مشہور ہے ہر شخص اپنے ہم صفت سے مانوس ہوا کرتا ہے ہوتا رہے ہر ایک نے اپنے اپنے عمل کا جوابدہ ہونا ہے اور بدلہ و عوضہ لینا ہے۔

---

[1] معیار نبوت کو سستا کرنیکی وجہ سے جھوٹے نبی پیدا ہونے شروع ہو گئے۔ (غ)

هل تجزون بما كنتم تعملون - كل حزب بما لديهم فرحون ہر گروہ اپنے اپنے اعتقاد و عمل پر خوش ہے۔

لیکن ہماری بحث اس رسولؐ کے متعلق ہے جس کو خدا نے سب سے اول اپنی معرفت کے لئے خلق فرما کر اپنی پوری معرفت سے پورے طور پر ایمان کی تعلیم دے کر پھر قرآن کی تعلیم سے کتاب کا اکمل ترین عالم بنا دیا جس کے بعد وہ کتاب اور ایمان سے کبھی جاہل نہیں ہو سکتا۔ کہ خدا کی تعلیم ہے اور پیدا کرنے سے پہلے کی تعلیم ہے اور اگر وہ خدا کی تعلیم کو بھول جائے تو اس سے خدا قادر مطلق نہ ثابت ہو گا کہ اس نے جس کو اپنی معرفت کے لئے سب سے اول خلق فرما کر اپنی معرفت کرانے کے ساتھ اپنی کتاب کی بھی تعلیم دی تھی وہی اس سے بالکل جاہل ثابت ہوا جس سے خدا کا اپنے ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکنا ثابت ہو گیا۔ لہذا خدا قادر مطلق نہ رہا۔ اور جب قادر مطلق نہ ہو تو خدا ہی نہ رہا۔ کہ خدا کے لئے قادر مطلق ہونا لازمی ہے۔ لہذا خدا کی تعلیم بھول جانا باطل قرار پایا۔ اب اس امر کی طرف توجہ دیں کہ آیت مبارکہ کا یہ جملہ

ما كنت تدري ما الكتب والايمان کو اس آیت میں جس کو رسولؐ کی مدح میں بیان فرمایا ہے اس میں اس جملہ کے بیان فرمانے کی حکمت و مصلحت کیا تھی جو مذمت رسولؐ پر دلالت کرتا ہے جس سے رسولؐ کی مذمت کا اعتقاد پیدا ہوتا ہے۔ اس کو سمجھنے کے لئے بلا تشبیہ اس پر غور کریں کہ فرمایا ہے۔

ان الله لا يستحي ان يضرب مثلاً ما بعوضة فما فوقها

فاما الذین امنوا فیعلمون انه الحق من ربھم و اما الذین کفروا فیقولون ماذا اراد اللہ بھذا مثلا ۱/۳

بے شک خدائے تعالےٰ مچھر یا کہ اس سے بھی کم درجہ مخلوق کی مثال بیان فرمانے سے شرم نہیں کرتا۔ پس ایماندار تو جان لیتے ہیں کہ بیشک ہمارے رب نے یہ بات حق و سچی بیان فرمائی ہے اور انکاری لوگ کہتے ہیں کہ اس مثال کو بیان کرنے میں خدا نے کیا ارادہ کیا ہے۔ کس ارادہ سے اس کو بیان فرمایا ہے۔

یہ ایت مسلمانوں پر چسپاں کرنے کے واسطے نہیں لکھی گئی بلکہ اس وجہ سے لکھی ہے کہ خداوند عالم مچھر اور اس سے بھی کم وزن کی بات کو بیان کرنے سے گریز نہیں کرتا اور وہ لوگوں کی ہدایت کے واسطے بیان کرتا ہے تاکہ لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔ لیکن کچھ تو ہدایت پا جاتے ہیں اور کچھ اسی ہدایت کرنے والی آیت سے گمراہ بھی ہو جاتے ہیں لیکن گمراہ ہونے والے اپنے باطنی نقص یا کہ ظاہری خرابی کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

مبنی بر این آیت بالا کا یہ جملہ کہ " تو کتاب و ایمان کو نہ جانتا تھا" لوگوں کی ہدایت کے واسطے بیان فرمایا گیا ہے پس اب دیکھئے کہ ہدایت کس ترجمہ سے حاصل ہوتی ہے۔

ما کنت تدری ما الکتٰب والایمان کے بالمقابل اس آیت پر غور کریں وعلمك ما لم تکن تعلم ۱/۴ جو کچھ بھی تو نہ جانتا تھا وہ سب تجھ کو تعلیم کر دیا ہے۔

کتاب و ایمان کے نہ جاننے کا تعلق روح کی وحی سے قبل ہے۔

روح کی وحی کے بعد اس کا تعلق نہیں، روح کی وحی کے بعد نہ جاننے کا ذکر نہیں۔ اور تعلیم قرآن بصورت خلقت روح کو ہی دی گئی تھی۔ جس کے لئے فرمایا گیا ہے کہ تو جو کچھ بھی نہ جانتا تھا وہی سب کچھ تجھ کو خلقت روح میں تعلیم کر دیا گیا ہے جس پر فخلقت خلقاً اوعلم القرآن وعلمك ما لم تكن تعلم کی نصوص شاہد ہیں لہذا ہدایت اسی ترجمہ میں ہے کہ رسولؐ کی روح جب سے پیدا کی گئی تھی اسی وقت سے عالم کل تھی اس کے خلاف ترجمہ میں ہدایت نہیں خلقت روح سے قبل جب رسول تھا ہی نہیں۔ تو پھر جاننے نہ جاننے کا سوال ہی کیسا۔

پس ثابت ہوا کہ تعلیم سے پہلے تو رسول تھا ہی نہیں اس وقت کا نہ جاننا بھی ختم اور تعلیم کے بعد بھی نہ جاننے کا سوال ختم۔ اب رہا وہ زمانہ جو تعلیم سے قبل اور روح کی پیدائش کے بعد ہو تو اس کا ثبوت ہی نہیں ہے کہ ایسا کوئی وقت آیا ہی نہیں لہذا یہ جملہ آیت آپ کی مذمت میں نہیں بیان ہوا بلکہ مدح میں بیان ہوا ہے۔ جب خداوند عالم نے اپنی کلام میں یعنی قرآن مجید و کتاب حمید میں ثابت فرما دیا ہے کہ میرا رسولؐ سب سے اوّل مسلم اور سب سے اول عابد ہے تو اس کے بعد اس کی مذمت کیا معنی رکھتی ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

لا شريك له وبذالك امرت وانا اول المسلمين۔ ۸
وامرت لان اكون اول المسلمين ۲۳/۱۶

خدا کا کوئی شریک نہیں ہے اور اسی کا مجھے امر دیا گیا ہے اور میں ہی سب سے پہلا مسلمان ہوں اور مجھے امر کیا گیا ہے کہ میں

ہی سب سے پہلا مسلمان بنوں۔

قل ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العٰبدین ۲۵/۱۳

تم کہدو کہ اگر خدائے رحمٰن کا بیٹا ہوتا۔ پس میں ہی سب سے پہلا عبادت کرنے والا ہوں (میں اُسے ضرور جانتا ۔ ع)

ان آیات میں خدا نے ثابت فرمایا ہے کہ میرا رسولؐ ہی سب سے اول مسلم اور سب سے اوّل عابد ہے اور جو سب سے اول پیدا ہو وہی سب سے اول مسلم و عابد ہوتا ہے اور جو سب سے اول مسلم و عابد ہو وہ چالیس سال تک کتاب و ایمان سے کیونکر جاہل رہ سکتا ہے لہذا آیہ مذکورہ کا یہ جملہ رسولؐ کی مذمت میں نہیں بیان ہوا بلکہ آپ کی مدح میں نازل ہوا ہے۔ لوگوں نے اپنی ذاتی اغراض و خواہشات کی وجہ سے اُس کو مذمت بنا لیا ہے۔ اور مقصد و مدعا خداوند عالم یہ ہے کہ میرے رسولؐ کا علم تمہاری طرح تقلید آبائی اور تقلید ماحولی اور غیروں کی نقالی اور تجربات نفسانی اور خواہشات و آرائے نفسانی اور محنت و ریاضت روحانی اور درس ظاہری و خفیہ وغیرہ سے حاصل کردہ نہیں ہے بلکہ اس کا کل علم اور ہر قسم کا علم میرا ہی تعلیم کیا ہوا ہے اور ہدایت اس میں یہ رکھی کہ جب رسولؐ کے کل علم کو میری تعلیم سے جان لینگے تو پھر رسولؐ کے ہر قول اور فعل کو میری تعلیم سے جان کر کلی طور پر رسولؐ کے اتباع و اطاعت میں داخل ہو کر نجات پا جائینگے اور رسولؐ کے ہر قول و فعل کو میری تعلیم سے جان کر اس کا انکار اور اس پر اعتراض نہ کرینگے تو فلاح یافتہ ہو جائینگے۔ پس جن لوگوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے رسالت سے قبل اور رسالت کے

بعد اور وحی کے تحت اور وحی کے بغیر اور تبلیغ کے باہر اور بشریت و روحانیت وغیرہم کی اصطلاحات وشقات وحدود قائم کر کے مطالب اخذ کئے ہیں وہ سب اس ہدایت مذکور سے محروم ہو چکے ہیں اور ہو رہے ہیں اور اپنے علم کسبی کی بنا پر محروم ہو رہے ہیں۔ پس رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کل علم خدا کا علم ہے۔ انا مدینۃ العلم کہ میں خدا کے علم کا شہر ہوں اور اس کا دروازہ علی ہے وعلی بابہا لہذا جو شخص رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم کی حد مقرر کریگا۔ وہ خدا کے علم کی حد مقرر کریگا اور خدا کے علم کی حد مقرر کرنا اس کے خدا ہونے کا انکار ہوگا۔ جو کفر میں داخل ہے خدا نے رسولؐ کے علم کو اپنی تعلیم فرمایا ہے جس کی نصوص گذر چکی ہیں ان نصوص کے بعد رسولؐ خدا کے علم کا نقص یا کمی علم ثابت کرنا خدا کی تعلیم اور اور اس کے علم کا نقص اور کمی علم ثابت ہوگا۔ اور خدا کے علم اور اس کی تعلیم قرآن میں کوئی کمی اور نقص نہیں اور قطعاً نہیں ہے اور جس قدر علم اور خدا کی تعلیم رسولؐ خدا کے لئے ثابت ہے۔ وہی بعینہٖ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے لئے ثابت ہے کہ وہی رسولؐ خدا کے علم کا دروازہ ہیں جو خدا کے علم کا شہر ہے۔

پس حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے علم اور علمی تصرف کی حد مقرر کرنا رسولؐ خدا کے علم کی حد اور ان کے تصرف کی حد مقرر کرنا ہے۔ جو ہماری خاضلیت کے لئے خطرناک امر ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔ ہماری استطاعت اور فریضہ کی حد یہی ہے۔ اور بس۔

جو کچھ اب تک عرض کیا گیا ہے۔ اور جو آیات و احادیث پیش کی گئی ہیں ان کی تائید میں ایک حدیث رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کر کے اپنے فریضہ اور سفر منزل سے سبکدوش ہونے کی سعی کرتے ہیں۔ (ہفتم۔ بحار الانوار مجلسی علیہ الرحمہ اعلی اللہ مقامہ):-

عن جابر بن عبد اللہ الانصاری قال قال رسول اللہ اول ما خلق اللہ نوری ابتدعہ من نورہ واشتقہ من جلال عظمتہ فاقبل یطوف بالقدرۃ حتی وصل ... الی جلال العظمۃ فی ثمانین الف سنۃ ثم سجد اللہ تعظیماً ففتق منہ نور علی فکان نوری محیطاً بالعظمۃ و نور علی محیطاً بالقدرۃ۔ ثم خلق العرش واللوح و الشمس وضوء نھار و نور الابصار و العقل والمعرفۃ والابصار العباد واسماعھم وقلوبھم من نوری و نوری مشتق من نورہ فنحن الاولون و نحن الاخرون و نحن السابقون و نحن المسبحون و نحن الشافعون و نحن کلمۃ و نحن خاصۃ اللہ و نحن احباء اللہ و نحن وجہ اللہ و نحن جنب اللہ و نحن ید اللہ و نحن یمین اللہ و نحن امناء اللہ و نحن خزنۃ وحی اللہ و نحن سدنۃ غیب اللہ و نحن معدن التنزیل ومعنی التاویل وفی ابیاتنا ھبط جبرئیل و نحن محال قدس اللہ و نحن مصابیح الحکمۃ و نحن مفاتیح الرحمۃ و نحن ینابیع النعمۃ و نحن شرف الامۃ و نحن سادۃ الائمۃ و نحن نوامیس العصر و احبار

الدھر ونحن سادۃ العباد ونحن ساسۃ البلاد ونحن الکفاۃ والولاۃ والحماۃ والسقاۃ والدعاۃ والطریق النجاۃ ونحن السبیل والسلسبیل ونحن النہج القویم والطریق المستقیم من امن بنا امن باللہ ورد علینا رد علی اللہ ومن شک فینا شک فی اللہ ومن عرفنا عرف اللہ ومن تولی عنا تولی عن اللہ ومن اطاعنا اطاع اللہ ونحن الوسیلۃ الی اللہ والوصلۃ الی رضوان اللہ ولنا العصمۃ والخلافۃ والھدایۃ وفینا النبوۃ والولایۃ والامامۃ ومعدن الحکمۃ وباب الرحمۃ وشجرۃ العصمۃ ونحن کلمۃ التقوی والمثل الاعلی والحجۃ العظمی والعروۃ الوثقی التی من تمسک بہا فنجاء۔ (کشف الاسرار علامہ محمد سبطین سرسوی مرحوم اعلی اللہ مقامہ بحوالہ ہفتم بحار الانوار مجلسی علیہ الرحمہ نور اللہ مرقدہ)

جابر بن عبداللہ انصاری سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو شے سب سے اول خلق فرمائی (۱) وہ میرا نور ہے (۲) جس کی ابتداء اپنے نور سے کی (۳) جس کو اس نے اپنے جلال عظمت سے خلق فرمایا (۴) پس وہ نور خطیرہ قدس کے گرد طواف کرنے لگا۔ (۵) یہاں تک کہ اسی ہزار سال الوہیت میں جلال عظمت تک پہنچ گیا (۶) پھر خدا کا سجدہ تعظیمی ادا کیا (۷) پس خدا نے اس نور سے علیؑ کا نور نکالا جدا کیا (۸) پس میرا نور تو عظمت الہیہ کو محیط ہو گیا (۹) اور نور علی قدرت الہیہ کو محیط ہو گیا (۱۰) پھر

خدا نے عرش (۱۱) اور روح (۱۲) اور شمس (۱۳) اور ضوء (۱۴) اور نور ابصار کو (۱۵) اور عقل کو (۱۶) اور معرفت کو (۱۷) ابصار عباد کو (۱۸) اور قلوب کو میرے نور سے خلق فرمایا (۱۹) اور میرا نور خدا کے نور سے مشتق ہے۔ (۲۰) پس ہم ہی اولین ہیں (۲۱) ہم ہی آخرین ہیں (۲۲) ہم ہی سابقین ہیں (۲۳) ہم ہی تسبیح گذار ہیں (۲۴) اور ہم ہی شفیع ہیں (۲۵) ہم ہی کلمۃ اللہ ہیں (۲۶) اور ہم ہی خاصۃ اللہ ہیں (۲۷) اور ہم ہی احباء اللہ ہیں (۲۸) ہم ہی وجہ اللہ ہیں (۲۹) ہم ہی جنب اللہ ہیں (۳۰) ہم ہی ید اللہ ہیں۔ (۳۱) ہم ہی امناء اللہ ہیں (۳۲) ہم ہی خزنۂ وحی الٰہی ہیں (۳۳) ہم ہی محافظین غیب خداوندی ہیں (۳۴) ہم ہی خدا کے علم غیب کا خزانہ ہیں۔ خدا وہ علم ہم کو ہی عطا فرماتا ہے (۳۵) ہم ہی معدن تنزیل ہیں (۳۶) ہم ہی معانی تاویل ہیں (۳۷) جو تاویل ان کے حق میں ہو وہی درست و صحیح ہے اور جو ان کے خلاف جو وہ باطل ہے (۳۸) ہمارے ہی گھروں میں جبرئیل آتے ہیں (۳۹) اور ہم ہی محل قدس الٰہیہ ہیں (۴۰) اور ہم ہی شمع حکمت خدا ہیں۔ (۴۱) اور ہم ہی خدا کی رحمت کی کلید ہیں (۴۲) اور ہم ہی خدا کی نعمت کا چشمہ جاریہ ہیں (۴۳) اور ہم ہی شرف امت ہیں (۴۴) اور ہم ہی تمام آئمہ کے سردار ہیں (۴۵) ہم ہی ہر زمانہ میں ناموس اکبر ہیں آیات کبریٰ ہیں جن کی حرمت و عظمت سب پر واجب ہیں (۴۶) ہم ہی خدا کے علم کے علماء و ہر ہیں (۴۷) ہم ہی تمام بندگان خدا و مخلوق کے سردار ہیں (۴۸) اور ہم ہی تمام

شہروں اور ممالک کے حکام و منتظم ہیں (۴۹) ہم ہی ہر ایک کے کفیل ہیں (۵۰) ہم ہی ہر ایک کے والی و ولی ہیں (۵۱) ہم ہی ہر ایک کے حامی و مددگار ہیں (۵۲) ہم ہی ہر ایک کی حفاظت کرنے والے ہیں (۵۳) ہم ہی تمام بندگان خدا اور مخلوق کو دنیا و آخرت میں سیراب کرنے والے پانی پلانے والے ہیں (۵۴) اور ہم ہی دعوت الی الحق خدا کی طرف بلانے والے ہیں (۵۵) اور ہم ہی نجات دلانے والا طریقہ اور رستہ ہیں (۵۶) اور ہم ہی سبیل خدا خدا کی راہ دکھانے اور سلسبیل پلانے والے ہیں (۵۷) اور ہم ہی قوی و مضبوط ہیں (۵۸) اور ہم ہی سیدھا طریقہ و صراط ہیں (۵۹) جو ہم پر ایمان لایا (۶۰) وہی خدا پر ایمان لایا (۶۱) جو ہماری رد یعنی تردید کرے (۶۲) وہی خدا کی رد و تردید کرنے والا ہے (۶۳) جو ہم میں شک کرنے والا ہے (۶۴) وہی خدا میں شک کرنے والا ہے (۶۵) اور جو ہم کو پہچان لے (۶۶) وہی خدا کو پہچاننے والا ہے (۶۷) جو ہم سے محبت رکھے (۶۸) وہی خدا سے محبت رکھنے والا ہے (۶۹) جو ہماری اطاعت کرے (۷۰) وہی خدا کی اطاعت کرنے والا ہے (۷۱) ہم ہی وسیلہ ہیں (۷۲) اور ہم ہی وصل کرانے والے خدا تک وصال کرانے والے ہیں (۷۳) اور ہمارے لئے ہی عصمت ہے (۷۴) اور ہمارے ہی لئے خلافت ہے (۷۵) اور ہم ہی ہادی ہیں (۷۶) اور ہم میں ہی نبوت ہے (۷۷) اور ہم میں ہی ولایت ہے (۷۸) اور ہم میں ہی امامت ہے (۷۹) اور ہم ہی حکمت کی کان ہیں (۸۰) اور ہم ہی رحمت کا دروازہ ہیں (۸۱) اور ہم

ہی عصمت کا درخت ہیں (۸۲) اور ہم ہی کلمہ تقویٰ ہیں جس سے خوف خطر پیدا ہوتا ہے (۸۳) اور ہم ہی خدا کی مثل اعلےٰ یا خدا کے لئے مثل اعلےٰ ہیں (۸۴) ہم ہی خدا کی حجت عظیم ہیں (۸۵) اور ہم ہی مضبوط و محکم رسہ ہیں (۸۶) جس کو پکڑنے والا نجات پا جاتا ہے اور ناجی ہو جاتا ہے (کشف و بحار)

پس یہ فرمان واجب الاذعان تقریباً اسّی چھیاسی جملوں پر مشتمل ہے جس میں اتنے ہی اوصاف کو بیان فرمایا گیا ہے اگر اس کی تفصیل و تشریح و تفسیر اور ثبوت کو جمع کیا جائے تو کم و بیش چھوٹی بڑی چھیاسی جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔ جو اہل عقل و علم سے پوشیدہ نہیں۔ پس اگر اس فرمان عالیہ کو غلو یا کہ غالیوں کی طرف منسوب کیا جائے تو قرآن مجید کی نصوصات صریحہ کا انکار ثابت ہوگا جو سخت خطرناک امر ہے۔

اور اگر اس میں سے کچھ کو صحیح اور کچھ کو غلو مانا جائے تو تومنون ببعض و تکفرون ببعض کا مرتکب ہوگا یہ بھی خطرناک اور گمراہی میں داخل اور موجب ہوگا۔

لہذا سوائے اقرار کرنے کے گنجائش ہی نہیں اور اقرار کی صورت میں حدیث صادقہ ہمارے تمام اور پورے بیان سابقہ کی موئد و مصدق ہے۔ لہذا جو کچھ اب تک لکھا گیا ہے وہ قیاسات نہیں بلکہ نصوصات سے لیا گیا ہے پس اس حدیث صادقہ میں سے حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰت والسلام کی حد تصرف و قدرت دکھاتے ہیں۔ فکان نوری محیطاً بالعظمۃ و نور علی محیطاً

یا لقد رکھا ۔ پس میرا نور عظمت الٰہیہ پر محیط ہو گیا اور نور علی قدرت الٰہیہ پر محیط ہو گیا۔

ہم یہاں عرض کر چکے ہیں کہ اور زبانیں تو بجائے خود فصیح ترین زبان عربی بھی حقیقت واقعیہ کو اظہار کرنے سے قاصر ہے۔ اور ہونی چاہئیں۔ کیونکہ زبانیں بھی مخلوق ہیں ۔اس واسطے وہ فعل الٰہیہ کے اظہار پر قدرت نہیں رکھتیں۔ اور نہ ہی ذہن مخلوق میں اتنی پرواز ہے۔ کہ وہ فعل الٰہیہ کی حقیقت واقعیہ کو الفاظ کے پردوں سے علیحدہ ہو کر معلوم کر سکے۔

ایسی صورت میں اشاروں سے ہی حقیقت کو معلوم کرنا پڑتا ہے۔ مذکورہ بالا ارشاد میں دو محیط اور دو محاط کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ محیط خلق اور محاط خالق کو فرمایا گیا ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ہر محیط اور محاط کے لئے ایک حد کی ضرورت ہوتی ہے۔ تاکہ محیط کی وسعت محاط سے زیادہ رکھی جائے جس سے محاط پر محیط ہو سکے اور احاطہ کر سکے۔ اور خدا کی ذات اور اس کی صفات اس نقص سے بری اور عیب سے پاک ہے۔ لہٰذا محیط اور محاط کا بننا سب ہی کیا رہا۔ پھر محاط کے لئے کسی نہ کسی طرح کا جسم ہونا ضروری ہے جس پر دوسری شے محیط ہو سکے۔ اور خدا کی ذات اور اس کی صفات غیب الغیوب میں داخل پھر وہ محاط کیسے ہو۔

جب اس کی ذات اور صفات غیب ہی غیب ہیں تو پھر محیط اور محاط کا مقام اور ذکر ہی کیا ہوا۔ لہٰذا ثابت ہوا۔ کہ الفاظ کی قید میں رہ کر کبھی حقیقت افعال الٰہیہ تک رسائی نہیں ہو سکتی۔

اور یہ ظاہر ہے کہ وہاں عمل اور واقع ہوا ہے اور ضرور ہوا ہے۔ اگر نہ ہوا ہوتا تو ان الفاظ کو ارشاد فرمانے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ الفاظ کے بیان سے ثابت ہے کہ واقعہ ضرور ہوا ہے۔ لیکن جو کچھ الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے اس طرح نہیں ہوا۔ بلکہ اس واقعہ کا عمل اور طرح ہوا ہے جس کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی کی گئی ہے۔

جب آپ کے عبد عاصی نے پہلی دفعہ اس حدیث کو پڑھا تو اس چکر میں تین دن متواتر حیران و سرگردان رہا۔ کوئی سمجھ نہ آتی تھی کہ خدا کی صفات عین ذات پر خلق کیا ہؤا نور کیونکر محیط ہو گیا اور خدا کی ذات محاط کیسے ہو گئی۔ حدیث کی صداقت سے انکار کی جرات نہ ہو سکتی تھی۔ اور ان جملوں کے مفہوم کی سمجھ نہ آنے کی وجہ سے حیران و پریشان بھی تھا۔ تین دن جنگل میں یکسوئی کے لئے پھرتا رہا۔ ہر طرح سوچا مگر سمجھ نہ آئی۔ عقل نے کام نہ کیا۔ مایوسی کی حالت میں تیسرے دن واپس آبادی میں آرہا تھا کہ اچانک بلا ارادہ ہادی زمانہ علیہ السلام کی خدمت میں رجوع ہو گیا۔ اسی مایوسی کی حالت میں چلتا ہوا نہ معلوم کیا عرض کیا کہ اچانک دل پر بجلی کی چمک کی طرح سے بلا اشارہ اور آواز یہ مفہوم پیدا ہو گیا۔ ربگلے آدمی الفاظ کے چکر میں کیوں پھنسا ہوا ہے۔ ان کو چھوڑ اصل واقعہ کی طرف رجوع کر۔ بس اس کے بعد جو قدم اٹھا تو دل مطمئن تھا اور حقیقت سامنے تھی۔ واپس آکر مضمون کی نقل میں مصروف ہو گیا۔

پس جب اصل واقعہ کی طرف رجوع ہوا۔ تو یہ امر سامنے آگیا کہ جب اس نور نے سجدہ کیا تو خدا نے اپنے علم اور منشاء کے مطابق اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک حصہ کو اپنی عظمت کا مظہر بنایا اور مقرر

کر دیا۔ اور دوسرے حصہ کو اپنی قدرت کا مظہر مقرر کر دیا۔ اور یہ فیصلہ فرما دیا۔ کہ اس کے بعد میری عظمت کا ظہور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نور محمدیؐ سے ہی ہوگا۔ اور اس کے بغیر میری عظمت کا کبھی ظہور نہ ہوگا۔ اور اسی طرح اپنی قدرت کا مظہر نور علیؑ کو مقرر فرما کر فیصلہ فرما دیا۔ کہ اس کے بعد میری قدرت کا ظہور ہر امر میں نور علیؑ سے ہی ہوگا۔ اس کے بغیر میری قدرت کا ظہور کبھی نہ ہوگا۔

پس اب نور محمدیؐ ہمیشہ کے لئے عظمت الٰہیہ کا متحمل ہو کر اس کے ظہور پر محیط ہو گیا۔ اور نور علیؑ ہمیشہ کے لئے قدرت الٰہیہ کا متحمل ہو کر اس کے ظہور پر دائماً محیط ہو گیا۔

لہٰذا لفظ محیط صحیح اور مطابق واقعہ استعمال فرمایا گیا تھا۔ اس کے استعمال میں غلطی نہ تھی بلکہ عبد عاصی کی عقل کی غلطی تھی۔ ہادی زمانہ علیہ السلام نے کرم نوازی سے صراط مستقیم پر لگا دیا۔ (الحمدللہ) اب اہل عقل و معرفت حضرات غور فرما کر ان دونوں مقدس وجودوں کی ظاہری دنیاوی زندگی کا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ عظمت الٰہیہ کا ظہور ہمیشہ ذات نبویؐ سے ہی ہوتا رہا ہے۔ اور قدرت الٰہیہ کا ظہور ہمیشہ ذات علوی سے ہی ہوتا رہا ہے۔

پس اب ہم اپنے فاضلین مقدسین سے عرض کرتے ہیں کہ خدا نے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حدیث مذکورہ میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدرت اور طاقت اور تصرف کی یہ حد مقرر فرمائی ہے۔ اس حد سے پہلے دیا لا جب تک قدرت خدا کے ظہور کی ضرورت نہ تھی وہ مقام اور حال حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدرت و حد سے ضرور باہر تھا۔ اور جب سے ظہور قدرت الٰہیہ کی ضرورت

داعی ہوئی تو اس کے لئے نور علی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مظہر قرار دیا گیا۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا ہے وہ سب حضرت امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حد کے اندر واقع ہوا ہے۔ یہی امر الفاظ حدیث رسول خدا سے ثابت ہے۔ لہٰذا آپ حضرات کسی چیز کو امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس حد سے باہر ثابت کر دیں اور اگر نہ ثابت کر سکیں تو اپنے قیاسی اجتہاد سے توبہ کریں۔

اور یہی وہ اذن اور امر ہے جس کو حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہر جملہ کے بعد فرماتے رہے ہیں (باذن ربی و بامر ربی) یعنی آپ کو مظہر قدرت قرار دینا ہی اذن اور امر ہے جس کی بابت خداوند عالم نے ارشاد فرمایا ہے۔

تؤتی اکلها کل حین باذن ربها ۱۳/۱۴

پس اس کلمہ طیبہ و شجر طیبہ کو ہر وقت بلکہ ہر آن ہر حین پھل دینے کی اجازت ہے۔ اس کو پھل دیتے وقت اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہوتی یہ پورا کلمہ و شجر طیبہ کو اس قسم کی اجازت لینے کی احتیاج نہیں۔ جس کو (مقدس فاضلیت مآب) (باذن اللہ و بامر اللہ) میں پوشیدہ رکھ کر فرمایا۔ کرتے ہیں۔ اگر اس اذن و امر سے مراد (تؤتی اکلها کل حین باذن ربها) ہے۔ تو پھر ہاں ہوں کی ضرورت نہیں کہ اجازت عام کی نص موجود ہے۔ اور اگر اس منصوص اجازت کے علاوہ کسی اور اجازت کا تصور و ارادہ ہے تو وہ اس منصوص اجازت کے انکار میں داخل ہے جس سے ایمان رخصت ہو جائے گا۔ لہٰذا فوری توبہ فرض ہے جس سے گریز نہیں ہونی چاہئے۔ اور یہ کلمہ طیبہ و شجر طیبہ محمد و آل محمد کی ذوات مقدسات ہی ہیں۔

من گنگ خواب دیدہ و عالم تمام کر
من عاجزم ز گفتن و خلق از شنیدنش

(حافظ شیرازی)

امور اسراریہ مخفیہ باطنیہ کا نہ تو سمجھنا آسان ہے اور نہ ہی ان سے حجاب و پردہ کو اٹھانا آسان ہے۔ اور نہ ہی پردہ اٹھانے کی اجازت ہے کہ پردہ اٹھ جانے سے:۔

لو علم ابوذر ما فی قلب سلمان لقتلہ حیات القلوب $\frac{615}{616}$ کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بے شک حضرت ابوذر رض عارف مستبصر اور اسرار اہلبیت ع کے حامل اور امین اور سلمان رض کے دینی بھائی تھے۔ لیکن باوجود اس کے حضرت سلمان علیہ الرحمہ اس مقام پر پہنچے ہوئے تھے جو حضرت ابوذر رض کی قوت برداشت سے باہر تھا۔ اس وادی میں ہر قدم پر جل جانے کا خوف ہے۔ پس جو شخص اپنے اندر قوت برداشت نہ پاتا ہو۔ اس کو حضرت جبریل علیہ السلام کی تقلید میں صاف گوئی سے کہہ دینا مناسب ہے۔ (لو دنوت انملۃ لاحترقت) اگر میں اپنے مقام سے بال بھر بھی آگے بڑھوں محال تدس کے قریب جاؤں تو ضرور ہی جل جاؤں گا۔ نہ یہ کہ اپنی فاضلیت کی لاج رکھنے کے واسطے قیاسی اجتہاد کی چہ میگوئیوں سے حدود قائم کرکے اوصاف الٰہیہ اور مظہر اوصاف الٰہیہ کلیہ کے درمیان تفریق پیدا کرکے مصنوعی خود ساختہ عظمت الٰہیہ کی پناہ لے کر اپنی فاضلیت کو بچانا مناسب ہے۔

بدر یا در منافع بے شمار است
اگر خواہی سلامت در کنار است (سعدی)

اس معرفت کے سمندر میں جواہر مکنونہ کی کوئی حد نہیں۔ لیکن اگر غواصی نہیں جانتا تو کنارہ پر ہی بیٹھ جا۔ کہ غرق ہونے کا خوف ہے۔ اگر کسی میں فضائل اہلبیت کو برداشت کرنے کی قوت و طاقت نہیں تو اس میں انکار کی قوت و طاقت واستطاعت بھی نہ ہونی چاہیئے۔

"جماعت مواحدہ" یا وہابیت وغیرہ ملائکہ کو تو مدبر امور الہٰیہ اور مظاہر اسماء حسنہ الہٰیہ بلا توقف مانتی ہے۔ لیکن مقام تعجب ہے کہ خلفاء الہٰیہ انبیاء و مرسلین اور اولوالعزم صاحبان شریعت اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کو مدبر امور مظہر اوصاف الہٰیہ نہیں مان سکتی۔ حالانکہ ملائکہ ان کی امت میں مثل جن وانس داخل ہیں اور ان کی امت کی طرح ان کے کلمہ گو ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت و خلافت سے لے کر تمام اولوالعزم رسولوں کا کلمہ پڑھتے رہے ہیں۔ اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کلمہ پڑھتے ہیں۔ اور ان کے خلفاء کے تابع ہیں۔ ان کو تو مدبر امور الہٰیہ اور مظہر اوصاف الہٰیہ تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن خلفاء اللہ اولوالعزم رسولوں کے لیے یہ امر تسلیم نہیں کر سکتے۔ اور اس کی وجہ ہے۔ (رموز سلطنت خویش خسرواں دانند) والی بات ہے۔

یہاں پر مسلمانوں کی عبرت کے لئے قرآن و حدیث کا واقعہ پیش کرتے ہیں خداوند عالم فرماتا ہے۔ والشمس تجری لمستقر لها ذالك تقدیر العزیز العلیم والقمر قدرناه منازل حتیٰ عاد کالعرجون القدیم $\frac{23}{2}$ یٰسین۔

ان دونوں آیات میں سورج اور چاند کے عمل پر تقدیر اور قدر کے

ا۔ جو کہ بلاشبہ ملائکہ سے افضل ہیں (غ)

الفاظ فرمائے گئے ہیں جن کا تعلق عزیز اور علیم کی تقدیر سے ہے جس سے واضح ہے کہ شمس اپنے مقام مدار یعنی چلنے کے رستہ کو نہیں بدل سکتا اور قمر اپنی منازل کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اگر یہ دونوں اپنے مستقر اور منازل کو چھوڑ دیں تو تقدیر العزیز العلیم بدل جائے گی جس سے خداوند عالم غالب اور علیم نہ رہیگا۔ اس صورت میں اس کی خدائی کا ابطال لازم آئے گا۔ اور امر باطل کا وجود خود باطل ہی ہوا کرتا ہے۔ پس خداوند عالم بے شک اپنی تقدیر کو بدلنے پر قادر تو ضرور ہے۔ لیکن ایسا کرنا اس کے علیم ہونے کے خلاف ہے۔ اس واسطے باوجود قادر ہونے کے نہیں بدلتا۔

وما نحن بمسبوقین علیٰ ان نبدل امثالکم وننشئکم فی ما لا تعلمون ۲۷/۱۵ اس آیت سے ثابت ہے کہ وہ اپنی تقدیر کو بدلنے پر قادر ہے۔ لیکن اس نے بدلا نہیں۔ بدل سکنے کی قدرت رکھتا ہے۔ جس کا اظہار فرما رہا ہے۔ مگر اس نے عمل نہیں کیا۔ جن کو ضمیر کُم میں خطاب فرمایا ہے۔ ان لوگوں کی خلقت کو بدلا نہیں۔ پس وہ ان کو بدلنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مگر بدلتا نہیں کہ یہ عمل اس کے علیم ہونے کے خلاف ہے۔ لہٰذا وہ اپنی تقدیر کو نہیں بدلتا۔

اس کے بعد اس کی تقدیر کو وہ بدل سکتا ہے جس کو اس نے اپنی تقدیر کو بدلنے کی قدرت اور عہدہ عطا فرمایا ہو۔ یعنی جس کو اس نے اپنا خلیفہ بنایا ہو۔ اس کے بغیر تقدیر خدا ہرگز نہیں بدلی جا سکتی۔ اس بیان کے مطابق اب اس آیت پر غور کریں۔

اقتربت الساعۃ وانشق القمر ۲۷/۸
وقت قریب آگیا اور چاند پھٹ گیا۔

چاند کے دو ٹکڑے ہو جانے کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔ تفاسیر قرآن اور احادیث رسولؐ اور تاریخ اسلامی کا متفقہ اقبال اور اقرار ہے جس پر مخالفین اسلام نے ہر طرح کے اعتراض کر کے اس کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان اعتراضات کی تردید ہم نے اپنے مضمون حقیقت الاعجاز والکرامت غیر مطبوعہ میں کر دی ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ اس کا ثبوت ہر طرح سے موجود ہے۔ اور اس زمانہ کے مخالف اور موافق لوگوں نے تسلیم کیا ہے جس کے بیان کا یہ محل نہیں پس قمر کے پھٹ جانے سے تقدیر بدل گئی جتنی دیر وہ پھٹا ہوا حرکت کرتا رہا ہے خواہ اس کو چند منٹ یا کہ چند سیکنڈ یا کسی وقفہ کے لئے بھی تسلیم کرو۔ اتنی دیر تقدیر بدلی رہی۔ اور یہ واضح ہے کہ یہ تقدیر حسب ضرورت بدلی تھی۔ دائمی طور پر نہ بدلی تھی۔ کہ اس کی ضرورت نہ تھی جس قدر وقت کے لئے بدلنے کی ضرورت تھی اسی قدر وقت تک بدلی جاتی تھی۔ اور بدلنے کی ضرورت معترض کے اعتراض سے پیدا ہوئی تھی۔ معترض نے چاند کو دو ٹکڑے کر کے دیکھانے کا سوال کیا تھا۔ لہٰذا اسی قدر دیر کے لئے تقدیر کو بدلنا تھا جس کو معترض تسلیم کر لے۔ پس تقدیر خدا کو بدل کر دکھا دیا گیا۔ اس عمل کو اعجاز محمدی فعل محمدی مانا گیا۔ اور اس کا ثبوت مانا گیا۔ اس وقت کا معترض آنکھوں سے دیکھ کر تسلیم کر گیا۔ لیکن مسلمان ہونے سے بچنے کے لئے کہہ گیا کہ اس کا جادو آسمان پر بھی چل گیا ہے جہاں دوسرے جادوگروں کا نہیں چل سکتا۔ لیکن تسلیم کر گیا کہ تقدیر خدا کو بدل دیا ہے۔ یہ واقعہ صرف رسولؐ سے ہی تعلق رکھتا ہے۔ لیکن حضرت علی علیہ الصلوٰۃ والسلام ساتھ موجود تھے اور واقع کے شاہد و معاون تھے۔

دوسرا واقعہ ردِشمس کا ہے۔ یہ دو دفعہ ہوا۔ پہلی دفعہ جنگ خیبر سے واپسی میں منزلِ صہبا پر ہوا۔ حدیث اور تاریخ کا بیان ہے کہ نماز عصر ادا ہو جانے کے بعد حضرت علی علیہ السلام کسی حکم رسولؐ خدا کی تعمیل سے واپس آئے تو رسولؐ خدا نے اپنا سر ان کی گود میں رکھا اور آرام فرمانے لگے۔ حضرت علی علیہ السلام نے نماز عصر کو اشاروں سے ادا کیا۔ مگر رسولؐ خدا کے آرام میں خلل نہ ڈالا۔ غروب آفتاب کے بعد آپ بیدار ہوئے تو پوچھا یا علیؑ نماز عصر کو ادا کیا ہے۔ عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشاروں سے ادا کی ہے۔ فرمایا نبیؐ اور وصیؑ کی نماز ناقص نہیں ہوا کرتی۔ اُٹھو اور سورج کو واپس بُلاؤ۔ حضرت علی علیہ السلام نے وضو فرمایا۔ اور سورج کی طرف توجہ فرمائی اور اشارہ کیا۔ سورج اس طرح واپس ہوا جس طرح آرہ سے لکڑی آواز دیتی ہے۔ اور فوراً عصر پہ آگیا۔ آپ نے عصرانہ ادا کیا۔ تو واپس اپنے مقام پر چلا گیا۔ بعض روائت نے یہ الفاظ بھی روایت کئے ہیں۔ "رسولِ خدا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا۔ یا اللہ علیؑ تیری اور تیرے رسولؐ کی اطاعت میں رہا ہے۔ اس کے لئے سورج کو واپس کر" اس پر تبصرہ سے خوف طوالت مانع ہے۔ دوسرا واقعہ آپ کو سفر صفین میں شہر بابل کی مغضوبہ زمین پر پیش آیا۔ کہ نماز کا وقت آگیا۔ لوگوں نے ادائیگی نماز کے لئے عرض کی۔ تو فرمایا۔ نبیؐ اور امامؑ مغضوبہ زمین پر نماز نہیں ادا کرتے۔ کچھ لوگوں نے نماز عصر ادا کر لی اور کچھ رہ گئے۔ کہ جہاں آپ ادا کریں گے ہم بھی ساتھ کریں گے۔ اس زمین سے گزرتے گزرتے سورج غروب ہو گیا۔ آپ نہر فرات کو عبور فرما کر جب اس

مقام سے جس کو آج حلہ کہا جاتا ہے اس کی حد سے نکلے تو وضو فرما کر سورج کی طرف متوجہ ہو کر ایسی زبان کے الفاظ ادا فرمائے جس کو کسی نے نہ سمجھا پس اشارہ فرمایا سورج نکل کر مقام عصر پر آیا تو آپؑ نے مع جماعت ادا فرمائی تو سورج فوراً واپس ہوا۔ اور اپنے مقام مغرب پر پہنچ گیا۔ تو وہیں نماز مغرب ادا فرمائی۔ اسی بات کو آپ نے اپنے خطبوں میں فرمایا ہے۔ انا الذی ردّت له الشمس مرتین۔ میں ہی وہ شخص ہوں جس کے لئے سورج دو دفعہ واپس ہوا۔ ہر زمانہ کے علماء محدثین اور شعراء مادحین نے اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ اور اس مقام پر بطور یادگار ایک مسجد بنائی گئی تھی جو بوسیدہ صورت میں آج تک موجود ہے۔ اس کو مسجد رد الشمس کہتے ہیں ہمارے قافلہ کے زائرین نے وہاں نمازیں ادا کی تھیں۔ اور صوفیائے کرام میں یہ واقعہ مشہور ہے جس پر لوگوں نے نظمیں لکھی ہیں ہم ایک پنجابی شاعر کا شعر اس لئے درج کرتے ہیں۔ کہ اس نے حقیقت واقعہ اور اس کے اثر کو ظاہر کیا ہے۔ شعر پنجابی ملتانی زبان میں بیان کیا گیا ہے جس سے اہل زبان ہی لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ غیر زبان والے پسند نہ کریں گے۔ ان کے لئے ترجمہ کر دیا جائیگا۔

حیدرؑ دے گدا گر ہن ذیشان زمانیدے
مولا دے قدم چمدن انسان زمانیدے

یعنی ہر زمانہ کے صاحبان شان حضرات حضرت امیر المومنین حیدر کرار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے در اقدس سے بھیک مانگتے رہے ہیں اور مانگتے ہیں۔ جو ان کے در اقدس کی گداگری نہ کرے یعنی بھیک نہ مانگے۔ اس کا شمار صاحبان شان لوگوں میں نہیں ہے۔

لہ۔ اقبال رحؒ نے کہا ہے ؎ ہر کہ در آفاق گردد بوترابؒ ÷ باز گرداند ز مغرب آفتاب (غ)

جس قدر زمانے میں انسان گزرے ہیں وہ تو مولا امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم چومتے رہے ہیں۔ اور جو ان کے قدم نہ چومے اس کا شمار انسانوں سے نہیں بلکہ حیوانوں سے۔ (واولئک کالانعام)

اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون $\frac{9}{12}$

حسنین دے والد نے تقدیر بدل چھوڑی

سورج کوں ولا چھوڑیا مغرب دی عصر جوڑی

تاں ہیں تاں عقل پھر دن حیران زمانیدے

(خادم حسین آصفی سلمہ اللہ تعو)

والد حسنین حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے خدا کی تقدیر کو بدل دیا کہ سورج کو واپس کر کے مغرب سے عصر بنا دی۔ اسی لئے تو ہر زمانے کے عقلمندوں کی عقلیں حیران و پریشان رہی ہیں۔ مخالفین اور موافقین دونوں گروہوں کی عقلیں حیران ہیں کہ وہ سمجھ نہیں سکیں کہ یہ واقعہ کیسے ہوا۔

فذات المخلوق و وصف الخالق

فقد حارت الالباب ایۃ حیرۃ

(ابن الحدید) کہ ان کی ذات تو مخلوق ہے اور وصف خالق کے ہیں۔ بے شک عقلمندوں کی عقلیں ان کے بارے میں حیران ہیں۔ یہ کیسی عجیب حیرانگی ہے۔

اسی امر کو خود امیرالمومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خطبہ میں جو طارق بن شہاب کے نام معروف و مشہور ہے۔ اس میں ارشاد

فرمایا ہے جو صفحہ ۱۵۰ پر درج ہے۔
کہ امام کی معرفت میں ہر شے کل مخلوق کل علماء و فقہاء و بلغاء وخطباء و فصحاء عاجز اور حیران ہیں ۔حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام عقول انسانیہ سے بہت ہی بلند ہے ۔خیال رہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا کی تقدیر کو بدلنے کا ذریعہ اور وجہ نماز اور عبادت کو قرار دیا ہے۔ (اللہ رے شان علیؑ) گل محمدؐ عاشق ملتانی مرحوم اجرہ اللہ تقدیر خدا کو بدل کر اپنے خلیفہ خدا ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں ۔ثابت کر رہے ہیں کہ ہم خدا کی کل مخلوق پر اس کے خلیفہ ہیں ۔جو کچھ وہ اپنی مخلوق سے کر سکتا ہے ۔وہی ہم اس کی خلافت کے عہدہ سے کر سکتے ہیں ۔اور جو خدا کی تقدیر کو نہ بدل سکے وہ اس کا خلیفہ نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے ۔اور تقدیر خدا کو بدل کر اس کی عبادت کر کے اس کا سجدہ کر کے اپنی عبودیت کا ثبوت دے رہے ہیں کہ ہم اس کے وہ عبادت گذار اور تابعدار بندے ہیں جو خدا کی تقدیر کو بدلنے کی قوت اس کے عطیہ سے رکھتے ہیں ۔اگر وہ خدا کی تقدیر کو بدل کر اس کی عبادت اور سجدہ نہ کرتے تو لوگوں کے اعتقاد کا نقشہ آج کچھ اور ہوتا ۔لیکن آپ نے ثابت فرما دیا کہ خدا کی خلافت کے عہدہ و عطیہ سے ہم اس کی ظاہری اور باطنی تقدیر کو بدل سکتے ہیں ۔لہٰذا ان کا قیاس اور شمار خدا کی دوسری مخلوق پر نہیں ہو سکتا ۔یہی امر وہ خود اپنے ارشادات میں فرما گئے ہیں حجم کتاب اور خوف طوالت مانع ہے ۔ورنہ ہم عرض کرتے کہ اصل وقت عصر کو کیوں ضائع فرمایا گیا ہے۔

(فاعتبروا یا اولوا الباب)

نظامِ عالم کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس واقعہ کی یہ صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

(۱) ایک صورت یہ ہے کہ سورج اپنے نظام کو وہیں چھوڑ کر خود واپس ہو یا کہ واپس کیا جائے اور پھر اپنے ٹھہرے ہوئے کھڑے ہوئے نظام سے جا ملے۔

(۲) دوسری یہ ہے کہ نظام چلتا رہے اور سورج ہی واپس ہو پھر عصر سے چل کر اپنے چلتے ہوئے سیاروں سے جا ملے۔

(۳) تیسری یہ ہے کہ سورج مع اپنے نظام واپس آئے اور پھر بلا وقفہ مغرب میں چلا جائے۔

نظامِ عالم کی تقدیر تو ان تینوں صورتوں سے ابا و انکار کرتی ہے اور انکار اپنے مقام پر بالکل درست ہے۔ کہ جب تک نظامِ عالم کی تقدیر کو نہ بدلا جائے یہ واقعہ صورت وقوعہ میں آ ہی نہیں سکتا۔ اور وقوعہ کا ثبوت بطریق اسلامی و شرعی موجود ہے جس سے انکار اسلامی و شرعی سلسلہ روایات کے طریقہ اور وجود روایات کا انکار ہے۔ کہ اس طرح اسلامی روایات کی صحت و صداقت ختم جس سے اسلام ہی ہباءً منثورا ہو جائے گا۔

پس اس کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں کہ نظامِ عالم کی تقدیر کو بدلنے کا اقرار کیا جائے۔ جب اقرار کرنا پڑا۔ تو اب یہ بھی اقرار کرنا ہوگا کہ جس نے نماز پڑھنی تھی اسی نے نظامِ عالم کی تقدیر کو بدلنا تھا خدا نے تو نماز نہیں پڑھنی تھی جو نظامِ عالم کی تقدیر کو وہ بدلے۔ نماز تو حضرت علی علیہ السلام نے پڑھنی تھی جو ان پر خدا نے فرض کی تھی۔ پس نماز پڑھنے والے نے سورج کو واپس کرنا تھا اور وہ تب ہی واپس کر سکتا ہے جب اس کو خدا کی تقدیر کے بدلنے کا اختیار اور قدرت دونوں حاصل ہوں چونکہ

واقعہ کے وقوع کا ذکر اور ثبوت اسلامی روایات میں موجود ہے جو صرف ایک ہی فرد واحد حضرت امیر المؤمنین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہے جس سے ثابت ہے کہ خداوند عالم نے آپ کو اپنی تقدیر بدلنے کی قدرت اور اختیار خلافت نبویہ کے عہدہ کی صورت میں عطا فرمایا ہوا تھا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا تھا (نحن صنائع ربنا والخلق بعد صنائع لنا) ان الفاظ میں اسی عہدہ اور قدرت واختیار کا ذکر فرمایا ہے۔ اور صحیح درست فرمایا ہے پس جس طرح اس ظاہری تقدیر خدا کو بدلا ہے۔ اسی طرح باطنی تقدیر کو بھی بدل سکتے ہیں۔ اور انسانوں کی تقدیر کو بھی بدل سکتے ہیں بدلتے رہے ہیں جس کا ذکر معلم موسےٰ علیہ السلام کے تحت گذر چکا ہے۔ اور اس کے علاوہ کتب مناقب ومعجزات میں موجود ہے۔ پس عقلی اور نقلی دونوں طرح کا ثبوت مہیا کر دیا گیا ہے جس کے بعد انکار کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔ مگر "جماعت مولفہ" یا وہابیت ان سے مانوس نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس کے انکار کی وجہ ہی شان ومرتبہ اہل بیت نبوت ہے پھر وہ ان کے ہی ارشادات سے کیونکر تسلی پا سکتی۔ اس واسطے ایک ثبوت ان کے مسلمات سے پیش کر کے حجت تمام کرتے ہیں۔ کتاب بخاری شریف باب ثواب سنن ونوافل میں حضرت ابوہریرہ صاحب سے روایت ہے جس کو حافظ ابراہیم صاحب قریشی نے سلسبیل لاہور کے پرچہ دسمبر ۱۹۶۷ء کے صفحہ ۲۰ پر اپنے درس حدیث میں بیان کیا ہے (درس دیتے ہیں)

"عن ابی ھریرۃ (رض) قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ ان اللّٰہ تعالیٰ قال من عادیٰ لی ولیاً فقد اذنتہٗ بالحرب وما تقرب الیّ عبدی بشیٔ احبّ الیّ مما افترضت (فرضت) علیہ ومایزال

عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتیٰ احببتہٗ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہٗ الذی یبصر بہ و یدہٗ التی یبطش بھا و رجلہٗ التی یمشی بھا و ان سالنی سائلنی لاعطینہٗ ولئن استعاذنی لاعیذنہٗ وما ترددت عن شیٍٔ انا فاعلہ ترددی عن نفس المومن یکرہ الموت وانا اکرہ مساءتہ ولا بدلہ منہ (رواہ البخاری) ترجمہ حافظ ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی۔

ابوہریرہ (رض) روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث قدسی میں فرمایا۔ کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تو میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ میرا تقرب کسی اور عمل سے جو مجھے پسند ہو اتنا حاصل نہیں کرتا جتنا کہ اس عمل سے جو میں نے اس پر فرض کیا ہے۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے۔ تاآنکہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ اور اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اور اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے۔ اور اس کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ اب اگر وہ مجھ سے سوال کرے گا۔ تو میں اس کو دونگا اور اگر میری پناہ میں آنا چاہے گا۔ تو میں اسے اپنی پناہ میں لے لونگا۔ اور مجھے کسی کام کے کرنے میں جو مجھے کرنا ہوتا ہے اتنا تردد نہیں ہوتا جتنا کہ مومن کی روح قبض کرنے میں ہوتا ہے۔ اسے موت پسند نہیں ہوتی اور مجھے اس کا دلگیر ہونا گوارا نہیں ہوتا اور موت اس کے لئے

ناگزیر ہوتی ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔"

اس کے بعد حافظ صاحب نے اس کی تشریح و تمثیل درج کی ہے۔ جس مقصد کے لئے یہاں یہ حدیث نقل کی ہے اس کے بیان سے قبل اس حدیث کے چند اشاروں کو ضمنی طور پر عرض کیا جاتا ہے۔ ناظرین حضرات تفکر و تدبر سے کام لیں :-

(۱) اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ کے نام کے ساتھ عربی اور اُردو کی عبارتیں بریکٹ یا قوسین میں (رضؓ) کا اشارہ دیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت حافظ صاحب مدظلہٗ نے عزت و حرمت صحابیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی عقیدت کا ثبوت دیا ہے۔ لیکن اصل عبارت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

(۲) آنحضرت کے اسم مبارک کے ساتھ (صلے اللہ علیہ وسلم) لکھا گیا جو اصل عبارت روایت میں ہی درج ہے۔ مگر اس جگہ اصل راوی حضرت ابوہریرہ رضؓ صاحب اور حضرت محمد بن اسمٰعیل محدث بخاری صاحب اور حضرت حافظ ابراہیم قرشی صاحب نے بھی (وعلےٰ آلہٖ یا کہ وعلےٰ آل محمدؐ) کا ذکر نہیں کیا جس سے ثابت ہے کہ ان حضرات کے دل میں آل محمدؐ کی قدر و قیمت اور حرمت و عزت صحابہ کرام کے برابر بھی نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت ابوہریرہ رضؓ اور محمد بن اسمٰعیل صاحب محدث بخاری صاحب بھی نماز میں دعائے التحیات میں (اللّٰھم صلی علیٰ محمدٍ و علیٰ اٰلِ محمدٍ) پڑھا کرتے تھے۔ اور حضرت حافظ ابراہیم قرشی صاحب بھی پڑھتے ہیں کہ اس کا اس دعا میں پڑھنا فرض ہے۔ بغیر اس کے درود

پڑھنے کے نماز ناقص اور باطل ہو جاتی ہے۔ اور اس کے علاوہ جب بھی کوئی دعا پڑھی جاتی ہے۔ تو اس طرح عرض کیا جاتا ہے۔ (اللھم صلی علی محمد و آلہ و اصحابہ وازواجہ اجمعین) مسلمانوں کے اس عمل سے صحابہ کرام اور محدثین اور زمانہ حال کے علماء کرام کا عملی ثبوت ملتا ہے کہ آل محمدؐ کے ساتھ ان کی عقیدت کیا ہے۔ ایسے حضرات یا ان کے مقلد حضرات آل محمدؐ کے مراتب اور فضائل کو کس طرح بآسانی تسلیم کر سکتے ہیں جبکہ "جماعت موحدہ" یا وہابیت کے عقیدہ توحید پرستی کی بنا اور علت ہی صرف یہی ہو۔ جس کے تحت "غیر اللہ" کی اصطلاح کو پیدا کیا گیا ہے۔ تا کہ توحید پرستی کے جذبہ سے آل محمدؐ کے درجات اور فضائل کو محو کیا جا سکے۔ فھتمھم تدبر

(۳) (ان اللہ تعالیٰ قال من عادیٰ ولیاً فقد اذنتہ بالحرب) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے میرے کسی ولی سے دشمنی کی تو میری طرف سے اس کو اعلان جنگ ہے۔

حدیث قدسی کے اس فقرہ کے تحت مدعیان توحید پرستی سے سوال ہے کہ وہ آل محمدؐ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے طاہرین علیہم السلام کو اس نقطہ "ولی" میں داخل و شامل مانتے ہیں یا کہ نہیں مانتے۔ اگر نہیں مانتے تو کیوں۔ اس کا ثبوت کیا ہے۔ کیا وہ ولی اللہ نہ تھے۔ یا کہ وہ یہ اعمال نہ بجا لاتے تھے۔ جن کا ذکر اس حدیث قدسی میں بیان فرمایا گیا ہے حالانکہ قرآن مجید و احادیث سے اس کا ثبوت دے چکے ہیں۔ اور اس کے علاوہ اور بھی موجود

ہے جس کا بیان ہم نہیں کر سکتے۔

جب یہ ثابت ہے کہ آل محمدؐ ولی اللہ تھے۔ تو پھر ان کی ولایت سے انکار ان کی دشمنی میں داخل ہے یا دوستی میں داخل ہے۔ پس آل محمدؐ کی ولایت سے انکار اور ان کے فضائل ولایتی سے انکار صریحاً ان کی دشمنی میں داخل ہے۔ جو منکرین کو (یحاربون اللہ و رسولہ $\frac{6}{9}$) میں داخل کر دے گی۔ اسی لئے ہم اپنے مقدس فاضلیت کو اس خطرہ سے متنبہ کرتے آئے ہیں کہ وہ خدا کی غائب رہنے والی فوج کے گھیرے میں محصور ہو چکے ہیں بہتر ہے کہ توبہ کی سفید جھنڈی دے کر جان بچالیں۔ ورنہ وقت گزر جانے پر کچھ نہ ہو سکے گا۔

پس اس حدیث قدسی سے ثابت ہے کہ آل محمدؐ کی ولایت اور ان کے وہ فضائل جو ولایت کے لئے لازمی ہوتے ہیں سے انکار کرنا خدا سے جنگ کرنا اور ان سے دشمنی کرنا ہے۔ (اعاذنا اللہ من حربہ)

(۴) وما یزال عبدی یتقرب الیّ بالنوافل حتی احببتہ' (الخ) اور میرا بندہ نوافل کے ذریعہ میرے قریب ہوتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ یہ فقرہ اس بندہ کے حق میں ہے۔ جو اس سے پہلے خدا کا محبوب نہیں ہوتا یا نہیں تھا۔ یہ بندہ مداحت نوافل سے خدا کا محبوب بنتا ہے اور یہ خدا کی محبوبیت کسبی و عملی ہے۔ جو عام اور ناقص ہے۔ خدا کی اس طرح کی محبوبیت میں ہر شخص جو فرائض و نوافل کی ادائیگی پر مداحت کرے داخل ہو سکتا ہے۔ اگر کل مسلمان یہ عمل کریں تو سب اس میں داخل ہو سکتے ہیں۔ پس اس حدیث کے مطابق عمل کرنے والا مومن اسی امر

کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس کے تمام اعضاء کے افعال کا محرک خداوند عالم کا ارادہ ہوتا ہے۔ یعنی وہ ہر کام خدا کی منشا کے مطابق کرتا ہے۔ حافظ ابراہیم صاحب فریشی نے اس حدیث قدسی کی تشریح اثمرو تاثر سے مغلوبیت کے ساتھ بیان فرما کر اتحاد ارادی اور اتحاد جذباتی اور اتحاد ظاہری و باطنی دکھا کر سدھے ہوئے گھوڑے کی مثال دی ہے۔ کہ سدھائے اور سکھائے ہوئے گھوڑے کا عمل دیکھنے میں گھوڑے کا نظر آتا ہے۔ لیکن باطن میں اس کا ہر عمل اسوار کے ارادہ کے تحت ہوتا ہے۔ اور اسوار اور رہوار میں لجام کی باگ یا کہ راس کے اشارہ کا تعلق ہوتا ہے۔ یعنی باگ اور راس کے تعلق سے اسوار کا ارادہ گھوڑے کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس مثال سے ثابت کیا ہے۔ کہ فرائض و نوافل کو دائماً ادا کرنے والا بندہ اس گھوڑے کی مانند ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اس کے افعال سے ارادہ الٰہی ظہور ہوتا ہے۔ ہمارے نزدیک ممکن تو ہے۔ لیکن ہر ممکن امر واقعہ نہیں ہو سکتا۔ جب تک اسوار اور رہوار کے عمل کا توسل درمیانی ثابت نہ ہو جس کو لجام کا اشارہ کہا جاتا ہے۔ یہ مقام (حتیٰ احببتہٗ) کی حد کے اندر ہے جس کو ولایت کسبیہ بھی کہا جاتا ہے یہ مقام ضرور ہے۔ لیکن عام نہیں بلکہ قلیل اور نکتہ واحد پر ہی آجاتا ہے۔ کہ بلندی درجات عدد کو گھٹا دیتی ہے۔ تفکروا لیکن ہمارا بیان سابقہ ولایت موہبتیہ وہبیہ کلیہ کاملہ کے متعلق ہے جس کا ثبوت آیات واحادیث سے کافی دیا گیا ہے جس کے مستحق کو خدا نے دو خا احبیت" کی نص ہے مقام حب سے خلق فرما کر اس کے حق میں (الیؤتون الزکوٰۃ وھم راکعون) کی نص جلی کر دی ہے۔ اور اپنی قدرت کا مظہر کلیہ دائمی قرار دیا ہے۔ جس کے حق میں (ولوحینا الیھم فعل

الخیرات) کی نص ہے۔ کہ ان کا ہر فعل وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے جس کو
بل یداہ مبسوطتان) کا مقام حاصل ہے جس کا ارادہ ہی خدا کا ارادہ ہے
(ما تشاءون الا ان یشاء اللہ) اس کی ولایت اور اس کی
ولایت کے اختیار کلی کا انکار اور اس کے تصرف کلی سے انکار خدا سے جنگ کرنا ہے۔

زمین و آسماں عرش و کرسی بحکمش
علیؑ داں علٰے کل شئی قدیرا

(مولوی معنوی مرحوم)

ان آیات و احادیث سے انکار کے ساتھ خدا کی قدرت اور اس کے مظہر
کا صریحی انکار ہے جو اسلام سے خروج کا باعث ہے۔

فاعتبروا یا اولوالباب

پس توحید پرستی کے پردہ میں توحید اور قربانِ توحید کا انکار کرنا
دنیا کے لئے قطعاً جائز نہیں۔ خداوند عالم فرماتا ہے۔
(ان اللہ یفعل ما یرید ۱۷/۹ و یفعل اللہ ما یشاء ۱۳/۱۶)
کہ اللہ تعالےٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ (لا یسئل عما یفعل
وھم یسئلون ۱۷/۲) اللہ تعالےٰ سے کوئی نہیں پوچھ سکتا کہ تو نے
ایسا کیوں کیا۔ یا کہ ایسا کیوں نہ کیا۔ بلکہ ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے
کیوں نہیں مانا۔ تم نے کیوں انکار کیا۔ کیوں اعتراض کیا۔

پس توحید پرستی یہی ہے کہ خدا کے ہر قول و فعل پر اس طرح ایمان
لایا جائے جس سے خدا کی منشاء ہے اور رسولؐ نے اس کا اظہار فرمایا۔
بیان فرمایا ہے۔

خداوند عالم کے قول و فعل میں قیاسی رائے سے دخل دینا ہی شرک پرستی ہے۔

(افرءیت من اتخذ الٰھہ ھوٰنہ) ۲۵/۱۹

یعنی پس کیا تو نے اُس کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو خدا بنا لیا ہے۔

آیات واحادیث کے متفقہ فیصلہ کے خلاف اپنی طرف سے تاویل کرنا ہی خواہش نفس کی پیروی کرنا ہی شرک میں داخل اور توحید پرستی کے خلاف نفس پرستی ہے۔ پس اس نفس پرستی اور خواہش پرستی پر جس قسم کا بھی غلاف اور پردہ چڑھا لو پھر بھی شرک ہی ہوگا اور رہے گا۔ کہ خدا و رسول ص کے فرمان کے خلاف ہے۔ اعاذنا اللہ من ھذا۔

پس جو کچھ یہاں تک عرض کیا گیا ہے۔ یہ سب فرمان معصوم علیہ السلام کے اس فقرہ کا ظاہری ثبوت ہے جس میں فرمایا گیا ہے۔

لنا مع اللہ حالات فیھا نحن ھو و ھو نحن ومع کل ذالک ھو ھو و نحن نحن۔

پس اب تک (نحن ھو) کا ظاہری ثبوت تھا جس کا باطنی ثبوت ہمارا کیا کسی کی بھی بساط نہیں کہ اس کو بیان کرسکے۔ کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

لا یعرف اللہ الا انا و علی ولا یعرفنی الا اللہ و علی ولا یعرف علی الا اللہ و انا۔

یہ مقام معرفت سب کے لئے بند ہے۔ اس کا دروازہ نہیں کھل سکتا۔ وہاں تک کسی کی رسائی نہیں۔ اب ہم صرف دو چار نمونے (ھو ھو نحن) کے دکھاتے ہیں تاکہ کلام امام علیہ السلام کی معرفت آسان ہو جائے اور اہل دل گریز نہ کریں۔

فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ۔ اہل علم کا مسلمہ

امر ہے کہ حکیم کا فعل کبھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ خداوند عالم حکیم ازلی ہے۔ اس کا کوئی امر حکمت سے کس طرح خالی ہو سکتا ہے۔ یا کہ مانا جا سکتا ہے۔ پس خداوند عالم کا ہر قول و فعل حکمت پر مبنی ہوتا ہے جس کو نہ معلوم کرتے یا کہ رجوع نہ کرنے اور تدبر و تفکر نہ کرنے سے لوگوں نے اکثر غلطیاں کھائی ہیں اور اپنی غلطیوں کو صحیح جان کر ان کو ہدایت تسلیم کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ ہدایت کو گمراہی سمجھنے لگے ہیں اور گمراہی کو ہدایت مان لیا ہے۔ اس لئے وہ ہمیشہ ہادیانِ دین سے متنفر رہے ہیں اور خدائے حکیم کی کتاب حکیم (والقرآن الحکیم) کی تعلیم صاحبان حکمت سے نہیں حاصل کرتے۔ لہٰذا جب کسی حکیم الٰہیہ کا قول و عمل ان کے آگے پیش ہوتا ہے تو اس سے متنفر و گریز کرتے ہیں جس سے اختلاف دین کے اسباب میں اضافہ ہوتا رہا ہے اور آج بھی ہو رہا ہے۔

غور کریں خدائے حکیم نے کتاب حکیم میں مسلمانوں کو ایک حکم دیا ہے:۔

یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ واتقوا اللہ ان اللہ سمیع علیم۔ ۲۶/۱۳

اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سنتا اور جانتا ہے۔

اس آیت میں خداوند عالم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے۔ امر کیا ہے کہ تم خدا اور اس کے رسولؐ سے آگے نہ بڑھنا (تقدم) آگے بڑھنے اور فوقیت حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ تقدم کے بعد بین یدی اللہ و رسولہ آیا ہے۔ (بین یدی) کا مقصد کسی کے آگے چلنا ہی ہوتا ہے جس سے ثابت ہے کہ کسی کے آگے چلنے کا عمل جسمانیت اور رویت پر منحصر ہے۔ یعنی کسی جسم دار

وجود کو دیکھ کر اس کے آگے نہ چلا جائے اور جو جسم دار وجود نہ ہو۔ اور دیکھا نہ جا سکے اس کے آگے اور پیچھے چلنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اور خداوند عالم کی ذات غیب الغیوب جسم و جسمانیات سے پاک اور مقام و رویت سے منزہ و مبرّا اس کے آگے اور پیچھے چلنے کا عمل ناممکن و محال ہے۔ انسان تو انسان ہے بلکہ جن اور ملک اور روح بھی خدا کے آگے اور پیچھے نہیں چل سکتا۔ اور نہ ہی خداوند عالم سے چلنے اور کھڑے ہونے وغیرہ کا فعل صادر ہوتا ہے باوجود اس کے خداوند عالم کو اس حکم میں اپنی ذات کو اول میں پیش اور بیان فرمانے کی کیا ضرورت تھی، حکیم ازلی و ابدی نے اپنی ذات کو پہلے پیش کرتے ہیں ضرور کوئی علت و حکمت و مصلحت رکھی ہے پس حکم موجود ہے جس پر مسلمانوں نے عمل کرنا ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر فرض ہوا کہ وہ معلوم کرے کہ خدا اور اس کے رسول کے آگے چلنے کے کون سے مقامات ہیں۔ پس خداوند عالم کے اپنی ذات کو اس حکم میں داخل و شامل کرنے کی دو ہی وجہیں ہیں۔

(۱) ایک وجہ یہ ہے کہ خداوند عالم مسلمانوں کو سمجھانا اور بتلانا چاہتا ہے۔ کہ میرے رسول ؐ کی عظمت و حرمت میری عزت و حرمت ہے۔ میرے رسول ؐ کے آگے چلنا میرے آگے چلنا ہے اور اس پر فوقیت چاہنا مجھ پر فوقیت چاہنا ہے۔ اس کا ادب کرنا۔ اس کی حرمت کرنا اس کی تعظیم کرنا۔ میرا ادب میری حرمت اور میری تعظیم کرنا ہے۔ اور میرے رسول ؐ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند کرنا۔ میری آواز پر اپنی آواز کو بلند کرنا ہے۔ اور میرے رسول ؐ کو اپنے جیسا جان کر اور اپنے میں سے ایک فرد جان کر اس سے بات کرنا یا کہ کوئی اور عمل کرنا مجھ سے کرنا ہے ایسا

کرنے والے کے اعمال اس طرح حبط ہو جائینگے جس کی تم کو سمجھ بھی نہ آئے گی۔ تم معلوم بھی نہ کر سکو گے کہ ہمارے اعمال کیونکر اور کب حبط ہو گئے۔ جس سے ثابت ہے کہ خدا کی حرمت و عظمت ہی رسولؐ کی حرمت و عظمت ہے جس طرح کا عمل رسولؐ کے ساتھ کرو گے وہ ہی خدا سے ثابت ہوگا۔ **فتعقلوا فیہ**

(۲) اور دوسری وجہ یہ ہے۔ کہ خداوند عالم اپنی ذات اقدس کو اپنے رسولؐ اور اس کی آل سے ملحق فرما کر اپنی ذات کو ان کے ساتھ ایک فرد قرار دے رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھو کہ اپنی حکومت اور ملکیت میں اپنی ذات کو حاکم و بادشاہ اور رسولؐ و آلِ رسولؐ کو شاہی خاندان (رائل فیملی) بنا رہا ہے اور ثابت فرما رہا ہے کہ جس طرح شاہی خاندان کی حرمت و عظمت بادشاہ کی حرمت و عظمت میں داخل ہوتی ہے اور بادشاہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ بلا شبہ و تمثیل۔ اسی طرح رسولؐ و آل رسولؐ کی نسبت ہے جس کا ثبوت آیہ مباہلہ اور آیت ولایت انما ولیکم اور آیہ صلوات میں موجود ہے۔ کہ جو کچھ رسولؐ کے لئے ثابت ہے وہی آل رسولؐ کے لئے ثابت ہے سوائے نبوت و رسالت کے عہدہ کے۔ باقی تمام مراتب اور فضائل اور اوصاف میں سب حصہ دار ہیں اور خداوند عالم نے ان کو اس امر کے لئے مصطفےٰ و مجتبےٰ و مرتضےٰ قرار دے کر اپنے تمام اوصاف کا مظہر کامل بنا کر اور خلافت رسولؐ کا عہدہ عطا فرما کر اپنی سلطنت میں انکو شاہی خاندان (رائل فیملی) بنا دیا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کو اپنا تقرب خاص عطا فرما کر اپنی ذات کو اپنی حکومت یا کہ فیملی

کا ایک فرد قرار دے دیا۔ اسی واسطے فرمایا ہے۔

انما ولیکم اللہ و رسولہ و المومنون الذین یقیمون الصلوٰۃ و یوءتون الزکوٰۃ وھم راکعون ۶/۹

اسی وجہ سے اپنی حکومت میں یہ قانون بنا دیا ہے کہ میرے اور میرے رسولؐ اور اس کی آل کے آگے نہ بڑھنا۔ تاکہ اہل اسلام میں محمدؐ و آلؑ محمدؐ کا مرتبہ رائل فیملی شاہی خاندان کا اعزاز دائماً قائم رہے جس سے لوگ ان کی اطاعت کرنے سے کراہت نہ کریں۔ بلکہ بخوشی خاطر اور فخراً قبول کرکے ثواب اور نجات آخرت حاصل کریں۔

خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت کے فرض ہونے کی وجہ اسی مقصد و مطلب کو خداوند عالم نے اس دوسرے قانون میں مقرر فرمایا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ و یغفرلکم ذنوبکم ۳/۱۲

تم کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو۔ (اگر محبت رکھتے ہو اللہ کی ترجمہ عبدالقادر) تو میرا اتباع۔ میری پیروی۔ میری اطاعت کرو۔ تاکہ اللہ تم سے محبت کرے اور تمہارے گناہ بخش دے۔

اس حکم میں خداوند عالم نے اپنی محبت کو رسولؐ کی پیروی اور اتباع سے وابستہ کر دیا ہے جس کا صلہ اپنی محبت اور مغفرت قرار دیا ہے جس کا مقصد یہ ہوا۔ کہ خدا نے اپنی محبت اور مغفرت کو رسولؐ کی اطاعت اور پیروی سے مشروط فرما کر ثابت کر دیا ہے کہ میری محبت کا حقدار وہ شخص ہے جو میرے رسولؐ کا اتباع کرنے والا ہے۔ جو شخص مطیع رسولؐ نہ ہو۔ وہ میرے رحم و کرم کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ اگر بغیر استحقاق کسی پر رحم و کرم

کردوں تو اس کے لئے عذاب آخرت کی دلیل اور نشانی سمجھنا ۔ پس اس قانون سے خداوند عالم نے ثابت کر دیا ہے ۔ کہ میں ہر امر میں اپنے رسول ؐ کے ساتھ ہوں جو شخص ہر امر میں مجھے رسول ؐ کے ساتھ نہ سمجھے یا کہ کسی امر میں مجھے رسول ؐ سے علیحدہ جانے وہ صراط مستقیم سے دور اور نا واقف ہے ۔ (انک علی صراط مستقیم) صراط مستقیم خدا کی سیدھی راہ رسول ؐ کے عملی قدم اور قدموں کے نشان کا نام ہے ۔ جس سے ثابت ہے کہ خدا ہر امر میں رسول ؐ کے ساتھ ہے ۔ اسی کو امام علیہ السلام نے (هو الحق) میں بیان فرمایا ہے ۔ کہ بعض مقام نہیں نہیں ہر مقام میں وہ ہم میں شامل ہوتا ہے ۔ ہمارے ساتھ ہوتا ہے ۔ اور اسی قانون محبت کی دوسری شق کو اس طرح بیان فرمایا ہے ۔

قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربیٰ ۔ $\frac{۲۵}{۴}$

تم کہہ دو ۔ کہ میں تم سے اپنی رسالت پہنچانے دین اسلام کے احکام سکھانے کا اور کوئی اجر نہیں مانگتا ۔ مگر یہ کہ تم میرے اقربیٰ سے مودۃ رکھو ۔ اس آیت میں (الّا) کو متصلہ مانا جائے ۔ یا کہ بقول امام رازیؒ صاحب منقطع مانا جائے ۔ مقصد یہی پیدا ہوتا ہے کہ تم میرے اقربیٰ سے مودۃ رکھو ۔ کیونکہ مسلمانوں کو خدا نے اپنے اقرباء سے محبت رکھنے سے منع فرمایا ہے ۔

یا ایها الذین امنوا ان من ازواجکم و اولادکم عدوّا لکم فاحذروهم ۔ $\frac{۲۸}{۱۶}$

اے ایمان والو تمہاری ازواج اور اولاد میں سے تمہارے دشمن ہیں پس ان سے ڈرتے رہو ۔

انما اموالکم و اولادکم فتنه ۔ $\frac{۲۸}{۱۶}$

سوائے اس کے نہیں ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں باعث فساد ہیں۔
اس آیت میں کلمہ حصر کے ساتھ فرمایا ہے کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فساد اور آزمائش کا باعث ہیں لہٰذا ان کی محبت سے بچتے رہو۔

وما اموالکم و اولادکم بالتی تقربکم عندنا زلفی ۲۲/۱۱

اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد ہماری بارگاہ میں تم کو ذرہ بھر بھی مقرب نہیں بنا سکتے۔

یایھا الذین امنوا لا تتخذوا اباءکم و اخوانکم اولیاء ان استحبوا الکفر علی الایمان ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظلمون ○ قل ان کان اباءکم وابناءکم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم واموال ن اقترفتموھا و تجارۃ تخشون کسادھا ومسکن ترضونھا احب الیکم من اللہ و رسولہ و جھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لا یھدی القوم الظلمین ۔ ۱۰/۹

اے ایمان والو۔ اپنے باپ دادوں اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ جبکہ وہ ایمان کے بالمقابل کفر کو محبوب رکھتے ہوں اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی رکھے وہ ہی ظالم ہیں۔ تم کہہ دو اگر تم کو باپ دادے اور بیٹے اور بھائی اور تمہاری عورتیں اور تمہارے قبیلے اور وہ مال جو تم نے جمع کر رکھے ہیں اور تجارت کی کساد بازاری اور وہ مکان جو تم کو رہائش کے لئے پسند ہیں خدا اور اس کے رسول اور جہاد راہ خدا سے زیادہ پیارے ہیں۔ تو خدا کے حکم کا انتظار کرو۔ اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

پس ان آیات میں مسلمانوں کو اپنے اقرباء کی محبت سے منع فرمایا گیا ہے۔ لہذا آیہ مودۃ میں اقربائے رسولؐ کی ہی مودۃ فرض کی گئی ہے۔ آیت مودۃ میں مسلمانوں کے اپنے اقرباء کی مودۃ ہرگز مراد نہیں۔ بلکہ اقربائے رسولؐ کی مودۃ کو خدا نے رسولؐ کی رسالت کا اجر اس لئے مقرر فرمایا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے تھے۔

پس خداوند عالم نے پرستاران توحید کو قانون محبت کی ان دونوں شقوں میں مامور کر دیا ہے۔ کہ ہر توحید پرست خدا کی محبت حاصل کرنے کے لئے میرے رسولؐ کا اتباع کرے جب تک کوئی توحید پرست اتباع رسول نہ کرے خدا کی محبت کا مستحق نہیں ہو سکتا کہ خدا نے اپنی محبت کو اتباع رسولؐ سے مشروط فرما دیا ہے۔ (فاتبعونی یحببکم اللہ) پس جب تک کوئی پرستار توحید اتباع رسولؐ میں داخل رہے گا۔ تب تک خدا اس سے محبت کرے گا۔ جب بھی وہ کسی امر میں اتباع رسولؐ سے خارج ہو گا۔ اسی وقت وہ محبت خدا سے خارج ہو جائے گا۔ جس سے ثابت ہے کہ توحید پرستی اور خدا کی محبت حاصل کرنے کے لئے اتباع رسولؐ فرض ہے۔ اور جو شخص اتباع رسولؐ میں داخل ہوا۔ اس پر اجر رسالت ادا کرنا فرض ہو گیا۔ اور رسولؐ کی رسالت کا اجر خدا نے اقربائے رسولؐ کی مودۃ مقرر فرمایا ہے جس سے ثابت ہوا۔ کہ ہر توحید پرست پر اتباع رسولؐ کے ساتھ مودۃ اقربائے رسولؐ رکھنا فرض ہے۔ پس جو شخص مودۃ اقربائے رسولؐ نہ رکھے اس کو توحید پرستی اور اتباع رسولؐ سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ کہ توحید پرستی اور خدا کی محبت اتباع رسولؐ سے مشروط اور وابستہ ہے۔ اور اتباع رسولؐ کا فائدہ اجر رسالت ادا کرنے پر منحصر ہے۔ اور اجر رسالت رسولؐ کے اقرباء کی مودۃ ہے اور مودۃ کا مفہوم حضرت عمرؓ نے رسولؐ خدا سے یہ بیان کرایا ہے:-

صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۴ ص ۹۱ باب کیف کان النبی ؐ۔ اور صحیح مسلم و مشکوٰۃ کا باب کیف کان النبی اور نسیم الریاض جلد ۳ ص ۳۸۸ اور تفسیر در منثور جلد ۳ ص ۲۲۳ باسناد احمد و بخاری اور ازالۃ الخفا مقصد اول ص ۱۹۰ میں باسناد الحاکم والبخاری مرقوم ہے۔

عن انس رض بن مالک قال فقال لہ عمر رض یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لانت احب الیّ من کل شئ الا نفسی (من بین جنبی) فقال النبی ؐ لا والذی نفسی بیدہٖ لا یومن احدکم حتیٰ اکون احب الیک (الیہ) من نفسک (من نفسہٖ) فقال لہ عمر رض فانہ الاٰن واللہ لانت احب الیّ من نفسی (من بین جنبی) فقال النبی ؐ الاٰن یا عمر۔

انس بن مالک بیان کرتے ہیں۔ کہ حضرت عمر رض نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کی۔ یا رسول اللہ ؐ۔ آپ مجھے اپنی جان کے سوا ہر شے سے زیادہ عزیز اور پیارے ہیں۔ پس رسول خدا ؐ نے فرمایا۔ نہیں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ تم میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ اپنی جان سے مجھے پیارا اور عزیز تر جانتے تو حضرت عمر رض نے کہا۔ پس خدا کی قسم اس وقت سے لے کر آپ مجھے اپنی جان سے بھی پیارے اور عزیز ہیں۔ تو رسول خدا ؐ نے فرمایا۔ اب یا عمر (رض)۔

پس اس حدیث سے مودۃ کا مفہوم یہ ثابت ہوا۔ کہ محمد ؐ و آل محمد ؐ کو اپنی جان سے عزیز اور پیارا جاننا۔ پیار رکھنا مودۃ کہلاتا ہے۔ پس اس

مقام پر پہنچنے والے کی آخری منزل یہی ثابت ہوئی کہ وہ خود اور اس کی ہر چیز اقرباء رسولؐ کی ملکیت اور ان کا فدیہ ہے جس سے ثابت ہے کہ توحید پرست وہی ہے جو اقرباء رسولؐ کو اپنا مالک اور حاکم جان کر خود کو ان کا فدیہ اور غلام اور عبد بنا دے۔ جو ایسا نہ کرے وہ توحید پرست نہیں۔ بلکہ اپنی خواہش پرست ہے۔ اور اقرباء رسولؐ نے اپنا یہ مقام خود نہیں پیدا کیا۔ بلکہ خدا نے اپنے قانون سے ان کا یہ مقام قائم فرمایا ہے جس سے واضح ہے کہ خداوند عالم نے اقرباء رسولؐ یعنی محمدؐ و آلؑ محمدؐ کو اپنی حکومت میں شاہی خاندان رائل فیملی کا مقام عطا فرما کر ان کی مودۃ کو اپنی توحید پرستی کا جزو بنا دیا ہے۔ لہٰذا اس کا انکار خدا کے قانون اور اس کے حکم و امر اور اس کی توحید پرستی کا انکار ہے۔ فتدبر فیہ فانہ فرض بار۔

ایک وسوسہ یا شبہ اور اس کا دفیعہ

ہمارے الفاظ "شاہی خاندان رائل فیملی" سے ناظرین و مخالفین کو یہ وسوسہ پیدا ہو سکتا ہے۔ کہ "خداوند عالم نے سورہ توحید و اخلاص میں اپنی ذات کے لئے فرمایا ہے۔ کہ نہ میرا باپ ہے اور نہ ہی میں کسی کا باپ ہوں اور نہ ہی کوئی میرا ہمسر اور برابری والا ہے۔ اور نہ ہی کوئی میرا قبیلہ اور عشیرہ ہے جو مجھے ایسا جانے وہ کافر و مشرک ہے۔ اور عبد صاحب نے خدا کو خاندان اور فیملی والا ثابت کر دیا ہے۔ جو صریحاً کفر و شرک ہے۔ لہٰذا ان کا سارا بیان کفر نوازی و شرک پرستی پر مبنی ہے جس سے پرہیز واجب و فرض ہے۔ پس عبد کا بیان غلو سے مملو ہے۔ اور غالی کے کفر میں کوئی شبہ و شک نہیں"

اُس کا دفیعہ اور جواب

ہمارا بیان ناظرین حضرات کے سامنے موجود ہے۔ ہم نے کسی جگہ خداوند عالم اور محمدؐ و آلِ محمدؐ کا شجرہ نسب کا ایک ہونا ثابت نہیں کیا اور نہ ہی ان کی ذات کا ایک ہونا ثابت کیا ہے۔ جس سے اس وسوسہ کی پیداوار ہو سکے۔ جو کچھ ہم نے بیان کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کی آیات اور احادیث معصومین علیہم السلام کا مفہوم ظاہر کیا ہے۔ خداوند عالم کو محمدؐ و آلِ محمدؐ کا خالق اور ان کو خدا کی اعلیٰ خلق ثابت کیا ہے۔ اور خداوند عالم جل شانہ کا ان کو اپنے اوصاف کمالیہ کلیہ کا مظہر بتانا ثابت کیا ہے۔ اور یہ ان کے ہی فرمان سے دیکھایا ہے۔ اپنے قیاس کی بنا پر نہیں۔ بلکہ آیات واحادیث کے الفاظ سے دیکھایا ہے۔ (شاہی خاندان یا رائل فیملی) کا نظریہ بھی ہم نے اپنے قیاس سے نہیں بیان کیا۔ بلکہ معصومین علیہم السلام کے الفاظ (ھو نحن) کا ترجمہ کیا۔ اگر اس میں ہماری جدت ہے تو وہ صرف یہی ہے۔ کہ (ھو نحن) جس کا لفظی ترجمہ (وہ ہم) ہوتا ہے کا مفہومی ترجمہ شاہی یا رائل کے الفاظ میں کیا ہے۔ ہمارے معترض (وہ ہم -- ھو نحن) کا مفہوم و مقصد بیان فرمائیں کہ (وہ ہم) ہو جاتا یا کہ ہوتا ہے کے سوا اور کیا ہے۔ اور خداوند عالم کے (الا المودۃ فی القربیٰ) کا قانون بتانے کا اور کیا مقصد ہے۔ کہ وہ ان کو اپنی عظمت اور اعزاز میں اس قانون سے داخل فرما رہا ہے۔ پس اگر اس امر کے سوا کوئی اور مفہوم ان کو معلوم ہے تو وہ بیان فرمائیں۔ کہ اقربا رسولؐ کی مودۃ کو اجر رسالت قرار دینے کی اور کیا وجہ ہے۔ اور اگر یہی ہے تو پھر یہ شاہی یا

رائی اعزاز نہیں تو اور کیا ہے[1]۔ ھا ؤم اقرؤا کتابیہ

اس بنا پر خداوند عالم نے ایک اور قانون مقرر فرمایا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔

تقسیم اموال میں اعزاز شاہی

واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان اللہ خمسہ وللرسول ولذی القربیٰ و الیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل ان کنتم امنتم باللہ - ۱۰/۱

وما افاء اللہ علیٰ رسولہ منھم فما اوجفتم علیہ من خیل ولا رکاب ولکن اللہ یسلط رسلہ علیٰ من یشاء واللہ علیٰ کل شیٔ قدیر۔ ما افاء اللہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔ ۲۸/۲

اور جان لو سمجھ لو جان رکھو۔ کہ بے شک جو غنیمت تم کو کسی شے سے حاصل ہو پس بے شک اللہ کے واسطے ہے۔ اس میں سے پانچواں حصہ اور رسولؐ کے واسطے اور اس کے اقرباء کے واسطے اور ان کے یتیمیٰ یتیموں اور ان کے مساکین اور ان کے مسافروں کے واسطے ہے۔ اگر تم پر ایمان رکھتے ہو۔

اور جو کچھ اللہ نے اپنے رسولؐ کو ان سے دلا دیا ہے جس پر تم نے

---

[1] "خاندانِ نبوت" کو رائل فیملی سمجھنے میں تو کسی کو انکار نہیں۔ (ع)

گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑانے۔ لیکن اللہ مسلط کر دیتا ہے پڑلا دیتا ہے اپنے رسولوں کو جس پر چاہے۔ اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔ اور جو ہاتھ لگا دیا اللہ نے یعنی دلوا دیا اللہ نے اپنے رسول ص کو بستیوں والوں سے۔ پس وہ اللہ کے واسطے ہے۔ اور اس کے رسول ص اور اقربا رسول ص اور ان کے یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے واسطے ہے تاکہ تمہارے دولت مندوں کے ہاتھ میں نہ آئے۔

ان دونوں آیات میں جس مال کا ذکر ہے۔ ان میں پہلی ایت والے مال کو غنیمت کہتے ہیں جس کا مقصد و مفہوم یہ لیتے ہیں کہ جو مال کفار و مشرکین کا جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھ آئے وہ مال غنیمت ہوتا ہے۔ لیکن آیت کے الفاظ اس خیال کی تائید نہیں کرتے۔ کیونکہ آیت میں (غنمتم من شیءٍ) آیا ہے۔ اگر لفظ شی کا اطلاق مال مذکور پر ہی نہ کیا جائے۔ تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ تم کو جس شے سے غنیمت حاصل ہو جائے۔ جو دراصل ایسا ہی ہے۔ جبکہ غنیمت کا ترجمہ و مفہوم نفع اور فائدہ جو عام لیا جائے یعنی جس شئے سے بھی نفع اور فائدہ حاصل ہو۔ وہ غنیمت ہے۔

چونکہ ہمیں اس وقت اس بحث سے تعلق نہیں۔ اس واسطے اس اشارہ سے زیادہ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اس وقت یہ بیان کرنا ہے کہ خداوند عالم نے مال غنیمت کے پانچویں حصہ کو مسلمانوں کا حق نہیں قرار دیا۔ خدا نے مال غنیمت کے چار حصے اس مال کو حاصل کرنے والے مسلمان کے لئے مقرر فرمائے ہیں۔ اور پانچویں حصہ سے ان کو منع کر دیا ہے جس سے ثابت ہے کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ مسلمانوں پر حرام ہے۔ خواہ تمام

مسلمانوں کے مال غنیمت کو جمع کر کے پانچواں حصہ علیحدہ کیا جائے خواہ ہر ایک مسلمان کے مال سے پانچواں حصہ علیحدہ کیا جائے۔

پھر اس کے بعد خداوند عالم اس پانچویں حصہ کی تقسیم فرماتا ہے۔ ایک حصہ ۱ خدا نے اپنا رکھا۔ ایک حصہ ۲ رسول کا رکھا ہے ایک حصہ ۳ اقرباء رسول کا رکھا ہے۔ ایک حصہ ۴ ان کے یتیموں کا رکھا ہے۔ ایک حصہ ۵ ان کے مساکین کا رکھا ہے۔ ایک حصہ ان کے مسافروں کا رکھا ہے۔

یعنی پانچویں حصہ کو بحصص مساوی چھ حصوں میں تقسیم فرمایا ہے ۱/۶ مساوی مقرر فرمایا ہے۔ اور دوسری آیت میں جس مال کا ذکر فرمایا ہے وہ وہ مال ہے جس کے حاصل ہونے میں مسلمانوں کا کوئی دخل و عمل نہیں بلکہ خدا نے وہ مال اپنے رسولؐ کو مسلمانوں کے عمل اور مدد و دخل کے بغیر دلایا ہے۔ اس کو مال فے مشہور کیا گیا ہے۔ (ما افاء اللّٰہ)

یہ مال تمام کا تمام مسلمانوں پر حرام کر دیا ہے اس میں مسلمانوں کا کوئی حق نہیں رکھا۔ مسلمانوں کو اس مال سے روک دیا ہے کہ اس میں تمہارا کوئی حق نہیں ہے۔ پھر اس مال کی تقسیم کی ہے۔ ایک حصہ ۱ خدا نے اپنا رکھا ہے۔ دوسرا حصہ ۲ رسول کا ہے تیسرا ۳ حصہ اقربا رسول کا رکھا ہے۔ ایک حصہ ان کے یتیموں کا رکھا ہے۔ ایک حصہ ۵ ان کے مسکینوں کا رکھا ہے۔ ایک حصہ ان کے مسافروں کا رکھا ہے۔

مسلمانوں کو اس مال سے کچھ نہیں دیا۔ جس سے یہ مال مسلمانوں

پر بطور حق و استحقاق حرام ہو گیا۔ پس یہ مال صرف خدا اور رسولؐ اور اقرباءِ رسولؐ اور ان کے یتیموں مسکینوں مسافروں کا حق ہے ان کے علاوہ مسلمانوں میں سے اس مال کا کوئی حقدار نہیں اور قطعاً نہیں ہے۔

پس خداوند عالم کے اس حکم اور عمل اور اس تقسیم مال سے ایک خاص اور اہم مقصد ثابت ہے اور وہ صرف یہی ہے کہ خداوند عالم نے اس مال میں اپنا حصہ رکھ کر اور مسلمانوں مہاجرین و انصار وغیرہ کا حصہ کاٹ کر ثابت کر دیا کہ رسولؐ اور اس کے اقرباء اور ان کے یتیم ، مسکین و مسافر خدا کی حکومت میں اس کی حکومت کے شاہی خاندان رائل فیملی کی مثال ہیں۔ اور بقایا مسلمان رعیت یعنی اور مسلمان خواہ مہاجر ہوں یا کہ انصار جو اس زمانہ میں موجود تھے یا کہ ان کے بعد قیامت تک آنے والے مسلمان ہوں سب کے سب اس شاہی خاندان رائل فیملی کے ہم مرتبہ و ہم شان نہیں ہیں۔ یہ سب مسلمان تا قیامت خدا کی اسلامی رعیت ہیں۔ ان کو اس خاندان میں داخلہ کا کوئی حق نہیں جن کو خدا نے اپنی حکومت میں شاہی خاندان رائل فیملی کا اعزاز عطا فرمایا ہے اور قطعاً نہیں۔ جس کا مزید ثبوت خداوند عالم نے دوسرے قانون میں اس طرح دیا ہے۔

انما الصدقات للفقراء والمسکین والعملین علیھا والمؤلفة قلوبھم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضة من اللہ واللہ علیم

حکیم ۱۰
۱۴
حقدار۔ سوائے اس کے نہیں کہ مال زکات کے حقدار فقیر اور محتاج اور زکوٰۃ وصول کرنے والے اور وہ لوگ جن کے دلوں کو اسلام کے لئے نرم کرنا ہے اور غلاموں کو آزاد کرانے اور جو قرضدار قرض ادا نہ کر سکتے ہوں اور راہ خدا میں کار خیر (یعنی رفاع عام) اور مسافر ہیں۔ زکات جو ہے سو حق ہے مفلسوں کا اور محتاجوں کا اور زکات وصول کرنے والوں کا اور جن کے دلوں کو اسلام کے لئے نرم کرنا ہو ان کا اور اپنے کو آزاد کرانے والوں غلاموں کا اور قرض کو ادا نہ کر سکنے والوں کا اور خدا کی راہ میں کار خیر کا اور مسافروں کا خدا نے مقرر فرمایا ہے۔ (شاہ عبدالقادر)

اس آیت میں خدا نے مال زکوٰۃ کو تقسیم فرمایا ہے جس کے آٹھ حقدار مقرر فرمائے ہیں۔ اور فریضہ زکوٰۃ کی اہمیت اتنی ہے کہ خدا نے جس جگہ نماز کا حکم دیا ہے ساتھ ہی زکات کا حکم دیا ہے لیکن باوجود اس کے اس مال کی تقسیم میں خداوند عالم نے نہ ہی اپنا حصہ مقرر فرمایا ہے اور نہ رسولؐ کا اور اقربائے رسولؐ اور ان کے یتیمی و مساکین و مسافروں کا حصہ مقرر فرمایا ہے پس اس سے ثابت ہے کہ جن لوگوں کو خدا نے مال زکات کا حقدار مقرر فرمایا ہے وہ اور ہیں اور جن کو "مال غنیمت" اور "مال فے" کا حقدار مقرر فرمایا ہے وہ اور ہیں۔ اور مال غنیمت اور مال فے میں اپنا حصہ مقرر فرما کر ثابت کر دیا ہے کہ میرے حصہ دار

میرے خاص مقرب ہیں اور وہ میری حکومت میں شاہی خاندان رائل فیملی (یعنی اللہ تعالئے کے منتخب پسندیدہ ۔غ) کا اعزاز درجہ رکھتے ہیں ان کی حرمت و عزت و توقیر میری حرمت و عزت و توقیر ہے۔ اور ان کی ہتک و بے حرمتی میری ہتک و بے حرمتی ہے۔

دوسرے مسلمان مہاجرین انصار وغیرہم اپنے تمام اوصاف اسلامی اور اعمالی وغیرہ کے باوجود ان کے ہمرتبہ اور ہمشان اور ان کی مثل نہیں ہیں لہذا جو مسلمان ان کو میری حکومت کا شاہی خاندان رائل فیملی نہ تسلیم کرے وہ میری حکومت کا ہی منکر ہے۔

پس خداوند عالم نے ان دو مالوں کی تقسیم سے ثابت کر دیا ہے کہ تقسیم مال میں جن کا میں حصہ دار ہوں وہ میری حکومت میں شاہی خاندان رائل فیملی ہے اور جن کا تقسیم مال میں میں حصہ دار نہیں ہوں وہ میری حکومت کی رعایا رعیت ہیں۔ اسی واسطے حضرت امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے معاویہ کو اور حضرت امام زمانہ علیہ الصلوات والسلام نے اپنے بعض شیعہ لوگوں کو لکھا تھا اور صحیح و درست لکھا تھا کہ

"نحن صنائع ربنا و انتم بعد صنائعنا اور والناس یا کہ والخلق بعد صنائعنا"

(نہج البلاغہ ۔ و توقیع رفیع)

پس یہ چند نمونے و مقام (ھو نحن) کے ہیں۔ جن میں خداوند عالم اپنی ذات اقدس کو ان کا حصہ دار اور ان کی ایک فرد ثابت فرماتا ہے۔ ان کی طلب اور خواہش سے نہیں بلکہ خود اپنی طرف

سے اپنی منشاء وا پنے حکم سے ثابت فرماتا ہے کہ رسولؐ و اقربا رسولؐ میرے مقرب اور میری حکومت میں شاہی خاندان کا اعزاز رکھتے ہیں میں نے ان کو اپنی حکومت میں رائل فیملی بتادیا ہے لہٰذا دوسرے مسلمان ان کے ہم مرتبہ اور ہم درجہ نہیں ہوسکتے" اور نہ ہی ہیں۔

وبؤت کل ذی فضلٍ فضلة ۱۱/۲ پس ہر صاحب فضیلت ہی کو فضیلت دی جاتی کہ وہ ہی مستحق ہوتا ہے۔ خداوند عالم نے اپنے رسولؐ اور اقرباء رسولؐ کو فضیلت عطا کردی ہے جس کا ثبوت اپنی وسعت کے مطابق دیا جاچکا ہے جو طرفداران حق اور اہل انصاف کے لئے کافی ہے۔

پس خداوند عالم نے اپنے تمام امور میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کو شامل فرمایا ہے اور خود ان کے امور میں شامل ہے۔ لیکن باوجود اس کے خداوند عالم جل شانہ خدا ہی ہے اور محمدؐ و آل محمدؐ اس کی خلق ہیں۔ نہ ہی خدا مخلوق ہے اور نہ محمدؐ و آلِ محمدؐ خدا ہیں۔ پس یہ خدا کے کام کرتے ہیں اور خدا ان کے کام کرتا ہے۔ اس واسطے ہی یہ فرماتے اور صحیح فرماتے ہیں۔

نحن مع اللّٰہ حالات فیھا نحن ھو وھو نحن و مع کل ذالک ھو ھو و نحن نحن۔ تمام حالات میں خدا خدا ہی ہوتا ہے اور یہ یہ ہی ہوتے اور رہتے ہیں۔ نہ یہ خدا ہو سکتے ہیں نہ ہوتے ہیں اور نہ ہی خدا یہ ہوتا ہے۔ پس مقصد صاف ہے کہ جب یہ خدا کے کام کرتے ہیں۔ اور خدا والے کام کرتے ہیں تو اس کے مقام میں ہوتے اور رہے جاتے ہیں۔ اور جب وہ ان کے کام کرتا ہے اور ان میں شمار ہو کر یا کہ ان کا حامی بن کر ان کے فوائد اور اعزاز

واحترام کو اپنے ساتھ ملا کر بیان کرتا ہے تو اس وقت وہ ان کا ایک فرد ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ثابت ہو چکا ہے۔ لیکن پھر بھی ہر مقام پر وہ وہی ہوتا اور رہتا ہے اور یہ یہی ہوتے اور رہتے ہیں۔

سوال برائے افہام وتفہیم

جن حضرات کو ہمارے اس نظریہ سے اتفاق نہ ہو ان کی خدمت میں عرض کی جاتی ہے کہ وہ حضرات یہ بتائیں کہ خداوند عالم نے مال غنیمت کے پانچویں حصہ کو اور مال فے کو رسولؐ کی ملکیت قرار دینے کے بعد اس مال کی تقسیم میں اپنا حصہ کیوں مقرر فرمایا ہے۔ دنیا فانی کے مال فانی میں خدا کو اپنا حصہ مقرر کرنے کی کیا ضرورت پڑی ہر طرح سے غنی مطلق اور صمد بے احتیاج ہو کر اپنی خلق کی ہوئی خلق کے ساتھ اپنا حصہ مساوی کس غرض وعلت کے واسطے مقرر فرمایا ہے۔ کیونکہ خدا حکیم مطلق ہے اور حکیم کا فعل و قول کبھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ لہذا وہ بتائیں کہ ہماری بیان کردہ علت وحکمت کے علاوہ اس امر میں اور کیا علت و حکمت تھی۔

دوسرا یہ کہ خدا نے مال زکات میں مسلمانوں کے ساتھ اپنا حصہ کیوں نہیں مقرر فرمایا۔ مال بحیثیت مال دونوں جگہ ایک طرح کا ہی ہے۔ غنیمت میں بھی مال دینا ہے۔ اور زکات میں بھی مال دینا ہے۔ لہذا مسلمانوں کے ساتھ خدا نے اپنا حصہ کیوں نہیں مقرر فرمایا۔ نہ ہی رسولؐ و اقربا رسولؐ اور ان کے یتیم

مسکین مسافر کا حصہ رکھا ہے۔ ھا تو ابر ھا نکم۔

اس مقام پر پہنچ کر ہمارا فریضہ پورا ہو جاتا ہے۔ لیکن اس سے حضرت امیر المومنین علی علیہ الصلوات والسلام کا ناصرا لکل مشکلکشاء عالم ہونا پوری طرح ثابت نہیں ہوتا اس واسطے ابھی ہمارا فریضہ ادا نہیں ہوا۔ کہ حضرت امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ناصر الکل یعنی مشکلکشاء عالم ہیں۔ لہذا ہم اس منزل کو عبور کرنے کا تہیہ کرتے ہیں اور ناظرین حضرات سے معیت کی اپیل کرتے ہیں۔

حضرت امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام ماسوائے اللہ ناصر الکل یعنی مشکلکشاء عالم ہیں

اس سے قبل عرض کیا گیا ہے کہ خداوند عالم نے اپنے رسولؐ کو مامور فرمایا کہ وہ خداوند عالم سے عرض کریں

واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً $\frac{15}{9}$

اور بنا میرے واسطے اپنے پاس سے اپنی طرف سے ایک غالب مددگار۔

پس اس حکم سے رسولؐ پر لازم اور فرض و واجب ہو گیا کہ وہ خداوند عالم سے ایک غالب مددگار کی دعا کریں۔ ایک غالب مددگار کی خدا سے طلب کریں۔ اور وہ مددگار خداؐ کی طرف سے ہو جس کی مدد عین اللہ کی مدد ہو۔ غیر اللہ کی مدد میں داخل نہ ہو۔

پس رسولؐ نے بامر خداؐ خدا سے دعا کی اور خدا نے حسب امر اور وعدہ اپنی طرف سے ایک غالب نصیر مددگار عطا فرمایا۔

(لہذا وہابیت اور اس کی مقلد فاضلیت بتائے کہ وہ کون غالب مددگار آپ کو عطا فرمایا گیا؟ عبد) یقین ہے کہ جو جواب بھی دیا جائیگا وہ غلط ہی ہوگا۔ ؎

قاصد کے آتے آتے ہی خط اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں وہ جو لکھیں گے جواب میں (غالب مرحوم)

ہمیں تو ان سے پوچھنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہم نے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہی پوچھنا ہے جن کو سلطان نصیر عطا فرمایا گیا تھا پھر سلطان نصیر کا اعلان اور دعویٰ دیکھنا ہے اور بس۔ حضرت ختمی المرتبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

یا علی انت نصرت الانبیاء سراً و نصرتنی جھراً
یا علیؑ تو نے تمام انبیاء کی پوشیدہ رہ کر نصرت کی اور میری نصرت تو نے ظاہراً کی ہے۔ اور اس کے ساتھ فرمایا ہے:۔

و نور علی محیط بالقدرتہ

اور نور علیؑ خدا کی قدرت پر محیط ہو گیا) یعنی خدا کی قدرت تمام مکمل ہو کر اس کی قدرت کا دائمی مظہر بن گیا۔ جب بھی خدا کی قدرت کا اظہار ہوگا۔ وہ علیؑ علیہ السلام کے ہی وجود اقدس سے ہوگا۔ اور ہوتا رہا ہے۔ اسی واسطے وہ خود فرماتے ہیں۔

انا نصرت الانبیاء سراً و نصرت محمد اجھراً۔
(میں نے تمام انبیاء کی پوشیدہ رہ کر نصرت کی ہے اور محمدؐ کی نصرت ظاہر ہو کر کی ہے)

پس خداوند عالم کا فرمان اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان اور امیر المومنین علی علیہ الصلوات والسلام کا اعلان متفقہ ہے جہاں جائے گنجائش چون وچرا نہیں رہتی لیکن تعصب کا گمراہ جذبہ اس جگہ کھڑا ہو جائیگا اور کہہ دیگا کہ یہ علیؑ کے شیعوں کی من گھڑت باتیں ہیں جو قابل سماعت عقلاء نہیں اور اسی کی تقلید فاضلیت کریگی کہ غالیوں نے اپنی طرف سے بنا کر روایت کر دی ہے جو قابل اعتبار نہیں اس واسطے ضروری ہوا کہ ہم اپنے فریضہ کو انبیا ماسلف کے حالات اور واقعات سے پورا کریں۔ لہذا ان کی کتب مقدسہ کی طرف رجوع کرتے ہیں جس سے اس فرمان کی صداقت کی گواہی ثابت ہو۔

اس مقصد کے لئے پہلے ہم قرآن مجید سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا پیش کرتے ہیں جس کے تحت کتب سابقہ کی عبارات کو عرض کیا جائیگا۔ قرآن مجید میں خداوند عالم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا کا ذکر فرمایا ہے۔

واجعل لی لسان صدق فی الآخرین۔ ۱۹/۹

اور رکھ میرا بول سچا پچھلوں میں (یہ ترجمہ تاج کمپنی کے شائع کردہ حمائل شریف سے نقل کیا گیا ہے جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرف منسوب ہے)

جب ایسے مقامات پر غور کرنا پڑتا ہے تو عقل حیران ہوتی ہے کہ مسلمان باوجود اہلبیت محمدؐ پر ہمیشہ درود پڑھنے کے باوجود اہلبیتؑ کو جاننے کے باوجود ان کی فضیلت کا اقرار کرنے کے

پھر جب کسی آیت میں اہلبیتؑ رسولؐ کے شان کا اشارہ پاتے ہیں۔ تو ترجمہ کو ایسے طریق سے بدلتے ہیں جس سے عوام تو بجائے خود خواص بھی اس چکر میں پھنس کر رہ جاتے ہیں۔ کہ ترجمہ سے اس اشارہ کو یا تو ختم ہی کر دیتے ہیں یا پھر دوسری طرف پھیر دیتے ہیں جس سے اصلیت گم اور ختم اور بدل کر رہ جاتی ہے۔ (اسی آیت کے الفاظ کے ترجمہ پر غور کریں) کہ

" اجعل " کا معنی یعنی ترجمہ ہے " بنا " جس کو " دکھ " سے بدلا ہے اور " لی " کا معنی ترجمہ ہے " میرے لئے " جس کو " میرا " سے بدل دیا ہے اور " لسان " کا ترجمہ ہے " زبان " جس کو " بول " سے بدل دیا ہے۔ اور " صدق " کا ترجمہ ہے " سچی " جس کو " سچا " سے بدل دیا ہے۔ حالانکہ قرآن میں ۶/۱۹ و ۴۴/۲۰ و ۲۰/۷ و ۱۹/۱۵ و ۲۶/۲ و ۳۰/۱۵ و ۱۶/۱۱-۹ و ۱۹/۶ اور تمام مقام پر لسان کا ترجمہ زبان کیا ہے مگر اس آیت میں لسان کا ترجمہ بول سے کیا ہے زبان نہیں کیا۔ اور دوسری جگہ اسی جملہ واجعل لی صرحاً (۲۰/۷) کا ترجمہ " پھر بنا میرے واسطے ایک محل " کیا ہے جو صحیح ہے حالانکہ یہاں " بنا میرا محل " بھی صحیح ہو سکتا تھا۔ اور ایک اور جگہ " واجعل لنا (۵/۷) کا ترجمہ " پیدا کر ہمارے واسطے " کیا ہے یہ سب کچھ اس واسطے کیا ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی منظوری ہیں " ووھبنا لھم من رحمتنا وجعلنا لھم لسان صدق علیاً " (۶/۱۹) اور دیا ہم نے ان کو اپنی مہر سے اور رکھا ان کے واسطے سچا بول اونچا) چونکہ اس آیت میں " علیاً " کا مقصد حضرت علی علیہ السلام ہو سکتا تھا۔ اس واسطے ترجمہ میں

جوڑ توڑ لگایا گیا ہے۔

حالانکہ بات صاف ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور خداوند عالم نے لسان کی تعریف صدق سے ہی کی ہے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام عرض کرتے ہیں "فی الاخریں" آخری زمانہ کے لوگوں میں سے اس جملہ کے جواب میں خدا نے "علیاً" فرمایا ہے۔ جس میں بات اتنی سی ہے کہ آخر زمانہ سے مراد آخری زمانہ کے کون لوگ ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بول کو اونچا کیا گیا۔ کیا کسی مینار پر یا کہ فضاء میں آپ کے بول کو اونچا کیا گیا۔ اس ترجمہ کے لحاظ سے اس کی صورت عمل کیا کی گئی (فاتوا بکتابکم ان کنتم صادقین)

پس اس کے سوا اور کیا ہے کہ آخری زمانہ سے مراد آخری رسولؐ ہی ہیں اور ان کے ساتھ حضرت علی علیہ السلام تھے جنہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صداقت کو ثابت کیا پس "علیاً" کو زبان کی صفت کسی طرح بھی نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی ہے خصوصاً جبکہ لفظ آخرین کے جواب میں آچکا ہے پس اس جگہ اس سے زیادہ بحث کی ضرورت نہیں کہ کتب سابقہ کی گواہی سے جو کچھ ثابت ہوگا وہی اس آیت کا مصداق و مقصد ہوگا۔ اسی واسطے ہی اس منزل کو طے کرنے کی ضرورت سمجھی گئی ہے تاکہ فرمان خدا اور مسلمانوں کے ترجمہ کی حقیقت ظاہر ہو جائے اور اصلیت سامنے آجائے۔

قرآن مجید میں خداوند عالم نے کئی جگہ ارشاد فرمایا ہے کہ

ہم نے توریت انجیل میں بھی ان کا ذکر کر دیا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراتہ والانجیل (۹ الخ)

(وہ جو تابع ہوتے ہیں اس رسول کے جو نبی ہے۔ امی ہے جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت اور انجیل میں)

یہ آیت سورہ الاعراف کے نانویں رکوع کی ہے اس سورۃ کو مذکورہ بالا تاج کمپنی والوں نے مکی لکھا ہے جس سے اقرار کرنا پڑتا ہے کہ آیت مذکورہ بالا پر مکہ میں عمل ہوا لیکن رسول خدا کی مکی زندگی میں کوئی یہودی و عیسائی مسلمان نہ ہوا تھا جو آپ کے تابع مانا جائے اور اس آیت کو اس پر چسپاں کیا جائے۔ اس صورت میں قرآن مجید کی صحت اور سچائی پر حرف آتا ہے اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ مکی لوگوں میں کچھ افراد یہودی و عیسائی مذہب اختیار کر چکے تھے جو آپ پر ایمان لائے اور تابع ہوئے یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی ہے تو پھر اس کے مطابق ان لوگوں کی نشاندہی کی ضرورت ہے کہ مہاجرین میں سے کون کون حضرات مذہباً یہودی و نصارے تھے۔ یہ بحث ہمارے مقصد کے خلاف اور علیحدہ لہذا اشارہ ہی کافی ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے کہ خداوند عالم کے اس فرمان کے نزول

کے وقت توریت اور انجیل میں آپ کا ذکر موجود تھا جس پر آیت مذکورہ کا یہ جملہ شاہد ہے "یجدونه مکتوبا عندهم فی التوراته والانجیل" کہ اس کا ذکر اپنے پاس توریت اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔ اور اس آیت کا آخری جملہ اس طرح ہے کہ "اتبعوا النور الذی انزل معه اولٰئک هم المفلحون" (۹/۹) اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے وہی پہنچے مراد کو (شاہ عبدالقادر دہلوی)

پس اس نور کا بھی ان کتب میں ساتھ ہی ذکر موجود ہے جس کی ہمیں ضرورت و تلاش ہے۔ اس لئے ان کتب کو حاصل کیا گیا۔ مگر قرآن مجید کی طرح ان کتب کی اصل زبان جن میں توریت۔ زبور و انجیل نازل ہوئی تھیں وہ حاصل نہ ہو سکی۔ ان کی جگہ ان کتب سماویہ کا ترجمہ ہی حاصل ہوا۔ اور وہ بھی اہل اسلام کا نہ ملا بلکہ عیسائی بائیبل سوسائٹی کا ملا پھر اس کی بھی یہی حالت معلوم ہوئی کہ ہر صدی کا ترجمہ اپنی ترکیبوں سے بدلا گیا ہے جہاں کہیں بھی محمدؐ و آل محمدؐ کا ذکر ہے ترجمہ میں ہر صدی کے لوگوں نے تبدیلیاں کی ہیں۔ لیکن تدبر و تفکر کرنے والے حضرات پر پھر بھی اصلیت روشن ہو جاتی ہے

کتب انبیاء سلف میں اسمائے مقدسہ

میں عبد عاصی نے جب ان کتب کا مطالعہ کیا تو چند نام مبارک مجھے ایسے حاصل ہوئے جو انبیا ما سلف کے

اسماء پاک سے علیحدہ ہیں یعنی انبیاء ماسلف میں ان اسما کا کوئی نبی نہیں گذرا۔ اور پھر یہ اسماء آئندہ ہونے والی پیشگوئیوں میں مذکور ہیں جس سے ان اسماء مقدسہ کا انبیاء سابقہ سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور وہ اسما حسب ذیل ہیں :۔

اسماء مقدسہ کی فہرست

(۱) ایک اسم مقدس "ملک صدق" آتا ہے۔
(۲) ایک اسم مبارک "شیلو کبھی شلو کبھی سلو" آتا ہے۔
(۳) ایک اسم مبارک "پیشرو" آتا ہے۔
(۴) ایک اسم مبارک "لامسیح" آتا ہے۔
(۵) ایک اسم مبارک "مسیتیا" آتا ہے۔
(۶) ایک اسم مبارک و مقدس "رسول موعود" آتا ہے۔
(۷) ایک اسم مبارک "روح القدس" آتا ہے۔
(۸) ایک اسم مبارک "سب سے زیادہ قدوس" آتا ہے
(۹) ایک اسم مبارک "دائمی کاہن" آتا ہے۔
(۱۰) ایک اسم مبارک و مقدس "ایلی وایلیا" آتا ہے

ان اسماء مقدسہ کے ساتھ کئی جگہ پیشگوئی کی گئی ہے جس سے غور و فکر کی ضرورت پیدا ہوتی ہے کہ کیا یہ اسما مقدسہ کسی ایک وجود مقدس کے ہیں یا کہ ہر ایک اسم مبارک کے لئے علیحدہ علیحدہ وجود مقدس ہے۔ مختصر تشریح ملاحظہ ہو۔

ملک صدق کا تذکرہ:۔ اوّل ہیں حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے مطابق لسان صدق کے تحت "ملک صدق" کی تحقیق

درج کی جاتی ہے۔

کتاب پیدائش باب ۱۴ - آیت ۱۸ تا ۲۰ "اور ملک صدق سالم کا بادشاہ روٹی اور مے نکال لایا اور وہ خدا کا کاہن تھا اور اس نے اس کو برکت دیکے کہا کہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے جو زمین و آسمان کا خدا اور مالک ہے اے ابرام مبارک اور مبارک خدائے تعالیٰ جس نے تیرے دشمنوں کو تیرے ہاتھ میں حوالہ کیا اور ابرام نے سب کا دسواں حصہ اس کو دیا الخ"

تشریح :- اس آیت سے ظاہر ہے کہ "ملک صدق" عبرانی کے جس لفظ کا ترجمہ ہے اس کا مفہوم اس کے سوا اس سے واضح کوئی اور ترجمہ بھی ہو سکتا ہوگا جس کو مسیحی علماء نے مخفی رکھا ہے۔ بہرحال یہ ظاہر ہے۔ کہ "ملک صدق" سلامتی کا بادشاہ ہے جو خداوند عالم کی طرف سے کاہن ہے۔ (۲) یہ ظاہر ہے کہ اس نے خدا کی طرف سے ابراہیمؑ کو مبارک دی (۳) یہ ظاہر ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اس کو ہر چیز میں سے دسواں حصہ نذرانہ دیا (۴) یہ ثابت ہے کہ ملک صدق نے ابراہیمؑ کو روٹی وغیرہ کھلائی (۵) یہ ظاہر ہے کہ ملک صدق نے ابراہیمؑ کو برکت دی۔

پھر "ملک صدق" کا ذکر حضرت داؤدؑ نے زبور باب ۱۱۰ میں اس طرح کیا ہے :-

"خداوند نے میرے خداوند کو فرمایا تو میرے داہنے ہاتھ بیٹھ جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں تلے چوکی بناؤں خداوند تیرے زور کا عصا صیہون میں بھیجے گا۔ تو اپنے دشمنوں کے

درمیان حکمرانی کرے۔ تیرے لوگ تیری قوت کے دن حسن تقدس کے ساتھ آپ مستعد ہونگے تیری جوانی اس صبح کی رحم والی کی نسبت زیادہ ہوگی۔ خداوند نے قسم کھائی ہے اور وہ نہ پچھتائیگا تو ملک صدق کے طور پر ابد تک کاہن ہے۔"

اس سے واضح ہے کہ حضرت داؤدؑ نے فرمایا کہ "میرے خداوند" کو حقیقی "خداوند" نے فرمایا کہ تو وقت میشرہ تک صبر کر جس سے ظاہر ہے کہ حقیقی خدا اور ہے اور مجازی خدا اور ہے۔ مگر دونوں کو ایک ہی نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور صبر کا وقت صیہون یعنی مقام مقدس میں ایک زور دار عصا کے آجانے تک ہے۔ جس کے سبب سے مجازی خدا اپنے دشمنوں پر حکمرانی کرے۔ اس کے بعد ہے کہ تو "ملک صدق کے طور پر ابد تک کاہن" ہے جس سے معلوم ہوا کہ خداوند داؤدؑ اور ملک صدق دو ہستیاں ہیں۔ پولوس نے اپنے خط میں عبرانیوں کو "ملک صدق" کی معرفت یوں کرائی ہے عبرانیوں باب ۷۔ آیت ۱ تا ۱۰ "کیونکہ یہ ملک صدق شالیم کا بادشاہ خدا تعالےٰ کا کاہن تھا جس نے ابرام کا جب وہ بادشاہوں کو مار کر پھر آتا تھا۔ استقبال کیا اور اس کے لئے برکت چاہی جس کو ابرام نے سب چیزوں کی دہ یکی دی۔ وہ پہلے اپنے نام کے معنوں کے موافق راستی کا بادشاہ ہے۔ پھر شالیم (یعنی سلامتی) کا بادشاہ ہے۔ یہ بے باپ بے ماں بے نسب نامہ جس کے نہ دنوں کا شروع نہ زندگی کا آخر مگر وہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہر کے ہمیشہ کاہن رہتا ہے۔ اب غور کرو

یہ کیسا بزرگ تھا جس کو ابرہام ہمارے دادا ہی نے لوٹ کے مال سے دہ یکی دی۔ اب لاوی کی اولاد کو جو کہانت کا کام پاتے ہیں حکم ہے کہ لوگوں یعنی اپنے بھائیوں سے اگرچہ وہ ابرہام کی پشت سے پیدا ہوئے ہوں شریعت کے مطابق دہ یکی لیں۔ پھر اس نے باوجودیکہ اس کا نسب نامہ ان میں نہیں گنا جاتا ہے۔ ابرہام سے دہ یکی لی اور اس کے لئے جس سے وعدے کئے گئے برکت چاہی اور لاکلام چھوٹا بڑے سے برکت پاتا ہے ...... جس وقت ملک صدق ابرہام سے آملا تھا۔ وہ ہنوز اپنے باپ کے صلب میں تھا" ——— عیسائیوں کے پولوس رسول کے اس بیان میں ملک صدق کے یہ اوصاف مذکور ہیں :۔

(۱) اول یہ کہ وہ سلامتی و راستی سچائی کا بادشاہ تھا۔ (۲) دوسرا یہ ہے کہ وہ اس وقت بے ماں باپ اور بلا نسب نامہ تھا یعنی اس وقت تک دنیا میں کسی کے گھر پیدا نہ ہوا تھا۔ (۳) تیسرا یہ ہے کہ اس کی ابتدا اور انتہا نہ تھی (۴) چوتھا یہ ہے کہ وہ خدا کا بیٹا تو نہیں مگر خدا کے بیٹے مشابہ تھا۔ (۵) پانچواں یہ ہے کہ وہ خداوند عالم کی طرف سے ہمیشہ کے لئے کاہن ہے (۶) چھٹا یہ کہ وہ حضرت ابراہیم سے بزرگ تھا۔ (۷) ساتواں یہ ہے کہ وہ برکت دینے والا ہے (۸) آٹھواں یہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے نہ تھا (۹) نانواں یہ ہے کہ وہ اس وقت باپ کے صُلب میں بھی نہ تھا۔ (۱۰) دسواں یہ ہے کہ ابراہیمؑ نے اس کو لوٹ کے مال میں سے دہ یکی یعنی دسواں حصہ

نذرانہ دیا

ان اوصاف میں چوتھا وصف یہ ہے کہ ملک صدق خدا کا بیٹا نہیں مگر خدا کے بیٹے کے مشابہ ہے[ا] اور خدا کا بیٹا بطور نسب و نسل تو کوئی ہو نہیں سکتا لیکن یہ کہ خدا کسی کو بیٹا کہدے جیسا کہ زبور باب ۲ آیت ۷ سے واضح ہے کہ حضرت داؤد فرماتے ہیں۔ کہ "خداوند نے میرے حق میں فرمایا ہے تو میرا بیٹا ہے اور میں آج کے دن تیرا باپ ہوا"۔ بس اس سے معلوم ہوا کہ "ملک صدق" خدا کا بیٹا یعنی خدا کا رسول نہیں مگر رسول کے مشابہ ضرور ہے۔ اس کو نبی و رسول نہ کہا جائیگا۔ مگر اوصاف رسول رکھتا ہوگا۔ اسی بات کو پانچواں وصف ثابت کرتا ہے کہ رسول کو کاہن نہیں کہا جاتا اور ملک صدق دائمی کاہن[۲] تو ضرور ہے لیکن رسول نہیں اور کاہن سے مراد امام اور سردار ہے پس ملک صدق رسول نہیں مگر دائمی امام و سردار و پیشوا ہے۔ اور چھٹے اور ساتویں وصف سے ظاہر ہے کہ ملک صدق باوجود رسول نہ ہونے کے بھی حضرت ابراہیم سے افضل تھا اور آٹھویں وصف سے ثابت ہے کہ وہ بنی اسرائیل سے نہ تھا اور نانویں وصف سے ثابت ہے کہ ملک

ا؎ جناب علی المرتضیٰ تو بوجہ جوف کعبہ میں پیدا ہونے کے ابن اللہ کہلا سکتے ہیں مگر بوقت پیدائش جناب عیسےٰؑ جناب مریمؑ کو بیت المقدس سے باہر ہوجانے کے خدائی حکم نے ہمیشہ کیلئے اس بات پر مہر لگا دی کہ وہ ابن اللہ نہیں کہلا سکتے (غ)

۲؎ "دائمی کاہن" ظاہر ہے کہ دوام سے تعلق رکھتا ہے۔ چونکہ آخری نبی جناب محمد مصطفےٰ ہیں۔ حضورؐ کے بعد علی المرتضےٰ کی اولاد قیامت تک ہوگی اور دین کا آخری جناب مہدی امام آخرالزمان ہیں لہذا علی المرتضیٰ ہی کیلئے "دائمی" کا لفظ آسکتا ہے (غ)

صدق باپ کی پشت سے دنیا میں ضرور آنے والا ہے۔ جو پولوس کے اس خط لکھنے تک دنیا میں نہ آیا تھا ورنہ پولوس اس کا ذکر ضرور کرتا کہ وہ فلاں قبیلہ میں فلاں شخص کے گھر پیدا ہوا ہے جس سے ثابت ہے ملک صدق حضرت مسیح نہ تھے کیونکہ وہ پولوس سے پہلے آچکے تھے اور یہ امر بھی اسی کا موئید ہے کہ ملک صدق باپ رکھتا ہے اور حضرت مسیح بن باپ کے تھے۔ لہذا وہ ملک صدق نہ تھے۔

پس اس سے ثابت ہے کہ ملک صدق نہ تو مسیح تھے اور نہ ہی کوئی اور بنی اسرائیل میں سے تھا جو پولوس رسول کے زمانہ تک بنی اسرائیل میں سے دنیا میں آیا تھا اور نہ ہی آج تک بنی اسرائیل سے ظاہر ہوا ہے۔

اسی بات کو پولوس نے اپنے خط کے چھٹے باب کے آخر میں بیان کیا ہے ـــــ "کہ وہ امید یعنی ملک صدق کی آمد کی امید ہماری جان کا ایسا لنگر ہے جو ثابت اور قائم ہے اور پردہ کے اندر داخل ہوتا ہے جہاں پیش رو یسوع جو ملک صدق کے طور پر ہمیشہ کے لئے سردار کاہن ہے ہمارے واسطے داخل ہوا" ـــــ یہ ترجمہ ۱۸۹۷ء کا ہے اور اس سے قبل کا اس طرح ہے ـــــ "وہ ملک صدق ہماری جان کا ایسا لنگر ہے جو ثابت اور قائم ہے۔ اور پردے کے اندر بھی پہنچتا ہے جہاں یسوع ہمیشہ کے لئے ملک صدق کے طریقہ پر سردار کاہن بن کر ہماری خاطر پیشرو کے طور پر داخل ہوا ہے" ـــــ ترجموں کا یہ اختلاف نو علماء مسیحی

کا ادنیٰ اشعار ہے جس کا ذکر ہو چکا ہے دہرانے کی ضرورت نہیں بہرحال یہ تو ثابت ہے کہ حضرت مسیح ملک صدق کی مانند کسی کے پیشرو ہیں جس کا پیشرو ملک صدق ثابت ہوگا حضرت مسیح بھی اسی کے پیشرو ثابت ہونگے۔ پس ملک صدق اور مسیح دونوں ہی کسی اور بزرگ کے پیشرو ہیں۔ لیکن حضرت مسیح کے زمانہ تک ملک صدق ظاہر نہ ہوئے تھے۔ حضرت مسیح جس کے پیشرو تھے اس کا ذکر انہوں نے اس طرح فرمایا ہے جیسا کہ یوحنا باب ۱۵ و باب ۱۶ میں درج ہے :-

"پھر جب وہ تسلی دینے والا جسے میں تمہارے لئے باپ کی طرف سے بھیجونگا یعنی وہ روح حق جو باپ سے نکلتی ہے آئے تو میرے لئے گواہی دیگا"۔ باب ۱۶ میں ہے کہ "لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں۔ کہ تمہارے لئے میرا جانا ہی فائدہ ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو تسلی دینے تم پاس نہ آئیگا پھر اگر میں جاؤں تو میں اسے تم پاس بھیج دونگا"۔ اور باب ۱۴ میں فرمایا ہے کہ "کہ بعد اس کے میں تم سے بہت کلام نہ کرونگا اس لئے کہ اس جہان کا سردار آتا ہے"۔ ؎ پس ان آیات سے واضح ہے کہ حضرت مسیح جس کو بھیجنے کا ذکر فرما رہے ہیں خود اسی کے پیشرو ہیں اور اسی طرح کے پیشرو ہیں جس طرح کا ملک صدق پیشرو تھا۔ یا کہ کاہن تھا۔ اس سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح اپنے باپ کے موعود کے پیشرو بطریق ملک صدق تھے۔ وہ موعود تمام جہان کا سردار ہے اور ملک صدق اسی

؎ نیز لوقا باب ۲۴ کے آخر میں فرمایا "دیکھو میں اپنے باپ کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں"

تمام جہان کے سردار کا پیشکار پیشرو اور اس کا داہنا ہاتھ ہے اور الیساوجود اقدس بنی اسرائیل میں حضرت عیسےٰ کے بعد کوئی نہیں آیا اس سے ثابت ہوا کہ ملک صدق کی طرح رسول موعود بھی بنی اسرائیل سے نہیں تھا۔ پس ثابت ہوا کہ ملک صدق اور رسول موعود جو تمام جہان کا سردار ہے دونوں ایک قوم و قبیلہ سے ہیں مگر بنی اسرائیل نہیں ہیں۔

ملک صدق کی تحقیق دوسرے عنوان سے اس طرح ثابت ہوتی ہے کہ حضرت یوحنا نبی کی گواہی تین وجودات اقدس پر بیان کی گئی ہے۔ صنا یوحنا باب آیت ۹ ۱۱ بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں۔ تب انہوں نے اس سے پوچھا تو اور کون ہے کیا تو الیاس ہے۔ (ایلیا۔ عید) اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ پس آیا تو وہ نبی ہے اس نے جواب دیا کہ نہیں"۔ بحوالہ حاشیہ انجیل مقدس وہ نبی سے مراد کتاب استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵ وہ نبی ہے جس کی آمد کا ذکر حضرت موسےٰ سے خداوند عالم نے کیا تھا۔ "کہ تیرا خداوند تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے بھائیوں میں سے میری مانند ایک نبی برپا کرے گا"۔ اسی کو حضرت مسیح باپ کا موعود اور تمام جہان کا سردار فرماتے ہیں۔ اس گواہی میں حضرت یوحنا سے پہلے حضرت مسیح کی بابت سوال کیا گیا پھر الیاس کا سوال ہے الیاس ایک نبی بنی اسرائیل گذر چکا تھا۔ لیکن یہاں جس الیاس کا ذکر ہے وہ حضرت مسیح اور نبی موعود کی مانند ابھی آنے والا ہے۔ جس نے مسیح کے بعد آنا ہے جس کی بابت ملاکی نبی نے باب ۴ آیت ۵

میں خبر دی تھی" دیکھو خدا کے بزرگ اور ہولناک دن کے آنے سے پیشتر میں ایلیاہ نبی کو تمہارے پاس بھیجونگا"۔ اس خبر میں آنے والے کا نام الیاہ بیان فرمایا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ عبرانی کے اصلی لفظ کا ترجمہ دونوں طرح ہو سکتا ہو۔ لیکن اس بات کو دیکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ مسیحی حضرات نے ان آنے والے تینوں حضرات سے یعنی مسیح سے مراد بھی مسیح لی ہے اور الیاس سے مراد بھی مسیح کو ہی لیتے ہیں اور وہ نبی سے مراد بھی مسیح ہی لیتے ہیں۔ تین کا ایک اور ایک کے تین بنا لئے ہیں۔ ان کے ہاں تثلیث کی طرح یہ بات ممدوح ہو تو ہو مگر اہل علم و اہل عقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتے۔ کیونکہ حضرت یوحنا سے تینوں کا الگ الگ سوال کیا گیا تھا اور آپ نے جواب بھی الگ الگ ہی دیا تھا جس سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح اور حضرت الیاہ یا کہ الیاس اور رسول موعود جو تمام جہان کا سردار ہے الگ الگ وجود ہیں۔ الیاہ اور الیاس میں صرف ہ اور س کا فرق ہے ہ کو س سے بدل دیا ہے جو اصل میں الیاہ ہی تھا۔ اس الیاہ یا کہ الیاس سے مراد وہی ملک صدق ہے جس کے طریق پر حضرت مسیح بھی کاہن ہوئے اور حضرت مسیح سے پہلے کوئی ملک صدق عالم دنیا میں نہیں آیا تھا جس کا آنا ضروری اور لازمی ہے۔ لہذا حضرت یوحنا کی گواہی جس الیاس کی بابت تھی وہ یہی ملک صدق ہے۔ چونکہ مسیحی علماء کاہن سے مراد رسول بھی لے لیتے ہیں جیسا کہ حضرت مسیح کو تسلیم کیا ہے۔ اس واسطے ملاکی نبی کی پیشگوئی کا ترجمہ کرتے ہوئے الیاہ کو نبی لکھ دیا ہے جو در اصل نبی نہیں مگر نبیوں کو

برکت دینے والا ہے اور ان کا معاون اور مددگار ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ کے واقعہ سے ظاہر ہے چونکہ حضرت مسیح کے بعد کوئی الیاس یا کہ الیاہ بنی اسرائیل سے نہیں آیا جس کا آنا لازمی وضروری تھا۔ لہذا الیاہ یا کہ الیاس سے مراد وہی ملک صدؔق ہے جو دائمی کاہن اور رسول موعود کا پیشکار و پیشرو و مددگار ہے۔ اسی ملک صدق کو فرشتہ بھی کہا گیا ہے جیسا کہ کتاب خروج باب ۲۳ آیت ۲۰ سے ثابت ہے کہ "دیکھ میں ایک فرشتہ تیرے آگے بھیجتا ہوں کہ راہ میں تیرا نگہبان ہو اور تجھے اس جگہ جو میں نے تیار کی ہے لے آئے۔ اس کے آگے ہوشیار رہ اور اس کا کہا مان اسے مت چڑھا۔ کیونکہ وہ تیری خطا نہ بخشیگا کہ میرا نام اس میں ہے"

اس آیت میں جس کو فرشتہ کہا گیا ہے اس میں خدا کا نام بھی بتایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرشتہ خدا کا ہمنام ہے اور فرشتوں اور نبیوں اور رسولوں کے اسماء یعنی ناموں کو دیکھ لو۔ کوئی ایک بھی خدا کا ہمنام ہے جس سے واضح ہے کہ اس فرشتہ سے مراد وہی ملک صدؔق ہے۔ جو حضرت ابراہیم کو برکت دینے والا تھا۔ اور غذا بھی کھلانے والا اور مدد بھی کرنے والا تھا۔ یہی ملک صدق دنیا میں آکر خدا کا ہمنام ہوا۔ دنیا میں اس کو ہی خدا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ اور خدا کو عبرانی میں ایلیا یا کہ ایلی کے نام سے پکارتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح نے پکارا تھا "ایلی ایلی لما سبقتانی"۔ (اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا) پس ایلی یا ایلیا خدا کا نام ہے۔ اب حضرت

ملاکی نبی کی پیشینگوئی کو دیکھیں وہاں الیاہ لکھا ہے الیاہ اور ایلیا میں صرف ایک ہی حرف کا فرق ہے جیسا کہ الیاہ اور الیاس میں تھا بس ایلیاہ یا ایلیا کو ہی الیاہ اور الیاس بنایا گیا ہے۔ بنی اسرائیل میں ان اسماء کا کوئی وجود نہیں پیدا ہوا جس کا پیدا ہونا ضروری تھا اس وجہ سے وہ ان تبدیلیوں پر مجبور ہوئے۔ کہ کسی طرح اصلی بیانہ ظاہر نہ ہو۔

پس جب خدا کے اسم ایلی کی عربی بنائی جائے تو اس سے اسم علی پیدا ہوتا ہے۔ اور عربی میں خدا کا اسم علی موجود ہے اور قوم عرب کا پہلا اسلامی فرزند حضرت علی علیہ السلام ہی ہے یہ خصوصیت اس سے قبل کسی فرد کو نصیب نہیں ہوئی سب سے اول یہ اسم مبارک خدا کی طرف سے ان کو ہی عطا ہوا۔ جیسا کہ کتب میں مرقوم ہے۔

یارب ذا الغسق الدجی۔	والقمر المبتلج المضی
بین لنا حکمک المعضی	ماذا ترنی فی اسم ذا الضبی
خصصتما بالولد الزکی	والطاهر المنتجب الرضی
فاسمہ من شامخ علی	علی اشتق من علی (منتهی الاعمال)

یہی وجود اقدس تمام انبیاء کے علاوہ بیت اللہ میں پیدا ہوا ایس ثابت ہوا کہ خدا کا ہمنام فرشتہ اور ملک صدق اور ایلیا اسی وجود اقدس کے اسماء مقدسہ ہیں۔ علی آپ کا خدا کا دیا ہوا نام ہے کہ خدا نے رکھا تھا اور ملک صدق وصفی نام تھا جو آپ کی سلامتی روی سے مشہور رہا یا انبیاء ماسلف کو ہر ہلاکت سے

بچا کر سلامت رکھنے سے مشہور ہو۔ دراصل حضرت ابراہیمؑ کی دعا واجعل لی لسان صدق فی الاخرین سے مشہور ہوا۔ اور فرشتہ آپ کو اس لئے کہا گیا کہ عالم دنیا میں اس وقت تک نہ آئے تھے۔ اس واسطے وہ فرشتہ سیرت تھے۔ اسی امر کو حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو وصیت کرتے ہوئے بیان کیا تھا۔

پیدائش باب ۴۹ آیت ۱۰ یہوداہ سے ریاست کا عصا جدا نہ ہوگا اور نہ حاکم اس کے پاؤں کے درمیان سے جاتا رہیگا جب تک سیلا نہ آئے یہ ترجمہ ۱۸۹۷ء کا ہے اور اس سے قبل اس لفظ سیلا کو شیلا اور شلو اور شیلو لکھا جاتا رہا ہے اس پیشگوئی سے واضح ہے کہ یہوداہ کے قبیلہ کی حکومت سیلا یا کہ شیلا و شلو و شیلو کے آنے تک قائم رہیگی پھر ختم ہو جائیگی۔

اسی امر کو حضرت یسعیاہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ (یسعیاہ باب ۹ آیت ۶) کہ ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا (ہوگا) اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا (جائیگا) اور سلطنت اس کے کاندھے پر ہوگی اور وہ اس نام سے کہلاتا ہے عجیب۔ مشیر خدائے قادر ابدیت کا باپ سلامتی کا شہزادہ اس کی سلطنت کے اقبال اور سلامتی کی کچھ انتہی نہ ہوگی۔

پس اس فرمان سے سیلا یا کہ شیلا کی آمد کا ثبوت ملتا ہے جو ملک صدق ہے جس کو سلامتی کا بادشاہ کہا گیا ہے۔ اس آیت میں اس کو سلامتی کا شہزادہ کہا ہے اور وہی ہمنام خدا ہوتے کی وجہ سے عجیب ہوا یعنی مظہر العجائب۔ جس کو مشیر خدائے قادر

کہا گیا ہے۔ سیلا یا کہ شیلا عبرانی لفظ ہے جس کا عربی ترجمہ اسد اللہ شیر خدا ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف شیلو یا شلو کا ترجمہ قاتل اثنذر ہوتا ہے جس کو حیدر یعنی حیدر کہا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے تسمیہ کے باعث مرحب یہودی کے جواب میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ انا الذی سمتنی امی حیدرہ۔ میں وہ ہوں جس کا نام ماں نے حیدر رکھا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا سے جانے کے قریب بنی اسرائیل کو فرمایا تھا (متی باب ۲۱ آیت ۴۳) "اس لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور ایک اور قوم کو جو اس کے میوے لائے دی جائیگی جو اس پتھر پر گریگا۔ چور ہوگا اور جس پر وہ گرے اسے پیس ڈالیگا۔"

حضرت عیسےٰ کے بعد خدائی حکومت یا نبوت قوم عرب کو ملی۔ جن میں سے حضرت رسول خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم۔ ہوئے۔ جن کے ساتھ ان کے پیشکار و پیشرو خدا کے ہمنام حضرت علی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جنہوں نے یہودی حکومت اور طاقت کا مرحب اور عنتر اور حارث خیبریوں کو قتل کر کے خاتمہ کر دیا جو باوجود نبی و رسول نہ ہونے کے ایدی یعنی امام خلق ہوئے اور راہبر اور پیشوائے عالم پیدا کئے گئے جو سردار جہان نبی موعود کے پیشکار و پیشرو تھے جن کے طریق پر حضرت عیسےٰ بھی اسی نبی موعود کے پیشرو تھے۔ یہی ملک صدق جو خدا کے ہمنام اور دربار کبریا کے ایدی کاہن تھے ان کے سوا اور کوئی وجود دنیا میں ان اوصاف

کا نہیں پیدا ہوا لہذا (ورڈ آف گاڈ اینڈ ورک آف گاڈ) کے مطابق خدا کے اس قول کا فعل ملک صدق ہمنام خدا اس کی درگاہ کا ابدی کاہن یہی وجود اقدس حضرت علی علیہ السلام ہی تھے اور ہیں جن کو ملاکی نبی اور حضرت عیسےٰ نے ایلیا کے مقدس نام سے یاد کیا تھا۔ جن کی معرفت یسعیا نبی نے اپنے صحیفہ میں اس طرح کرائی ہے

"جاگ جاگ توانائی پہن لے اے خداوند کے بازو جاگ۔ جیسا اگلے زمانے میں اور سلف کی پشتوں میں کیا۔ کیا تو وہی نہیں جس نے راہب کو کاٹا۔ اور اژدھے کو گھائل کیا۔ کیا تو ہی وہ نہیں جس نے سمندر کو اور بڑے گہراؤں کا پانی سکھا ڈالا جس نے دریا کی تھاہ کو رستہ بنا ڈالا تاکہ وہ جن کا فدیہ لیا گیا پار اتریں۔ (یسعیا باب ۵۱ آیت ۹)

ان آیات میں خدا کے بازو کا ذکر ہے جس نے اگلے زمانے میں اور اگلی پشتوں میں کارہائے عجیب دکھائے تھے اور وہ کارہائے عجیب رہب کو کاٹنا۔ اژدھے کو مارنا۔ طوفان نوح کا پانی سکھانا۔ دریائے نیل یا بحیرہ قلزم کے پانی کو خشک کر کے موسےٰ اور قوم موسےٰ کے لئے خشک راستہ بنانا اور حضرت ابراہیمؑ کو صرف تین سو جوانوں کے ساتھ حضر الاعمار بادشاہ عراق پر فتح دلانا اسی لڑائی کی واپسی پر ملک صدق نے حضرت ابراہیمؑ کی دعوت کی تھی اور ان کو

برکت دی تھی اور حضرت ابراہیمؑ نے ان کو ہر چیز کا دسواں حصّہ نذر کیا تھا۔

اس پیشگوئی کا تعلق شب ہجرت رسولؐ سے ہے جس میں بستر رسولؐ پر سونے والے کی مدح کی گئی ہے۔ یہی بازو رسول یعنی برادر رسول اور پیشکار رسول تھا۔ اسی کو "یدُ اللّٰہ" کہا گیا ہے۔ اسی نے اژدھے کو بھی چیرا اسی کو رہب یعنی ہر نبی کے دشمن کو کاٹنے والا قاتل کفار کہا گیا۔ یہی وہ ہمنام خدا حضرت امیر المومنین علی علیہ الصلوات والسلام ہی تھا جن کو حضرت ابراہیمؑ نے "ملک صدق" و لسانِ صدق" سلامتی کا بادشاہ کہا۔ اور حضرت یعقوبؑ نے ان کو سیلا یا شیلا اور شلو یا شیلو کہا اور کتاب خروج میں ان کو ہمنام خدا فرشتہ کہا اور یسعیا نے ان کو سلامتی کا شہزادہ کہا اور ملاکی نبی نے ان کو ایلیا کہا اور عیسےٰ نے ان کو ایلیا ایلی مددگار کہا اور بوقت آخر پکارا کہ میری مدد کر۔ اسی واسطے ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اور صحیح فرمایا تھا کہ

"یا علی انت نصرت الانبیاء سراً و نصرتنی جہراً"

اور امیر المومنین علی علیہ الصلوٰت والسلام نے فرمایا اعلان کیا تھا

"انی نصرت الانبیا سراً و نصرت محمد اجہراً"

(یا علیؑ تو نے تمام انبیاء کی پوشیدہ رہ کر نصرت کی ہے اور میری نصرت تو نے ظاہر ہو کر کی ہے۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے تمام انبیاء کی نصرت پوشیدہ رہ کر کی ہے اور محمدؐ کی نصرت

ظاہر ہوکر کی) اور اسی امر کو اپنے خطبات میں جابجا ذکر فرمایا ہے جس سے ثابت ہے کہ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام ہی ہر زمانہ میں ہر ایک کی نصرت کرنے اور مدد کرتے اور مشکلکشائی کرنے والے ہیں۔ لہذا یہی سلطا ناً نصیرا ناصر الکل ماسوی اللہ ہیں اور یہی خدا کی قدرت اور نصرت کے مظہر دائمی و ابدی ہیں۔ اس کا انکار خدا کی ساری کتابوں کا انکار ہے۔ فاعتبروا

ہمارے اس بیان کے ساتھ رسالہ ایلیا اور علیؑ اور رسالہ آدم اور علیؑ کو ملا کر غور کریں کہ آپ کی نصرت سے کوئی زمانہ اور کوئی قوم اور کوئی فرد خالی نہیں ہے لغات مختلفہ کے تحت نام ضرور بدلے گئے ہیں جس طرح سے اور چیزوں کے بدلے جاتے ہیں۔ مثلاً پانی آب واٹر سو وغیرہ مگر حقیقت وہی ایک ہی ہوتی اور رہتی ہے وہ نہیں بدلتی پس اس طرح آپ سے نصرت طلب کرنے والوں نے نام ضرور بدلے ہیں مگر ان ناموں کے بدلنے سے اصلی نصرت سلطاناً نصیراً کا وجود نہیں بدلا جاسکتا وہ وہی رہتا ہے۔ چونکہ نصرت قدرت پر منحصر ہے۔ اور رسولؐ خدا نے فرمایا ہے۔ نور علی محیطاً بالقدرۃ ۔ نور علی قدرت خدا کو محیط ہو گیا یعنی خدا کی قدرت کا ابدی مظہر ہو گیا اسی کا ترجمہ ابدی کاہن کیا گیا ہے۔ فتفکر

لے و ۲ہ یہ ہر دو کتابچے ہم سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ قیمت ہر دو ۸۷ پیسے علاوہ خرچہ ڈاک ۔ (ناشر)

اور یہی وجود اقدس "معلم موسٰیؑ" تھا نہ کہ وہ خضر جو بعض روایات کی سند سے نیک اور صالح بندہ ہیں۔ اور بعض روایات کی سند سے صرف نبی ہیں۔ وہ بھی نبی علےٰ نفسہ ہی ہوں تو عجب نہیں زیادہ سے زیادہ وہ ایک نبی ہی ہیں۔ رسول ہرگز نہیں ہیں اور اب تک زندہ ہیں اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ایک نبی کو چالیس درجہ علم دیا جاتا ہے اور رسول کو چھیالیس درجہ علم عطا ہوتا ہے اور رسول اولوالعزم صاحب شریعت کو ساٹھ درجہ علم عطا ہوتا ہے۔ اور حضرت موسٰیؑ صاحب اولوالعزم رسول تھے۔ جو ساٹھ درجہ علم کے عالم تھے ان کے زمانہ کے ہر صالح بندہ یا کہ ہر نبی علےٰ نفسہ اور نبی مثلے غیرہ بلکہ رسول پر بھی فرض تھا کہ وہ موسٰیؑ کی شریعت پر چلے اور موسٰیؑ کا کلمہ پڑھے پس اس صورت میں حضرت موسٰیؑ اپنے امتی سے کیا سیکھ سکتے ہیں چالیس درجہ کا عالم ساٹھ درجہ کے عالم کو کیا تعلیم دے سکتا ہے اور خداوند عالم ایسا حکم کس طرح دے سکتا ہے۔ جو خلاف قاعدہ اور خلاف عدل ہے (فوق کل ذی علم علیم ۱۳ یوسف) علیم زیادہ جاننے والے کو کہتے ہیں اور خضرؑ نبی کے بالمقابل حضرت موسٰیؑ صاحب شریعت و اولوالعزم بیس درجہ زیادہ عالم تھے۔ لہٰذا وہ خضر نبی سے کیا سیکھیں اور ہر صاحب شریعت اولوالعزم رسول کا اپنے زمانہ میں بلکہ دوسرے صاحب شریعت رسول کے آنے تک علیم ہونا لازمی و ضروری ہے علیم پر فوقیت کسی علیم کو ہی ہوتی ہے نہ کہ ذی علم کو پس حضرت موسٰیؑ علیم صاحب شریعت و

کتاب تھے لہٰذا خضر اگرچہ نبی ہی ہوں تو بھی ذی علم میں داخل ہیں علیم نہیں ہیں لہٰذا وہ معلم موسٰے قطعاً ہی نہ تھے۔ یہاں پر سوال ہوتا ہے کہ "وہ روایات جو کتب فریقین میں متفقہ طور پر مذکور ہیں کہ وہ خضر تھے کیا یہ سب غلط ہیں اس صورت میں صحت روایات پر ایک عظیم اعتراض وارد ہوتا ہے جس سے اسلامی روایات کی صحت وسچائی ختم ہو کر اسلام ہی ختم ہو جائیگا۔ حالانکہ اسی مقصد کی روایات معصومین علیہم السلام سے بھی وارد ہوئی ہیں۔ لہٰذا مذکورہ بالا نظریہ صریحاً غلط اور گمراہی میں داخل ہے"

جواب اعتراض یا شبہ۔ قرآن میں تدبر و تفکر کرنے والے جانتے ہیں کہ اسلام میں منافق عنصر کی اکثریت بلکہ غلبہ بھی رہا ہے جیسا کہ سورہ منافقوں سے ثابت ہے اور گیارھویں پارہ کے دوسرے رکوع کی آیت وممن حولکم من الاعراب منٰفقون و من اھل المدینۃ مردوا علی النفاق تا آخر

ان کا مقصد اسلامی تعلیم کو بدلنا اور حامیان اسلام کے فضائل ومناقب کو دوسروں کی طرف منسوب کرنا ہی تھا۔ اسی واسطے رسول خدا نے فرمایا تھا۔

قد کثروا علیّ) لکذّابون فمن روی منی فعارضوہ بکتاب اللہ فما وافق فخذوہ واعملوہ وما خالف فاترکوہ واضربوہ علی الجدار۔ (برہان الانصاف مصنفہ مولانا سید زین العابدین بنالوی مرحوم اعلی اللہ مقامہ)

ان منافقین کی کثرت وغلبہ کو دیکھ کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کو ارشاد فرمانا پڑا کہ

مجھ پر جھوٹ بولنے والوں کی کثرت ہوگئی ہے پس جو کوئی بھی میری طرف سے روایت کرے اس کو کتاب خدا سے ملاؤ پس جو کتاب خدا کے موافق و مطابق ہو اس کو لے لو اور اس پر عمل کرو اور جو مخالف ہو اس کو چھوڑ دو اور اس کو دیوار پر پھینک دو یعنی اس کے کذب کو اتنا مشہور کرو کہ جس طرح دیوار پر پڑی ہوئی چیز چھپ نہیں سکتی اسی طرح اس کا کذب ہونا کبھی نہ چھپ سکے۔

پس قرآن بیان کرتا ہے کہ حضرت موسےٰؑ اولوالعزم صاحب شریعت و کتاب تھے جو اپنے زمانہ میں علیم بلکہ حضرت عیسےٰؑ کے آنے تک علیم تھے۔ اور روایات میں بیان کیا ہوا خضر ان سے کسی طرح بھی زیادہ عالم نہ تھا اور نہ ہی ہوسکتا ہے اور جو روایات حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام کی طرف منسوب ہیں ان کے لئے بھی آئمہ طاہرین علیہم السلام نے یہی قانون مقرر فرمایا کہ جو روایت مخالف قرآن ہماری طرف منسوب ہو اس پر عمل نہ کرو۔ اس کے خلاف حضرت امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام نے اپنے کلام میں بارہا فرمایا ہے (انا الخضر عالم موسےٰ) وغیرہ جس سے ثابت ہے کہ روایات کی بنا پر جو مشہور خضر ہے اس کی نفی کی ہے کہ معلم موسےٰ وہ خضر نہ تھا بلکہ وہ میں ہی تھا اور قرآن مجید گواہ ہے کہ یجدونہ مکتوبا عندھم فی التوراۃ والانجیل ۹/۹) اور اتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون ۹/۹) ان دونوں کا ذکر توریت اور انجیل میں موجود ہے۔ جیسا کہ بیان ہوا

اور آنا بھی ہے پس حکم ہوئے دسی ملک صدق (انسان صدق علیا ہی تھے جنھوں نے ابراہیمؑ کو برکت دی جن کو حضرت نے ایلی ایلی کہکر مدد کے لئے پکارا جن کو خدا نے اپنی قدرت کا مظہر ابدی قرار دیا حضرؑ کو یہ مقام کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا۔ فتدبروا غیبہ

توریت موسےؑ کے دو ممسوح

صحیفہ ذکریاہ میں ہے کہ "اس نے مجھ سے کہا کہ یہ دو ممسوح ہیں جو ساری مخلوق (دوسرا ترجمہ) ساری زمین کے خداوند کے حضور میں کھڑے رہتے ہیں"۔

اور دوسری جگہ اسی صحیفہ میں ان کو "دو شمعدان اور دو زیتون" سے تشبیہ دی گئی ہے۔

اور مکاشفہ یوحنا باب ۱۱ آیت ۴ اور زبور باب ۲۵ آیت ۸ اور سموائل باب ۴ آیت ۴ میں مذکور ہے "انہوں نے سیلا میں لوگ بھیجے تاکہ رب الافواج کے عہد کے صندوق کو جو دو کروبیوں کے درمیان دھرا رہتا ہے وہاں سے لے آئیں"۔ اور گنتی باب ۷ آیت ۸۹ میں ہے کہ "دونوں کروبیوں میں سے کسی کی آواز سنی" اور سموائل باب ۶ آیت ۲ میں مذکور ہے کہ "اور داؤد اٹھا اور سارے اپنے ہوئے لوگوں کو لیکے جو اس کے ساتھ تھے بعد یہوداہ سے چلا۔ تاکہ خداوند کے صندوق کو جن کے پاس وہ نام یعنی رب الافواج کا نام لیا جاتا ہے جو دو کروبیوں کے بیچ

ہیں سکونت کرتا ہے وہاں سے چھڑا لائے" اور کتاب خروج میں ہے کہ "عہد کا صندوق یعنی تابوت سکینہ ہیں پتھر کی دو لوحیں رکھی تھیں ان کے ایک طرف احکامات خدا کندہ تھے اور دوسری طرف دو تصویریں کروبیوں کی بنی ہوئی تھیں عہد کا صندوق (تابوت سکینہ) اس معاہدے کی علامت تھا جو حضرت موسےٰ نے بنی اسرائیل سے لیا تھا۔ احکام شریعت کی پیروی کے ساتھ ساتھ ان ہر دو مقرب بارگاہ الٰہی سے توسل رکھینگے اور ان کی عزت و توقیر میں کمی نہ کرینگے احکامات کی پیروی کی قبولیت ان مقربین کے توسل پر منحصر تھی ان کی اطاعت اطاعت الٰہی تھی۔ ان کی مخالفت کی معافی نہ تھی"۔ لہ

ان آیات سے ثابت ہے کہ مقرب بارگاہ کبریا صرف دو ہستیاں ہیں جن کو کروبی کہا گیا ہے۔ ان دونوں میں سے ایک کو کتاب خروج باب ۲۳ آیت ۲۰ و ۲۲ میں فرشتہ کہا گیا ہے۔ اور ہمنام خدا بھی کہا گیا ہے اور انجیل متی میں اس کو روح القدس کہا گیا ہے اور اسی کو حضرت عیسٰے نے اپنی مدد کے لئے ایلی ایلی کے نام سے پکارا تھا۔ جس کا ماحصل صاف ہے کہ تو نے ناصر الکل سلطانا نصیراً ہو کر مجھے کیوں بے مدد چھوڑ دیا ہے۔ پس ثابت ہے کہ ملک صدق اور دیگر تمام نام مذکورۃ الصدر اسی ہمنام خدا حضرت علی علیہ السلام کے ہیں جس کی مخالفت کی معافی نہیں مل سکتی۔

اور سموئیل حصہ دوم کے حوالہ سے ثابت ہے کہ رب الافواج دو کروبیوں کے درمیان سکونت رکھتا ہے اور اس صندوق کے پاس اس کو صرف رب الافواج کے نام سے پکارتے اور یاد کرتے ہیں۔ رب

لہ انی الغفار محمد کتاب ... ملاحظہ ہو ... ۱۸۳ تا صد ۱۹۲ ...

الافواج کا مفہوم افواج کو پالنے پرورش کرنے والا ہے اور یہ دو کروبی اسی خدمت پر مامور ہیں کہ افواج یا گروہ ہائے مخلوقات کی پرورش کریں۔ عطیہ الٰہی اس کی مخلوقات کو پہنچائیں جس سے یہ دونوں مقرب بارگاہ خدا مربی عالم قرار پائے۔ خداوند عالم کا اسم اعظم ان دونوں کے درمیان ہوا۔ یعنی خداوند عالم خالق مخلوقات ہے اور یہ دونوں بحکم خدا مربی مخلوقات ہیں پس اسم الٰہی رب ان دونوں میں مشترک ہے۔

اور حوالہ بالا سے یہ بھی ثابت ہے کہ کروبی صرف دو ہی ہیں۔ دو سے زیادہ نہیں۔ لہذا یہی دو کروبی وہ دو ممسوح قرار پائے۔ جو صحیفہ ذکریا میں مذکور ہیں۔ اور یہ امر اظہر من الشمس ہے۔ صفات کا تقرب دوئی کی نفی کر دیتا ہے باوجود دو وجود یا کہ جسم ہونے کے صفات کی وحدت و یگانگت ایسا اتحاد پیدا کر دیتی ہے جس میں ایک کا قول و فعل دوسرے پر منطبق ہو سکتا ہے۔ اور ایک کا قول و فعل دوسرے کا قول و فعل قرار پاتا ہے۔ جس کا بیان ہو چکا ہے اسی واسطے خداوند عالم فرماتا ہے کہ "میں اپنا کلام رسول موعود کے منہ میں رکھ دونگا" یعنی رسول موعود کا کلام کلام خدا ہوا اسی وجہ سے اس کے کلام کی مخالفت کی معافی نہیں مل سکتی۔

اور کتاب خروج سے ثابت ہے کہ اس فرشتہ کی مخالفت کی بھی معافی نہیں مل سکتی جو ہمنام خدا ایلی ہے ان حوالوں کی عبارت سے نتیجہ کلام یہ نکلا کہ خداوند عالم نے سب سے اول ایسی دو ہستیاں مقرب بارگاہ خلق فرمائی ہیں جن کی اطاعت اطاعت خدا اور مخالفت،

مخالفت خدا شمار ہوتی ہے جن کو خدا ور ... یا آیت میں دو کردبی کہا گیا ہے جن کے درمیان خدا کی سکونت ہے یعنی جن کے ناموں کے درمیان خدا کا نام رب العلمین پنہاں و پوشیدہ ہے ان کو ہی خدا نے قرآن میں ید لہ مبسوطتان $\frac{۷}{۱۴}$ فرمایا ہے جن کے ذریعہ سے رزق تقسیم کرتا ہے ان میں سے ایک کا نام ایلی ہے اور دوسری ہستی کا نام جو رسول موعود ہے کتاب ارماطش یعنی یرمیاہ میں اسماطیل آیا ہے اور اسم رب کے عدد بحساب جمل (۲۰۲ ر ب) ہوتے ہیں اور اسی حساب سے اسماطیل کے اسم کے عدد (۱۵۱) ہوتے ہیں اور اسم ایلی کے عدد اسی حساب سے (۵۱) ہوتے ہیں دونوں اسماء کے اعداد کو جمع کرنے سے (۲۰۲) ہوتے ہیں اور اسماطیل کی عربی محمد اور ایلی کی عربی علی ہوتی اور محمد اور علی کے اسماء کے اعداد ۲۰۲ ہی ہوتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ اسماطیل و ایلی یعنی محمد و علی مربی عوالم ہیں ان کی مخالفت کی خدا معافی نہیں دیتا ان کی بابت ہی حضرت موسےٰؑ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا ان کو ہی کردبی کہا گیا ہے یہی مقرب بارگاہ ہو کر خدا کے یدِ عمال ہیں۔ یہی وہ دو مسوح ہیں جن کو بروز محشر خدا فرمائیگا۔

القیا فی جہنم کل کفار عنید $\frac{۶۶}{۱۶}$ تم الرتم دونوں دوزخ میں ہر ناشکرے مخالف کو۔ اور یہی دو چراغ دان یعنی ہدایت کی روشنی دینے والے دو وجود جن کی بابت خدا نے قرآن میں فرمایا ہے۔

(والشمس وضحٰھا والقمر اذا تلٰھا) $\frac{۳۰}{۱۶}$ اور سورج اور اس کی روشنی کی قسم ہے اور چاند کی جب کہ اس کے پیچھے

آئے - اور یہی دو زیتون ہیں جن کو قرآن میں شجر طیبہ سے مثال دی ہے۔
مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ الخ ۱۳/۱۲
پس یہی ہستیاں وسیلہ نجات عوالم اور مربی عوالم اور ناصر الکل ہیں۔
یا محمد و یا علی یا علی و یا محمد انکما ناصرای۔

پس حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوات والسلام ہی ناصر الکل رسول اللہ ہیں لہذا العلی سلطانا نصیراً ہیں ان کے سوا اور کوئی سلطان نصیر نہیں ہے اور انہوں نے ہی تمام عوالم کی مخلوق کی مدد کی ہے اور کرتے ہیں اور کرینگے - یہ عہدہ ان کا دائمی وابدی ہے جو ختم ہونے والا نہیں اور خدا کی ساری کتابیں اس کی شاہد اور مبین ہیں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کے ناصر الکل ہونے سے انکار خدا کی قدرت کا انکار ہے جو قابل معافی نہیں ہوگا - والسلام

برائے عبرت اہل علم و عقل

اہل علم و عقل حضرات اس آیہ کریمہ میں تدبر فرماکر عبرت حاصل کریں - کہ خداوند عالم فرماتا ہے۔ قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلوا علیکم اٰیٰت اللہ بینٰت لیخرج الذین اٰمنوا و عملوا الصٰلحٰت من الظلمٰت الی النور ۲۸/۱۸
جو لوگ یقین رکھتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف ذکر کو جو رسول ہے نازل کیا جو تم پر خدا کی ظاہر آیات کو پڑھتا ہے - تاکہ نیک اعمال کرنے والے مومنین کو اندھیروں سے نور کی طرف نکالے

یہ آیہ مبارکہ پہلے بھی عرض کی جاچکی ہے اس کے بیان سے قبل ایک واقعہ اصلاح مابین کے لئے عرض ہے کہ کافی عرصہ گذرچکا ہے۔ جبکہ مولوی سید محمد سبطین اعلی اللہ مقامہ زندہ تھے ایک میرے مہربان محسن نے فرمایا کہ "مولوی محمد سبطین اپنی تحریر میں ایک ہی آیت کو دہراتے رہتے ہیں کوئی دوسری آیت نہیں پیش کرتے"۔ میں نے عرض کی۔ "ممکن ہے ان کو یہی ایک آیت معلوم ہو اور نہ ہو" یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے۔ اسی طرح کوئی بزرگ محترم یہ نہ فرماویں کہ ایک ہی آیت کو دوبارہ لایا جارہا ہے لہذا عرض ہے کہ ہر آیت میں کئی کئی امر بیان کئے جاتے ہیں جیسا کہ اس آیت میں بارہ امر بیان فرمائے گئے ہیں تو یہ آیت بارہ دفعہ ہر امر کے تحت بیان کرنا لازمی ہے پہلے نور کے مفہوم کے تحت بیان کی تھی اب اس کے دوسرے مقاصد عرض کرتے ہیں۔ ففہم۔

اس آیت میں ضمیر "کُم" سے مراد و مخاطب اس نور کے سوا وقت نزول کے کل مسلمان تھے اور ان کے بعد آج تک بلکہ قیامت تک کے مسلمان ہیں۔ لیکن اس آیت کا عمل مومنین صالحین پر ہی کیا گیا تھا دوسروں پر نہیں ہوا۔ اگرچہ تلاوت کے سننے میں دوسرے بھی شامل تھے۔ خداوند عالم اس آیت میں ایک فریضہ رسولؐ کو بیان بیان فرمارہا ہے کہ رسولؐ پر خدا کی طرف سے فرض تھا کہ وہ آیات قرآن کو پڑھ کر ان کی سند و نص سے مومنین صالحین کو اندھیروں سے نکال کر نور کے پاس لائے۔ اور رسولؐ نے اس فریضہ کو ادا کیا جس کا ذکر اس آیت میں خداوند عالم جل شانہ نے بیان فرمایا ہے۔

اس آیت میں تدبر و تفکر کرنے سے بڑے اہم نکات اور جواہرات معرفت حاصل ہوتے ہیں ۔ فتدبر وافیہ ۔

(۱) اول اس آیت میں جن مومنین کے ایمان کا ذکر فرمایا گیا ہے ان کے ایمان کی صحت اور قبولیت پر نص ہے کہ ان کا ایمان صحیح اور قبول شدہ ہے جس سے وہ لوگ کامل الایمان ثابت ہوتے ہیں ۔ لیکن باوجود کامل الایمان ہونے کے اندھیروں میں گرفتار ہیں ۔

(۲) دوسرا یہ ثابت ہے کہ جن آیات پر عمل کرنے سے ایمان صحیح اور مقبول ہو سکتا ہے وہ آیات ان اندھیروں سے نہیں نکال سکتیں لہذا یہ اندھیرے عام قسم کے اندھیرے نہیں ۔

(۳) تیسرا یہ ثابت ہے کہ اندھیرے ایمان صحیح اور قبول شدہ کے اجر کو تو نہیں روک سکتے ۔ مگر ثواب سے محروم کر دیتے ہیں جس کی وجہ ان ایمانداروں کو ان اندھیروں سے نکالنے کی ضرورت تھی ۔

(۴) چوتھا یہ ثابت ہے کہ منظور شدہ صحیح ایمان کی طاقت سے یہ مومنین خود بخود ان اندھیروں سے نہیں نکل سکتے ۔

(۵) پانچواں یہ ثابت ہے کہ منظور شدہ صحیح ایمان کے ساتھ اعمال صالح کا تقدس بھی ان اندھیروں سے نہیں نکال سکتا ۔

(۶) چھٹا یہ ثابت ہے کہ جن آیات پر عمل کرنے سے مومنین اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں وہ آیات بھی ان اندھیروں سے نہیں نکال سکتیں ۔

(۷) ساتواں یہ ثابت ہے کہ اصول دین اور فروع دین پر پورا عامل ہونے سے بھی انسان ان اندھیروں سے نہیں نکل سکتا۔

(۸) آٹھواں یہ ثابت ہے کہ ان اندھیروں سے نکالنے والی آیات اصول و فروع دین کی آیات سے علیحدہ ہیں اور یہ اندھیرے صرف ان ہی آیات پر عمل و اعتقاد رکھنے سے رفع ہو سکتے ہیں

(۹) ناواں یہ ثابت ہے کہ ان اندھیروں سے نکالنے والی آیات کو خدا نے قرآن میں نازل فرمایا ہے۔ اور وہ ظاہر آیات یعنی آیات محکمہ ہیں جو قابل تاویل علماء و فقہا نہیں (وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم) تاویل کا حق خدا اور معصومین علیہم السلام کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ فقد بردا

(۱۰) دسواں یہ ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ آیات ان مومنین صالحین پر پڑھیں اور ان کی مدد و نص و سند سے ان کو اندھیروں سے نکالا۔

(۱۱) گیارھواں یہ ثابت ہے کہ ان آیات کی تشریح و تفسیر میں رسول خدا نے احادیث بیان فرمائیں جیسا کہ اور آیات احکام وغیرہ میں بیان فرماتے تھے۔

(۱۲) بارھواں یہ ثابت ہے کہ ان مومنین نے وہ احادیث جو ان آیات کی تشریح و تفسیر میں آپ نے بیان فرمائیں تھیں ان کو یاد کیا اور تحریر کیا اور روایت کیا اور ان سے مابعد کے لوگوں نے لیا جو آج تک کتب میں مرقوم موجود ہیں۔

ابھی اور بھی نکات اخذ ہو سکتے ہیں۔ جن کو بوجہ طوالت ترک

کرتے ہیں اور اب ناظرین حضرات کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جاتی ہے کہ وہ اندھیرے کیا ہیں۔

پس شرک و کفر و نفاق اور فسق و فجور و عصیان و بغاوت وغیرھم کے اندھیرے تو ایمان اور اعمال صالحہ والی آیات پر عمل کرنے اعتقاد رکھنے سے رفع ہو جاتے ہیں اور خداوند عالم نے ان مومنین کے ایمان اور اعمال صالحہ کی تصدیق فرما دی ہے۔ لہذا وہ ان اندھیروں سے بالکل پاک و صاف تھے پس وہ اندھیرے جو ایمان صادقہ اور اعمال صالحہ کی مدد سے رفع نہیں ہوتے وہ ان کے علاوہ اور ان سے اہم اندھیرے ہیں جن کو رفع کرنے والی آیات ظاہرہ بھی اور ہیں اور ان کی تشریح و تفسیر میں احادیث رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم و آئمہ طاہرین علیہم الصلوٰت والسلام بھی اور ہیں جن کو ہماری فاضلیت اور مقدسیت غلو کی پیداوار جانتی ہے اور مانتی اور تشہیر کرتی ہے۔ کیونکہ لفظ غلو بھی زبان معصوم علیہ السلام سے سن لیا ہے اگرچہ یہ فرمائشات معصومین علیہم السلام غلو سے بالکلیہ پاک ہوں پس فاضلیت و مقدسیت کے اس عقیدہ سے اجتناب فرض عین ہے۔ کیونکہ اسی آیت سے مستنبط ہے کہ رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مومنین صالحین پر وہ آیات پڑھتے تھے اور ان آیات کی تشریح و تفسیر میں ان مومنین صالحین کی تفہیم کے لئے احادیث بیان فرماتے تھے لہذا ان احادیث کو غلو کہنا خدا اور رسولؐ و آئمہ طاہرین علیہم الصلوات والسلام کی رد اور تکذیب ہے ہماری فاضلیت اور مقدسیت کو اس آیت میں تدبر کر کے اپنے عقیدہ کو بدلنا چاہیئے۔

کہ ایسے عقیدہ کا بدلنا فرض ہے ورنہ بقول اقبال مرحوم

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہانِ حرم بے توفیق

کی صف میں شمار ہونگے آئمہ طاہرین علیہم الصلوات والسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکینگے۔

حضرت سلمان الفارسی اور حضرت ابوذر الغفاری علیہما الرحمہ کا قصہ مشہور و معروف ہے جو نقل کر دیا گیا ہے۔ اس سے سبق حاصل کریں اور یہ بھی خیال رکھیں کہ حضرت ابوذر علیہ الرحمہ اگر حضرت سلمان علیہ الرحمہ کی معرفت تک نہ پہنچے ہوئے تھے باوجود اس کے وہ ان کو غالی نہ جانتے تھے۔ خصوصاً اس فرمان رسالت کے بعد ان کے معتقد اور ان کی فاضلیت کے معترف تھے جس کا ثبوت اسی مضمون میں درج ہے

پس ان مومنین صالحین کے لئے جن اندھیروں کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ صرف یہی ہیں کہ آئمہ طاہرین علیہم الصلوات والسلام کی معرفت بالنورانیہ نہ حاصل کرنا اس کے حصول میں کوتاہی اور کمی کرنا اور ملائکہ کی طرح ان کی خلافت الٰہیہ اور تقرب کو صرف عبادت کا ثمر جاننا اور ان کے اوصاف خلافت الٰہیہ اور درجات عالیہ نورانیہ سے انکاری رہنا جس میں ہماری فاضلیت و مقدسیت مبتلا ہے جن کی خاطر ہمیں مضمون لکھنا پڑا ہے جن اندھیروں کا تذکرہ حضرات فاضلین غفر اللہ لھم کی قلم و زبان سے اخبارات وغیرہ میں آج کل جاری ہے جس کو مولانا سید گلاب شاہ صاحب مرحوم

اعلیٰ اللہ مقامہ اعبد عاصی نے آپ کو مرحوم اس لئے لکھا ہے کہ آپ کی علمی روح کی موت کو مولانا سید محمد قاسم صاحب قبلہ حیدرآبادی نے ثابت کر دیا ہے اور آپ کی شیعی روح کو مولانا صاحب مذکور اور مولانا سید محمد عارف صاحب قبلہ جھنگ نے مردہ ثابت کر دیا ہے (عبد) پرچہ اسد ماہ ستمبر ۶۵ء میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اصول کافی کی ایک حدیث اس ثبوت میں پیش فرمائی ہے۔ کہ ہمارے آئمہ پاک علیہم السلام علم غیب نہ جانتے تھے۔ پس یہی وہ اندھیرے ہیں اور تھے جن سے مومنین صالحین کو نکالنے کے لئے خداوند عالم نے قرآن میں آیات ظاہرہ نازل فرمائیں جن کو پڑھ کر ان کی سند و نص سے رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مومنین صالحین کو ان اندھیروں سے نکالا کرتے تھے لہذا فضلاء کرام کو لازم کہ وہ اس آیہ مبارکہ میں تدبر فرما کر ان اندھیروں سے نکلنے کی کوشش کریں۔ ورنہ انجام کار کو خود ہی جانیں۔ وما علینا الا البلاغ

کس قدر مقام عبرت ہے کہ مولانا سید گلاب شاہ صاحب ایک شیعہ درسگاہ کے مالک و منتظم و معلم اعلیٰ کے اعتقاد کی جب یہ حالت ہے تو ان سے تعلیم حاصل کرنے والوں کا کیا حشر ہوگا۔

؎ گر ہمیں مکتب و ہمیں ملا کار طفلاں خراب خواہد شد کا منظر نہیں تو اور کیا ہے۔

ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ حضرات فاضلین متبحرین از خود اس آیہ کریمہ میں بیان فرمائے گئے اندھیروں کی پہچان و جستجو کریں

اور قرآن کی ان آیات میں تدبر کریں جن کو خداوند عالم نے ان اندھیروں سے نکالنے کے لیئے نازل فرمایا ہے اور رسول خدا نے ان آیات کی تشریح و تفسیر میں جو احادیث ارشاد فرمائی ہیں ان میں تدبر کر کے اپنے اعتقاد کو صحیح کریں۔ (لکم دینکم ولی دین)

خدا کے سوا اور کوئی علم غیب نہیں جانتا

مذکورہ بالا جملہ عام زبان زد خلائق ہے سن ۱۹۰ سے ہمارے کانوں میں یہ آواز گونجنا شروع ہوئی اور آج تک گونج رہی ہے۔ اور اس کے جواب میں یہ بھی سنتے آرہے ہیں کہ خدا کے مجتبے۔ اور مرتضےٰ رسول بھی علم غیب جانتے ہیں۔ لیکن یہ نہیں بتایا گیا۔ کہ علم غیب کا مفہوم و مقصد کیا ہے اس کی مراد کیا ہے

غالباً سن ۱۹۰۸ء و ۱۹۱۰ء میں بھی یہ بحث پورے ہندوستان کے شیعہ علماء میں بڑی زور و شور سے چلی تھی۔ تقریباً چھ سال تقریرًا تحریرًا چل کر علماء اعلام نجف اشرف و کربلا معلےٰ کے فتاوی سے اس سمندر میں سکون پیدا ہوا اور یہ اعتقاد صحیح ثابت ہوا کہ آنحضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرین علیہم الصلوات والسلام بھی علم غیب جانتے ہیں۔

اور آج کل یہ بحث نئو مئی قسمت سے چل رہی ہے جس میں علماء اعلام باہم مختلف آراء ہیں جیسا کہ اخبار و رسائل کی عبارات مرقومہ سے ظاہر ہے۔ حالانکہ کتب سابقہ توریت و انجیل و زبور اور

قرآن مجید کی پیشینگوئیاں جو اخبار آخر زمن میں بیان فرمائی گئی ہیں
اور علائم ظہور و نزول عیسیٰ علیہما السلام میں موجود و مرقوم ہیں
جو علم غیب سے ہی تعلق رکھتی ہیں جن سے علماء اعلام و فضلاء اکرام
بخوبی واقف اور مانتے بھی ہیں لیکن پھر بھی یہ بحث چلتی ہی رہی ہے۔
علماء اعلام و فضلاء کرام تو سب کچھ جانتے ہیں لیکن تمام
حضرات جو اخباروں اور رسالوں کو پڑھتے ہیں وہ ان علمی تحریروں
کی اصطلاحات کو سمجھنے سے قاصر رہا کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ
ہمیشہ اسی چکر میں رہتے ہیں کہ جب کوئی صاحب علم یا مدعی علم
ملا اسی سے سوال کیا جواب میں کوئی صاحب کسی طرف کی تصدیق
کر گیا اور کوئی کسی طرف کی تصدیق کر گیا جس سے حضرات سائلین
کا یہ چکر ختم نہیں ہوتا ایسے حضرات کی خاطر اپنی وسعت نفسی کے
مطابق عرض کی جاتی ہے طوالت تو ضرور ہوگی مگر غیب اور علم غیب
کی اصلیت روشن ہو جائیگی اور اس جملہ کی بھی حقیقت واضح ہو
جائیگی کہ "خدا ہی علم غیب جانتا" کا اقرار اور اعتقاد رکھنا
کس حد تک موزون ہے اور خداوند عالم کے لئے اس جملہ کا ادا
کرنا جائز بھی ہے یا نہیں۔

علم غیب کی تقسیم فرضی

ہمارے زعم ناقص میں علم غیب کی تقسیم تین طرح پر ہو سکتی ہے۔

ایک لغت عربیہ کے تحت کہ لغت عرب نے لفظ غیب سے کیا مراد لی ہے۔

(۱) غاب یغیب غیباً وغیبۃ وغیاباً وغیوباً ومغیباً عنہ (بَعُدَ عنہ وبان بِہ) (غابت الشمس غیاباً غیبوبۃ) غربت واستترت عن العین - الشی عن فلان استتر ضد حضر عن بلادہ سافر - مذکور مصادر کے تحت غیب کا مفہوم کسی سے دور ہو جانا علیحدہ ہو جانا الگ ہو جانا۔ سورج غائب ہوا یعنی غروب ہوا آنکھوں سے پردہ میں آگیا۔ فلاں سے کوئی شے چھپ گئی - استتار حاضر کی ضد ہے۔ اپنے گاؤں سے سفر کر گیا۔

(۲) غاب یغیب غیاباً وغیاباً وغیبۃ وغیابۃ و غیوبۃ) الشی فی الشی بطن فیہ و استتر ان مصادر کا مفہوم کسی شی کا کسی شی میں سما جانا۔ کسی کے پیٹ میں آجانا۔ پردہ میں مستور ہو جانا، اوجھل ہو جانا ہے۔

(۳) غیّبہ - البعدہ - یقال غیبۃ غیابہ ای دفن فی قبر) المنجد مطبوعہ مصر۔ اس سے غائب ہوا۔ یعنی اس سے دور ہوا - کہا جاتا ہے اس سے غائب ہوا غائب ہونا یعنی قبر میں دفن کر دیا گیا۔ لغت کے ان بیان کئے ہوئے معانی و مفہوم کو ذات احدیت کے لئے استعمال یا تسلیم کرنا ہمارے زعم ناقص میں باطل ہی نہیں بلکہ کفر ہے۔ کیونکہ ان معانی کی رو سے یہ اقرار کرنا کہ خدا اپنے سے غائب شدہ چیزوں کو جانتا ہے یا کہ غائب شی کا

عالم ہے۔ خداوند عالم کی ذات وصفات کو محدود قرار دینا ہے جس سے خدا کی خدائی کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ اس صورت میں علم سے پہلے ان اشیاء کا خدا کی ذات سے دور ہو کر چھپ جانا پردہ میں آ جانا وغیرہ ماننا اور قبول کرنا پڑتا ہے اور ایسا عقیدہ خداوند عالم کی ذات کو محدود قرار دیتا ہے جس سے کفر پیدا ہوتا ہے کیونکہ کوئی شئی خداوند عالم کی ذات سے کسی طرح کسی حال میں پوشیدہ نہیں ہو سکتی کہ وہ فرماتا ہے۔ ان اللہ علی کل شیء شہید پ ۱۷ ع ۹ وغیرہ) کہ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر شہید ہے کوئی شئی اس کی ذات اقدس سے چھپ نہیں سکتی اور نہ ہی دور ہو سکتی ہے نہ مستور ہو سکتی ہے بلکہ وہ ہر کسی پر حاضر ہے کہ ہر شئی اس کے سامنے حاضر و موجود ہے۔ پس ان معانی لغت کے تحت خداوند عالم کو عالم غیب جاننا اور ماننا کفر ہے۔ جب ہر شئی اس کے سامنے حاضر ہے تو پھر یہ کہنا کہ وہ غائب چیزوں کو جانتا ہے صریحاً باطل اور کفر ہے پس کوئی شئی اس سے غائب نہیں ہو سکتی لہٰذا وہ کسی غائب شئی کا عالم نہیں۔

اسی امر کو دوسری طرح سے غور کریں کہ خدا ہر شئی کا خالق ہے (ھو خالق کل شیء) مشہور و معروف ہے تو پھر کوئی شئی اپنے خالق سے کس طرح چھپ سکتی ہے پس یہ خیال باطل محض اور بے معنی ہے۔

اور یہ بھی واضح ہے کہ ہر شئی کو رزق کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس قسم کی کوئی شئی ہوگی اسی قسم کے رزق کی اس کو ضرورت ہوگی۔ اور رزق کا عطا کرنا ہر شئی کے خالق کے ہی ذمہ ہے اور یہ ثابت ہو

چکاہے کہ خدا اپنے دو فرشتوں سے رزق کی تقسیم فرماتا ہے اور وہ خدا کے دو ہاتھ قرآن توریت انجیل سے محمدؐ و علیؑ یا کہ اسماعیل و ایلی ہی ہیں جس کا ذکر گذر چکا ہے۔ لہذا ان سے بھی کوئی شئی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

اسی طرح محمدؐ و آل محمدؐ علیہم الصلوات والسلام بھی شہید علی الناس ہیں خدا نے ان کو اپنے مداحت ہر شئی پر شہید قرار دیا ہے جس سے یہ شہید علی الکل شئی ہیں آیت میں اگرچہ لفظ ناس ہی آیا ہے مگر تدبر کرنے والے جانتے ہیں کہ لفظ ناس میں ہر شئی کا وجود موجود ہے۔ (خلق لکم ما فی الارض جمیعًا —)

اور اسی طرح ان کو رائی اعمال بندگان قرار دیا ہے کہ وہ ہر ایک انسان کے ہر ایک عمل کو اور ان اشیاء کو جن سے عمل کیا جاتا ہے سب کو آنکھوں سے دیکھتے ہیں لہذا کوئی شئی ان کی نظر سے پوشیدہ و مخفی واوجھل نہیں ہو سکتی جس کا ثبوت گزر چکا ہے تکرار کی ضرورت نہیں

نہ معلوم مولانا گلاب شاہ صاحب (انا للہ وانا الیہ راجعون) نے حدیث مذکورہ اور آیہ مبارکہ رویت اعمال بندگان میں تدبر اور موازنہ کیوں نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے شیعی و علمی روح کے ساتھ ان میں عدل انصاف بھی مر چکا ہے (اسی واسطے کلمہ استرجاع کی ضرورت محسوس ہوئی ہے۔ عبد)

اسی امر کو دوسری طرح سے دیکھیں کہ خداوند عالم جل جلالہ فرماتا ہے۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین ؁ اس آیت کی نص سے ثابت ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

تمام عالمین کی مخلوق کے لئے رحمت ہیں لہذا عالمین کی مخلوق
۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ میں سے جس فرد واحد سے
رحمت کا تعلق قطع ہو جائے وہ شئ فوراً معدوم ہو جائیگی جس سے
ثابت ہوا کہ تمام عالمین کی ہر شی سے ہر آن وجود رحمت عالمین
کا تعلق و توسل ضروری و لازمی ہے جس سے معلوم و ثابت ہوا کہ
عالمین کی کوئی شی رحمت للعلمین وجود محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم سے کسی آن بھی پوشیدہ نہیں ہو سکتی۔ فتفکروا

پس اسی طرح کوئی شئ امیر المومنین علیہ السلام سے بھی مخفی و
پوشیدہ نہیں رہ سکتی کیونکہ خدا فرماتا ہے:۔
تبارك الذی بیدہٖ ملکوت کل شیءٍ وھو علی کل شیءٍ
قدیر $\frac{29}{1}$ برکت والی ہے اس کی ذات جس کے ہاتھ میں ہر شئ
کی ملکوت ہے اور وہ ہر شی پر قادر یعنی قدرت رکھتا ہے۔

ملکوت سے مراد اہل لغت نے الملك العظیم اور العز و
السلطان (ملک عظیم بڑی شاہی اور عزت اور سلطنت) لی ہے۔
اور ملکوت السماوی ھو محل القدیسین فی السماء ملکوت
سماوی سے مراد وہ مقام و محل ہے جہاں مقدس لوگ رہتے ہیں۔
(المنجد وغیرہ) لیکن عرفاء کاملین و محققین نے ملکوت سے مراد
وہ قوت و طاقت لی ہے جس سے خدا نے ہر شئ کو عدم سے وجود
عطا فرمایا ہے اسی کے ذریعہ سے ہر شئ کا وجود قائم ہے۔ حتیٰ
کہ فنا کے بعد بھی وہ ذرات جن میں کسی شئ کا جسم تحلیل و مضمحل
ہو کر فنا ہو جاتا ہے۔ وہ ذرات بھی اسی قدرت اور طاقت

سے قائم رکھے جاتے ہیں اگر کسی شئی کا تعلق ملکوت سے قطع ہو جائے تو وہ معدوم ہو جائیگی پس ملکوت وہ طاقت وقدرت ہے جس کے سبب سے کوئی شئی معدوم نہیں ہو سکتی بلکہ ذرات میں تبدیل ہو کر بھی باقی رہتی ہے۔

پس یہ قدرت و طاقت خدا کے ہاتھ میں ہے اور خدا کے دو ہاتھ ثابت ہو چکے ہیں۔ خدا نے اپنے ایک ہاتھ کو اپنی رحمت وعظمت کا مظہر قرار دیا ہے اور دوسرے ہاتھ کو طاقت وقدرت کا مظہر قرار دیا ہے اور وہ دونوں محمد و علی علیہما الصلوات والسلام ہیں۔ پس مظہر قدرت و طاقت حضرت علی علیہ السلام سے کبھی کوئی شئی پوشیدہ و مخفی نہیں ہو سکتی۔ لہذا ان کو بھی خداوند عالم کی طرح لغت کے معانی میں عالم غیب نہیں کہا جا سکتا۔

اگر اس کو برداشت کرنا مشکل ہو یا کہ نہ سمجھ سکیں تو پھر اس فرمان خداوند عالم سے گریز کی جگہ سوائے انکار جاحدانہ کے اور کہیں نہیں ہے کہ خدا فرماتا ہے۔

وکل شیء احصیناہ فی امام مبین ع ۲۲ یسین

اور ہم نے ہر شئی کا امام مبین میں احصا کر دیا ہے پس اس سے ثابت ہے کہ خدا نے ہر شئی کو امام مبین میں جمع کر دیا احصا ایک شئی کو دوسری شئی کے ساتھ ملا کر رکھنے کو کہتے ہیں جس سے واضح ہے وجود امام میں ہر شئی جمع کر دی گئی ہے پس اس نص سے ثابت ہے ہر شئی امام مبین کے سامنے موجود ہے لہذا معانی مذکورہ کا امام مبین پر بھی استعمال جائز نہیں اور امام مبین سوائے ذات

اقدس امیر المومنین علیؑ اور ان کی اولاد طیبہ وطاہرہ علیہم الصلوات والسلام کے اور کوئی نہیں ہے نہ ہوسکتا ہے وہی فرماتے ہیں۔ انا امام مبین و یعسوب المدین وغیرہ۔

پس خدا اور رسولؐ اور امام مبین امیر المومنین علی علیہ السلام سے کوئی شئی مخفی ومستور ومستتر وپوشیدہ نہیں ہوسکتی۔ بلکہ ہر شئی ان کے سامنے حاضر ہے۔ لہذا خدا اور رسول و امام کے لئے اقرار کرنا کہ وہ اپنے وجود سے غائب ہونے والی چیزوں کو نہیں جانتے ہیں امر باطل ہیں داخل ہے جو ان کے نقص کی دلیل ہے۔ جس سے پرہیز واجب۔ ومن لم یحکم لما انزل فاولئک ھم۔۔۔۔ میں داخل ہوگا خدا اور رسول و امام اور ان کی اطاعت میں ہمارا بھی کچھ نہ بگاڑ سکیگا۔

علم غیب کی دوسری قسم کا ذکر

دوسری قسم علم غیب کی یہ ہوسکتی ہے کہ جو کچھ مخلوقات سے آئندہ ہونے والا ہے اس کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا۔

اس امر کی تحقیق پہلے عام انسانوں سے جاری کی جاتی ہے تفکر وتدبر کرنے والے حضرات سے یہ بات مخفی نہیں کہ خداوند عالم نے اپنے فضل وکرم سے ہر شئی کی خلقت میں ایسے رموز آشکارہ فرمائے ہیں جن کے جاننے والے اشیاء عالم کی حقیقت کو بہت کچھ بیان کرسکتے ہیں خصوصاً انسان جو خداوند عالم

کی اعلے واشرف مخلوق ہے اس کی جسمانی بناوٹ وساخت میں اس کے اوصاف اور خیالات اور آئندہ اعمال اور واقعات کو مختلف قسم کی تحریروں میں لکھ دیا ہے جن کو صحیح تعلیم سے جاننے والے کسی فرد کی سوانح حیات قبل از عمل ہی لکھ سکتے ہیں غور کریں حکیم مطلق خالق عالم نے انسان کی پیشانی کی شکنیں اور ہاتھ پاؤں کی لکیریں اور وجود انسانی پر مختلف مقامات پر خال یعنی (تل) اور مسّے یعنی موکے اور اعضاء جسمانیہ کی ساخت وبناوٹ میں ہر بشر پر آئندہ ہونے والے حالات اور واقعات کو درج کر دیا ہے۔ جن کو باقاعدہ اور صحیح جاننے والے حضرات بہت کچھ بتا سکتے ہیں۔ جو صحیح ہوتے ہیں اور ان کے ساتھ علم رمل علم نجوم علم اعداد علم حروف علم جفر کے جاننے والے جزوی حالات انسانی پر بھی حاوی ہو سکتے ہیں اگر ان تمام علوم کو صحیح طور پر جاننے والا عالم کسی شخص کے حالات کو ان علوم سے معلوم کر کے جو ان تمام علوم سے متفقہ طور پر ثابت ہوں حکم لگائے تو وہ ضرور صحیح ہو گا۔

یہ علیحدہ امر ہے کہ ہر شہر کی ہر گلی میں گشت کرنے والے اور ہر چوک کے موڑ پر ان علوم کے مدعی بیٹھے ہوں مگر ان کے حکم لگائے ہوئے غلط ثابت ہوتے ہیں تو یہ ان علوم کا نقص نہیں بلکہ ان علوم کے دعویداروں کی بے علمی کا ثبوت ہے۔ ان علوم سے جاہل مدعیان علم نے ان علوم کو بدنام کر دیا ہے۔

رہا یہ امر کے شرع اسلامی نے ان علوم کے احکام وبیان کی

کی تصدیق سے منع کر دیا ہے تو شرع اسلامی نے بالکل صحیح حکم دیا ہے۔ کیونکہ شرع کو رائج کرنے والے جانتے تھے کہ ان علوم کے صحیح عالم نہ رہینگے اور ان علوم سے جاہل مدعی علم ہو کر حکم لگائیں گے جس سے فساد فی الارض اور احکام اسلامی کی مخالفت پیدا ہوگی لہذا یہ حکم دے دیا کہ ان علوم کے مدعیوں کی تکذیب کرد اور صحیح حکم دیا ہے۔

جس کا ثبوت تاریخ کے اوراق میں اس طرح مذکور ہے کہ جنگ نہروان پر روانگی کے وقت کسی نجومی نے حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوات والسلام کی خدمت اقدس میں عرض کی یا حضرت آج کے دن کی روانگی آپ کے لئے نحس ہے آپ آج سفر نہ کریں تو آپ نے فرمایا کہ تجھے کیا معلوم ہے اس نے کہا کہ میرا حساب بیان کرتا ہے کہ آپ جس ستارہ کی ساعت میں روانہ ہو رہے ہیں وہ آپ کے خلاف ہے جس سے آپ کو شکست ہونے کا اندیشہ ہے فرمایا میں اسی وقت سفر کرونگا اور میرے لشکر سے دس سے کم شہید ہونگے اور مخالف لشکر سے دس سے کم بچینگے وہ نجومی ساتھ تھا انجام دیکھ کر عرض کرنے لگا یا حضرت میرا حساب کیوں غلط ہوگیا ہے تو آپ نے فرمایا کیا تو فلاں سیارہ کی رفتار اور اثر کو جانتا ہے۔ اس نے عرض کی کہ میں اُس کو نہیں جانتا تو فرمایا پھر تو حکم کیسے لگا سکتا ہے۔

اس تاریخی گواہی سے ثابت ہے کہ امیرالمومنین علیہ الصلوات والسلام نے علم کو غلط نہیں ثابت کیا بلکہ مدعی علم کے علمی نقص

کو ثابت کیا ہے علم نجوم پر ہی منحصر نہیں شرع نے تو علم دین اور علم طب کے مدعیوں پر بھی یہی حکم لگایا ہے جس سے عام مثل مشہور ہے کہ "نیم حکیم خطرہ جان اور نیم ملاں خطرہ ایمان"۔ ایسے ہی لوگوں کے حق میں اقبال مرحوم نے کہا ہے۔
"دین ملاں فی سبیل اللہ فساد"۔ اور شیخ سعدیؒ نے کہا تھا۔

ہر کس کہ نہ داند و بداند کہ بداند　　در جہل مرکب ابد دھر بماند

جو شخص کسی علم کو نہ جانتا ہو اور وہ یہ سمجھ لے کہ میں جانتا ہوں پس وہ شخص جہل مرکب سے کبھی نجات نہیں پا سکتا لہذا یہ حکم علم نجوم وغیرہ پر ہی منحصر نہیں بلکہ شرعی علم کو پوری طرح نہ جاننے والے کی تکذیب کا حکم بھی شرع میں موجود ہے۔

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین له الهدی و یتبع غیر سبیل المومنین نوله ما تولی و نصله جهنم وساء مصیرا ۵/۱۱۴

قوم جن کی تعلیم و تفہیم کا ذکر چونکہ انسانوں کے ہی ساتھ ہے جس کو قرآن مجید نے بیان فرما دیا ہے۔ لہذا ان کا علیحدہ ذکر نہیں کیا جاتا۔

ملائکہ کے علم غیب کا ذکر

ملائکہ کو علم غیب کا عطا ہونا محتاج ثبوت نہیں اور اس سے مسلمانوں نے بھی انکار نہیں کیا بلکہ اسلامی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ علم غیب میں استاد انبیاء علیہم السلام کی

حیثیت رکھتے تھے۔خصوصاً حضرت جبرائیل علیہ السلام۔ مگر ہمیں اس سے اتفاق نہیں۔

اور نہ ہی کسی عارف کا ہونا چاہیئے۔جس کا ثبوت "انی جاعل فی الارض خلیفۃ" میں موجود ہے کہ ملائکہ مستحق خلافت الٰہیہ نہ تھے۔اسی لئے ان کی التجا و درخواست خلافت کو رد کر دیا تھا اور پھر امتحان علم خلیفہ یا علم خلافت اور امر سجدہ خلیفہ سے فیصلہ فرمایا گیا تھا۔ اور ملائکہ سے خلافت الٰہیۃ خلیفہ اول تسلیم کرائی گئی اور منکر خلافت خلیفہ کو سزا دائمی کا حکم دے دیا گیا تھا۔ لہذا ملائکہ انبیاء علیہم السلام کے استاد کبھی نہیں ہاں خلفاء خدا تک احکام الٰہیہ پہنچانے میں سفیر الٰہیۃ تھے جو مثل اردلی حاکم اعلیٰ تھے۔یہ بحث طویل ہے ان اشاروں پر ہی اکتفاء کی جاتی ہے۔

جب خداوند عالم نے ملائکہ سے فرمایا تھا کہ میں اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہوں تو ملائکہ نے عرض کی تھی اتجعل من یفسد فیھا و یسفك الدماء۔ کیا تو فساد و خون ریزی کرنے والوں کو بنائیگا۔جب ملائکہ نے یہ جملہ کہا تھا تب آدم پیدا نہ ہوئے تھے بلکہ نامعلوم کتنی مدت بعد حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا تھا جس سے ظاہر ہے کہ ملائکہ نے یہ جملہ علم غیب جاننے کی بنا پر کہا تھا اور ان کا یہ بیان اتنا صحیح نکلا کہ جب آدم علیہ السلام کی اولاد کی تعداد دو فردوں تک پہنچی تو فساد فی الارض اور خون ریزی جاری ہو گئی اور عہدہ خلافت کے واسطے

جاری ہوئی جو آج تک جاری ہے دنیا فساد و خونریزی سے پُر ہوتی جارہی ہے جو روایات یہ بیان کرتی ہیں کہ ملائکہ نے قوم جن اور نسناس وغیرہ پر قیاس کر کے یہ کہا تھا۔ ان کے جواب میں قرآن مجید کی یہ آیت کافی ہے لا علم لنا الا ما علمتنا انك انت العليم الحكيم کہ جو کچھ تو نے سکھایا ہے اس کے سوا ہمیں کوئی علم نہیں بے شک تو ہی جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ یہ آیت اس امر پر نص ہے کہ ملائکہ نے جو کچھ بیان کیا تھا خدا کی تعلیم سے کیا تھا۔ اور اسی امر کے ثبوت کی یہ آیات شاہد ہیں کہ خداوند عالم فرماتا ہے:۔

وَ انا کنا نقعد منها مقاعد للسمع فمن یستمع الان یجد له شهابا رصدا ۲۹/۱۱

لا یسمعون الی الملاء الاعلی و یقذفون من کل جانب دحورا و لهم عذاب واصب الا من خطف الخطفة فاتبعه شهاب ثاقب ۲۳/۵

وَ حفظنها من کل شیطان رجیم الا من استرق السمع فاتبعه شهاب مبین۔ ۱۴/۲

اور ہم آسمان میں سننے کے واسطے اس کے مقامات میں بیٹھا کرتے تھے پس جواب سننے جائے اس کے واسطے ایک انگارہ دھکتا ہوا تیار رہے۔

نہیں سن سکتے اوپر کی گفتگو اور پھینکے جاتے ہیں ان پر ہر طرف سے بھگانے کے لئے اور ان کے واسطے عذاب کی مار ہے ہمیشہ مگر

جو کوئی اڑتی بات سن لے پس اس کے پیچھے ایک چمکتا ہوا دھکتا ہوا انگارہ لگا دیا جاتا ہے۔

ان آیات سے ثابت ہے کہ قوم جن میں سے سرکش اور باغی افراد آسمان پر فرشتوں کی باتیں سننے کو جاتے ہیں جن کو وہاں سے شہابوں کی مار سے بھگا دیا جاتا ہے لیکن پھر بھی کوئی نہ کوئی ناقص خبر جو بلند آواز سے بیان ہو رہی ہو سن لیتے ہیں۔

ھل انبئکم علٰی من تنزل الشیٰطین تنزل علٰی کل افاک اثیم یلقون السمع واکثرھم کٰذبون ۱۹/۱۵ کیا میں تم کو خبر دوں کہ شیاطین کن پر نازل ہوتے ہیں وہ ہر ایک جھوٹے گنہگار پر نازل ہوتے ہیں القا کرتے ہیں ان کو سنی ہوئی بات اور ان میں بہت سے جھوٹے ہوتے ہیں۔

ان مذکورہ آیات میں جس مقصد کو بیان فرمایا گیا ہے وہ ہر روز دن رات مشاہدہ میں آرہا ہے کہ شہابوں یعنی ستاروں کے ٹوٹنے کا عمل ہر وقت جاری رہتا ہے جس سے ثابت ہے کہ شیاطین جن باوجود مار کھانے کے بھی ملاءِ اعلٰی یعنی فرشتوں کی گفتگو کو سننے سے نہیں رکتے اور یہ بھی واضح ہے کہ قوم جن کے شیاطین جس گفتگو کو سننے جاتے ہیں وہ واقعات موجودہ پر نہیں ہوتی یعنی حالات حاضرہ و موجودہ پر نہیں ہوتی جس کے لئے وہ دن رات ہر وقت مار کھاتے رہتے ہیں بلکہ واقعات اور حالات آئندہ پر ہوتی ہے جس کو سن کر وہ اپنے دلیوں پر القا کرتے ہیں جس سے مخلوقات خدا یعنی انسانوں کو گمراہ کرنے کا اور گمراہ رکھنے کا

سامان پیدا کرتے رہتے ہیں پس ان کی وہ سنی ہوئی بات تو سچ ہوتی ہے اور باقی سب کچھ جھوٹ ہوتا ہے جس کی وجہ سے فرمایا ہے کہ واکثرھم کٰذبون کہ زیادہ تر ان کا القا اور وحی جھوٹی ہوتی ہے۔ [1]

پس ان آیات سے ثابت ہے کہ ملائکہ کو خدا نے علم غیب کی خبریں تعلیم کی ہوئی ہوتی ہیں۔ کیونکہ مدبر امور الہیہ ہیں اور تدبیر امور کے لئے ان کو اس علم غیب کی خبروں کا عطا کرنا ضروری ہے جس کے بغیر وہ تدبیر امور نہیں کر سکتے پس جب ملائکہ تدبیر امور میں ایک دوسرے سے ان خبروں کو بلند آواز سے بیان کرتے ہیں جن کو سننے کے لئے شیاطین ہر وقت جاتے ہیں اور مار کھاتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے۔

پس ثابت ہے کہ مدبرات امور کو تدبیر امور کے لئے علم غیب کی ضرورت لازمی ہوتی ہے جس سے ملائکہ کا غیب کی خبروں کو جاننا ثابت ہے۔ لہذا ملائکہ کو خدا نے علم غیب حسب ضرورت عطا فرمایا ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ یہ جملہ کہ "خدا کے سوا اور کسی کو علم غیب نہیں" درست نہیں۔

رسولوں کے علم غیب کا ذکر

سابقہ مضمون میں اس امر پر کافی اشارات گذر چکے ہیں اگر ہر ایک رسول کے حالات کو بیان کیا جائے تو بے محل طوالت

---

[1] جھوٹے دعویداران نبوت و ولایت اسی زمرہ میں آتے ہیں (غ)

کے ساتھ اصل مقصد میں بھی حرج اور تعطل واقع ہوتا ہے لہذا اتنا اشارہ کافی ہے کہ سورہ یوسف میں حضرت یعقوب علیہ السلام کا بیان بڑی وضاحت سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اہل علم فضل آپ کے بیان کو غور و تدبر سے مطالعہ کریں۔

ہماری بحث صرف رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت امیر المومنین علی علیہ الصلوات والسلام کے متعلق ہے اس واسطے اسی کی طرف رجوع کی جاتی ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت امیر المومنین علی علیہ الصلوات والسلام کے علم غیب کا ذکر

سابقہ مضمون میں سورہ مبارکہ الرحمٰن کی پہلی آیات کی نص سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ خداوند عالم جل شانہ نے حضرت ختمی مرتبت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہلی خلقت نورانی روحانی کے ساتھ ہی قرآن مجید کی تعلیم فرما دی تھی اور وہ تعلیم قرآن مجید کے حروف و نقوش والفاظ وصوت و لحن اور لغت وغیرہ کی تعلیم نہ تھی بلکہ ان علوم کی تعلیم تھی جو قرآن مجید میں موجود یا مرکوز و مسطور ہیں جن کے اظہار کے لئے بعد میں حروف و نقوش اور صوت و لحن اور

لغت وغیرہ کی ضرورت داعی ہوئی نورانی روحانی تعلیم میں ان امور کی ضرورت نہ تھی اور قطعاً نہ تھی۔ فتفہم۔

اس تعلیم نورانی روحانی میں صرف اور محض علم کی تعلیم کی ضرورت تھی جس کا ذکر بقدر ضرورت گزر چکا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ جس قرآن مجید کے علم کی آپ کو تعلیم دی گئی تھی۔ وہ یہی قرآن مجید ہے جو آج مسلمان قوم کے پاس موجود ہے اور اس قرآن مجید میں جو کچھ مذکور ہے۔ وہ سب کچھ اس وقت کی تعلیم کے وقت پردہ عدم میں تھا اس تعلیم کے وقت اور کوئی شی عالم وجود میں نہ آئی تھی سب کچھ ہی شکم عدم میں تھا۔

جس سے ثابت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند عالم نے علم غیب ہی نہیں عطا فرمایا تھا۔ بلکہ ہر شئے کو عدم سے وجود میں لانے کا علم عطا فرمایا تھا الفاظ نہ ملنے کی وجہ سے بحت مجبوری ہے جس لئے لفظ "علم" کا استعمال کر رہا ہوں ورنہ علم کے استعمال کا وہ مقام نہیں کہ علم جاننے کو کہتے ہیں۔ اور جانی وہ شئے جاتی ہے جو جسم رکھتی ہو جو شئے جسم بلکہ وجود ہی نہ رکھتی ہو اس کے جاننے کا ذکر ہی کیا۔ خصوصاً بصورت عدم۔ فتفہم وتدبر فیہ

پس اس سے ثابت ہے کہ خداوند عالم جل شانہ نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس تعلیم میں ہر شی کو عدم سے وجود میں لانے کی امری تعلیم و قوت دی تھی۔

انما امرہ اذا اراد شیئاً فیقول لہ کن فیکون۔ یٰسین

جو کچھ قرآن مجید میں موجود ہے یا کہ جو کچھ عوالم میں موجود ہے اس کو عدم سے وجود جسم میں لانے کا وہ امر عطا فرمایا جس کو آیہ مذکورہ میں ارشاد فرمایا ہے۔

اس جگہ حضرات علماء اعلام و فضلا کرام سے بصد ادب عرض ہے کہ اگر وہ بزرگوار اس بیان کو تفسیر بالرائے قرار دیں تو برائے نوازش اپنے عبد عاصی کو یہ سمجھا دیں کہ جب قرآن مجید میں مذکورہ ہر شئے شکم عدم میں تھی۔ تو اس وقت کی تعلیم کی کیا صورت تھی اور کیسے تھی ۔

من گنگ خوابدیدہ و عالم تمام کر

من عاجزم زگفتن و خلق از شنیدنش (حافظ شیرازی)

فرمائشات نبویہ و آئمہ طاہرین علیہم السلام اور زیارات وادعیہ کا عبور کریں۔

اللّٰھم انی اسئلک بحق محمد و علی فان لھما عندک شان من الشان وقدر من القدر فبحق ذالک الشان و ذالک القدر۔ ان کے تقرب الہیہ کے درجات و تصرف کا ادراک ناممکن امر ہے۔

پس سورہ رحمٰن میں جس تعلیم کا ذکر فرمایا گیا ہے اس کا ادراک آسان نہیں غور و فکر سے کام لیں۔ الفاظ سے نکل کر صورت واقعہ کی طرف رجوع کریں اور مالک زمانہ علیہ السلام سے استمداد طلب کریں۔ درسی فاضلیت کو ہاتھ جوڑیں کہ یہ ہر قوم کے ملاں کی جورو ہے اس سے غیر مسلم بھی نکاح کر سکتے

ہیں۔ فتدبروا فیہ۔

اور یہی حیثیت حضرت امیر المومنین علی علیہ الصلوات والسلام کی ہے کہ بوقت تعلیم قرآن مجید ان کا نور مقدس اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا نور مقدس صورت اور حقیقت واحدہ میں تھا ان کے نور کی تقسیم بفرمان نبوی اس تعلیم سے اسّی ہزار سال الوہیت جس کا ایک دن ہمارے پچاس ہزار سال کے برابر ہوتا ہے کے بعد ہوئی تھی جس پر حدیث نبوی کے یہ الفاظ نص ہیں

عن جابر بن عبد اللہ انصاری قال قال رسول اللہ اول ما خلق اللہ نوری ابتدعہ من نورہٖ و اشتقہ من جلال عظمتہٖ فاقبل یطوف بالقدرۃ حتی وصل الی جلال العظمۃ فی ثمانین الف سنۃ ثم سجد اللہ تعظیما ففتق منہ نور علیاً الخ

پس یہ نور پیدائش اور تعلیم قرآن کے وقت صورت اور حالت واحدہ میں تھا اور اسّی ہزار سال تک حالت اور صورت واحدہ میں رہا۔ لہذا جو کچھ اس حالت واحدہ میں اس نور کو عطا ہوا وہ تو قابل بحث ہی نہیں مگر تقسیم کے بعد بھی جو کچھ عطا ہوا وہ بھی حقیقت واحدہ کے تحت دونوں کو مساوی عطا ہوا سوائے اس کے کہ ایک جز کو رسالت دی گئی اور دوسرے جز کو گواہ رسالت مقرر کیا گیا اور و من عندہٗ علم الکتاب ۱۳/۱۲ سے اس کی تعلیم قرآن پر علیحدہ نص بھی

کر دی گئی ہے کہ تعلیم علم قرآن بحالت واحدہ دی گئی تھی۔ لہذا جو کچھ سورہ رحمٰن کی آیات سے ثابت ہے وہ نبوت و امامت۔ رسالت و خلافت دونوں کے لئے متحدہ طور پر بیان ہوا ہے اور اس کے بعد اسی طرح اس نور کے باقی اجزاء کے لئے ثابت ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے :-

بل ھو اٰیٰت بینٰت فی صدور الذین اوتوا العلم [۲۱/۱]

بلکہ وہ قرآن ان لوگوں کے سینوں میں آیات ظاہرہ کی طرح موجود ہے جن کو علم عطا کیا گیا ہے۔

اس آیہ مبارکہ سے معلوم و ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے کچھ لوگ ایسے خلق فرمائے ہیں جن کو خدا نے علم عطا فرمایا تھا اور یہ قرآن مجید ان کے سینوں میں نزول قرآن سے قبل آیات ظاہرہ کی طرح موجود تھا۔ اور اوتوا العلم سے مراد وہی علم ہے جس کو خدا نے سورہ رحمٰن کی پہلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔ علم القرآن اور اوتوا العلم میں ایک ہی امر کو بیان فرمایا گیا ہے اور علمہ البیان اور آیات بینات میں دوسرے امر کو بیان فرمایا ہے فرق صرف یہ ہے کہ رسول[ص] اور گواہ رسول[ص] کو اول تعلیم دی گئی اور باقی اجزا کو ان کی وساطت اور وسیلت سے دی گئی۔ اسی لئے ایک رسول اور دوسرا امیرالمومنین قرار پایا۔

پھر جب فریضہ رسالت کے تحت علم قرآن کو الفاظ زبان اور صوت و لحن اور طرز ادائیگی کے لباس میں امت

عامہ کے کانوں تک پہنچایا گیا تو اس کے نام قرآن مجید کی صورت بنتی گئی۔ جس کو "بل ھو" کے الفاظ میں ظاہر فرمایا گیا

پس ان دونوں آیات میں ایک ہی مقصد کو تبدیلی الفاظ سے بیان فرمایا گیا ہے جس سے ثابت ہوا کہ خداوند عالم نے رسولؐ خدا اور ان کی آلؑ طاہرہ کو اپنی تعلیم سے آئندہ ہونے والے تمام واقعات کا علم عطا فرما دیا تھا جس کی بنا پر وہ فرماتے رہے ہیں اور صحیح فرماتے رہے ہیں کہ

نحن نعلم ما ھو کائن قبیل کینونتہ (بحار ہفتم و عشر) کہ ہم ہر ہونے والی بات کو یا کہ ہر ہونے والے امر اور معاملہ و واقعہ کو اس کے وقوع سے پہلے جانتے ہیں۔

پس وہ واقعہ خواہ کسی قسم کا ہو خواہ کسی قسم کی مخلوق سے تعلق رکھتا ہو خواہ کسی عالم سے تعلق رکھتا ہو خداوند عالم نے ان کو علم اور صورت واقعہ کی ہیئت کی تعلیم دے دی ہوئی تھی ہر واقعہ اپنی صورت وقوعہ واقعیہ میں ان کی بصر یعنی آنکھوں کے سامنے موجود رہتا یا موجود ہو جاتا تھا اسی امر کو خداوند عالم نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

انا انزلنا الیک الکتٰب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ؁ ہم نے تیری طرف کتاب کو حق کے ساتھ اس لئے نازل فرمائی ہے تاکہ تو لوگوں کے درمیان اس طرح فیصلہ کرے جس طرح خدا نے تم کو دکھا دیا ہے

اس آیہ کریمہ سے ثابت ہے کہ ہر واقعہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر کے سامنے صورت وقوعہ واقعیہ کی حالت میں موجود ہوتا تھا اور یہی حالت اہلبیتؑ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی کہ اوصاف واحدہ اور تعلیم واحدہ رکھتے تھے جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے

الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلہا ثابت وفرعہا فی السماء توتی اُکلہا کل حین باذن ربہا ویضرب اللہ الامثال للناس لعلہم یتذکرون ؁

(کیا نہیں دیکھا تو نے کہ خدا نے کلمہ پاک کی مثال درخت پاک کی مانند دی ہے جس کی جڑ اور تنا مضبوط اور محکم ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں وہ اپنے رب کے اذن سے ہر وقت پھل دیتا رہتا ہے اور اللہ لوگوں کے واسطے اس لئے مثالیں بیان کرتا ہے کہ شائد وہ سوچ کریں)

اس مثال سے ثابت ہے کہ اس درخت پاک کی جڑ و تنا اور شاخیں اور پھل سب ایک ہی خواص واثر رکھتے ہیں اور یہ کلمہ و درخت پاک صرف محمدؐ وآل محمدؐ علیہم الصلوٰت والسلام ہی ہیں جن پر درود بھیجنا خدا نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے - لہٰذا جو اوصاف رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوائے رسالت کے ثابت ہونگے وہی سب کے سب اہلبیتؑ رسول خدا کے ثابت ہونگے کہ نورانی روحانی نفسانی وجسمانی اصلیت وحقیقت واحدہ رکھتے ہیں کہ خداوند عالم نے ان کو اسی اصلیت وحقیقت واحدہ پر اپنی مصلحت سے خلق فرمایا ہے - فتدبر وانبہ

زعم ناقص میں آتا ہے کہ ہمارے تمام بیانات کی تردید ان آیات قرآنیہ مبارکہ پر بنا رکھ کر کر دی جائے جس سے ہماری محنت کو ضائع ہی نہیں بلکہ گمراہ کن ثابت کر دیا جائے لہذا ان کا تذکرہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ آیات کثیرہ ہیں جن میں سے چند کے الفاظ اور حوالہ درج کئے جاتے ہیں۔

۷/۱۱و۱۳ و ۹/۱۳ ، ۱۱/۱و۲و۳ و ۱۲/۳، ۳۴، ۱۰ و ۱۳/۵، ۸ ، ۱۴/۱۷ ، ۱۵/۱۲ و ۱۸/۵ و ۲۰/۱ ، ۲۱/۱۳ وغیرہم قبل اس کے کہ ان آیات مبارکات کی بابت عرض کی جائے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ خداوند عالم نے اس امر پر نص کر دی ہے کہ قرآن مجید میں اختلاف و تضاد قطعاً نہیں ہے اور جس کتاب میں اختلاف و تضاد ہو وہ اس کے ابطال کی دلیل ہوتا ہے

افلا یتدبرون القرآن ولو کان من عند غیر اللّٰہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً ۵/۸ پس کیا یہ قرآن میں تدبر و غور نہیں کرتے اور اگر یہ خدا کے سوا کسی اور سے بیان ہوتا تو اس میں بہت ہی اختلاف پاتے۔

لہذا قرآن مجید کی آیات میں قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے جہاں کہیں بھی قرآن مجید کی آیات میں اختلاف کی صورت پیدا ہوگی وہ مفسروں فقیہوں مفتیوں ملاؤں وغیرہ کی طبائع و خیالات اعتقاد . . . . . سے کے اختلاف سے پیدا ہوگی جس کے ذمہ دار بھی وہی ہونگے نہ کہ خدا اور رسول خدا لہذا یہ اختلاف بھی اسی قسم سے ہے آیات قرآن کا اختلاف نہیں بلکہ لوگوں کے اختلاف

خیالات کا اختلاف ہے۔ فتفکروا فیہ

اگر تمام آیات کا فرداً فرداً ذکر کیا جائے تو طوالت اور ملالت کا باعث ہوگا لہذا چند آیات کو نقل کرکے ان کے تحت سب کے ماحصل کا فیصلہ کیا جائیگا۔

(۱) وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو ۷/۱۳

(۲) ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غداً وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر ۲۱/۱۳

(۳) وللہ غیب السموات والارض ۱۲/۱۰

(۴) اللہ یعلم ما تحمل کل انثی وما تغیض الارحام وما تزداد وکل شئی عندہ بمقدار عالم الغیب والشھادۃ الکبیر المتعال ۱۳/۸

ان آیات اور ان کی مثل دیگر آیات غیر مذکورہ کا ہمارے بیان سے قطعاً کوئی اختلاف نہیں ہے، اور کسی طرح کا بھی اختلاف نہیں ہے۔ علم غیب پر ہی منحصر نہیں بلکہ کل علوم ظاہرہ ہوں کہ مخفی و پوشیدہ و غائب ہوں سب کے سب کا سرچشمہ و منبع اور اجراء ذات احدیت سے ہی ہوتا ہے کوئی علم ایسا نہیں ہو سکتا جو خداوند عالم کے سوا کسی اور کا پیدا کردہ ہو خواہ کسی قسم کا بھی علم ہو۔ وہ خداوند عالم کا ہی جاری کردہ ہے۔ خالق مخلوقات ہی علوم کو جاری کرنے والا ہے اور بس اور قطعاً بس اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اور جس قدر علوم جاری ہو چکے ہیں، وہ سب کے سب

خداوند عالم نے اپنے انبیاء اور رسولوں کے ذریعہ جاری کئے ہیں جس سے ثابت ہے کہ خداوند عالم نے اپنے علوم کو جاری کرنے کے واسطے اوّل اوّل اپنے رسولوں کو تعلیم دی جنہوں نے اس کے سکھائے ہوئے علوم کو خداؑ کی مخلوق میں جاری کیا۔ لہذا تمام علوم کے موجد دنیا میں خداؑ کے رسول ہی ہیں۔

پس ہمارے بیان سے ثابت ہے کہ جو کچھ ہم نے ثابت کیا ہے وہ خداوند عالم کی تعلیم سے ہی ثابت کیا ہے یہ کہیں نہیں ثابت کیا کہ خدا کی تعلیم کے بغیر خود بخود حضرات آئمہ طاہرین علیہم السلام علوم کو جانتے ہیں یا کہ خداؑ کے بالمقابل عالم ہیں۔

ہمارے بیان کی تردید تب ہی ہو سکیگی جب یہ ثابت کیا جائے کہ خداؑ نے آئمہ طاہرین علیہم السلام کو کوئی تعلیم نہیں دی اور یہ کبھی ثابت نہ ہو سکیگا ھاتوا برھانکم دکتابکم

اب رہیں وہ آیات جن میں علم غیب کی نفی کی طرف اشارہ ہے مثلاً قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب ولا اقول لکم انی ملک ان اتبع الا ما یوحی الی ۱۱/۲ وغیرہ

تو ان کی وہی صورت ہے جو ان آیات کی ہے جو خداوند عالم تعؔ کی طرف منسوب ہیں مثلاً وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ ۲/۱

اور ثم بعثنھم لنعلم ای الحزبین احصی لما

لیثوا امداً ۱۵/۱۲

اذھبا الی فرعون انه طغیٰ فقولا قولاً لیناً لعله یتذکر او یخشیٰ ۱۶/۱۱

کیا یہ آیات خداوند عالم کی لاعلمی کی دلیل ہوسکتیں ہیں۔ کیا ان آیات کی سند سے کہا جاسکتا ہے کہ خداوند عالم صحابہ کے عمل سے پہلے نہ جانتا تھا کہ کون کون رسول کا اتباع کریگا اور کون کون نہ کریگا۔ کیا یہ نہ جانتا تھا کہ اصحاب کہف میں سے کون اپنے سونے کی مدت کو یاد رکھنے والا ہے۔ یا کہ وہ فرعون کے انجام کو نہ جانتا تھا۔

(۱) پس جس طرح یہ آیات خداوند عالم کے نہ جاننے کی دلیل نہیں ہوسکتیں اسی طرح آیت یا لا اور اس کے ہم معنی والفاظ دیگر آیات رسولؐ کے علم غیب نہ جاننے کی دلیل نہیں ہوسکتیں۔ آیہ مذکورہ و متذکرہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں نازل ہوئی ہے نہ کہ مذمت میں نازل ہوئی خصوصاً (یوحیٰ الی) کی نص سے عصمت رسولؐ خداؐ ثابت فرمائی گئی ہے۔

(۲) کیا تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ خداوند عالم کے اسماء کی تعلیم دینے کے بعد حضرت آدمؑ ان اسماء کو نہ جانتے تھے یا کہ حضرت آدمؑ کے سکھانے کے بعد بھی ملائکہ اسماء کو نہ جانتے تھے۔

(۳) کیا یہ مانا جاسکتا ہے کہ معلم موسیٰ علیہ السلام کو جو علم خدا نے عطا فرمایا تھا وہ اس کو نہ جانتے تھے۔ اگر ایسا نہیں مانا جاسکتا تو پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے الرحمٰن علم القرآن

اور فاوحیٰ الی عبدہ ما اوحیٰ کے بعد علم غیب کی نفی کس طرح مانی جا سکتی ہے جس کا ثبوت گذر چکا ہے پس تعلیم قرآن جس میں تمام غائب اور حاضر چیزوں کا ذکر ہے اور منزل او ادنیٰ کے قرب حقیقی اور توسل کے بعد اور اس مقام کی نوے ۹۰ ہزار کلام کی وحی کے بعد جس کا ایک حرف بھی قرآن میں نہیں۔ بنا بر مشہور تعداد آیات جس کے ساڑھے تیرہ قرآن بنتے اور ہوتے جو سب ہی غیب میں داخل ہیں الا شاذ ادہ ان سب کے بعد علمك ما لم تکن تعلم ۵/۱۴ جو کچھ بھی تو نہ جانتا تھا وہ سب ہی تم کو تعلیم کر دیا ہے اس کے بعد جس علم کی بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نفی کرو گے تو یہ آیت جواب دیگی کہ وہ بھی ہم نے اس کو سکھا دیا ہے پس ان نصوص کے تحت کسی علم اور کسی شیٔ کے علم کی نفی رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نہیں کی جا سکتی۔

متذکرہ آیات سے علم غیب کی نفی ثابت کرنا قرآن میں اختلاف اور تضاد کو تسلیم کرنا ہے جو صریحاً باطل ہے خصوصاً ان آیات کی موجودگی میں جن کا ذکر آتا ہے جو علم غیب خاص کے عطیہ میں وارد ہوئی ہیں جن کا تعلق سوائے محمد و آل محمد علیہم الصلوات والسلام کے اور کسی سے نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے نہ ہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہ علم غیب خاص تقرب او ادنیٰ کے سوا اور کسی کو عطا ہی نہیں کیا جا سکتا۔ فتدبر فیہ

علم غیب کی تیسری قسم

(۳) تیسری قسم علم غیب کی یہ ہو سکتی ہے کہ خداوند عالم نے اپنے ارادہ اور علم کے تحت جو کچھ آئندہ کرنا ہے۔ پس یہ علم غیب الغیوب میں داخل ہے۔ اس کا تعلق کسی سے نہیں ہو سکتا اور اس کو کوئی بھی نہیں جان سکتا۔ درحقیقت یہی علم غیب الغیوب ہے جس پر کسی کو اطلاع نہیں ہو سکتی کہ علم الہیہ عین ہے اور علم الہیہ عین ذات ہے کہ اس کی ذات علم ہی علم ہے اور معرفت ذات الہیہ محال میں داخل ہے۔ لہذا جو کچھ اس نے کرنا ہے وہ اسی کی ذات اور علم اور قدرت اور ارادہ و مشیت کے متعلق ہے۔ لہذا اس کی اطلاع کسی کو بھی نہیں ہے کیونکہ خدا کی ذات بابرکات نہ تو کسی کے علم کی محتاج ہے اور نہ ہی کسی کے مشورہ کی محتاج ہے اور نہ ہی کسی کی امداد کی محتاج اس کی ذات کو کسی کی احتیاج نہیں ہے اور قطعاً نہیں ہے وہ ہر امر میں غنی مطلق اور قدیر ہے

یا ایہا الناس انتم فقراء الی اللہ وھو الغنی الحمید ۲۲/۱۵

وان اللہ علیٰ کل شئی قدیر ۲/۲ پس خدا کسی امر میں کسی کا محتاج نہیں اور وہ ہر شئی ہر امر پر قادر ہے کوئی شئی اور کوئی امر اس کی قدرت سے باہر نہیں

مگر اہل عقل و معرفت سے پوشیدہ نہیں ہے کہ خدا کی ذات جل علےٰ نے اپنی خلق کردہ خلق اور مخلوقات میں ایک خاص

نظام اپنی مصلحت کے تحت مقرر کر رکھا ہے جس امر میں دیکھو اس نے اپنا نظام قائم کیا ہوا ہے ۔ اسی نظام کے تحت اس کے تمام امور سرانجام پا رہے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ خداوند عالم اپنی قدرت کو اپنے نظام کے تحت عمل میں لاتا ہے اپنے نظام کے خلاف اپنی قدرت کو نہیں صرف کرتا ۔

وما نحن بمسبوقین علٰے ان نبدل امثالکم وننشئکم ما لا تعلمون $\frac{۲۷}{۱۵}$

وہ ہمیں ایسی خلقت میں تبدیل کر سکتا ہے تبدیل کرنے کی قدرت رکھتا ہے جس کو ہم نہیں جانتے نہ ہی جان سکتے ہیں مگر کرتا نہیں کہ اس طرح کرنا اس کے اپنے قائم فرمائے ہوئے نظام کے خلاف ہے ۔ پس تمام امور میں اس نے ایک خاص نظام قائم کر رکھا ہے جس کے مطابق نظام عالم چلا رہا ہے اس کے امور میں سے ایک امر علم غیب الغیوب بھی ہے لہٰذا امر غیب الغیوب میں بھی اس نے نظام قائم فرمایا ہوا ہے جس کی بابت ارشاد فرماتا ہے :

وما کان اللہ لیطلعکم علے الغیب ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء $\frac{۴}{۹}$ اور خدا کا یہ کام نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کرے یعنی تم کو علم غیب خاص عطا کرے ۔ لیکن اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے علم غیب خاص کے لئے چن لیتا ہے اس آیہ میارکہ میں خداوند عالم نے اپنے علم غیب کے عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے ۔ کہ میں اپنا علم غیب خاص صرف تم کو ہی نہیں بلکہ

اپنے تمام انبیاء کو بھی نہیں عطا کرتا لیکن اپنے رسولوں میں سے بھی جس کو چاہتا ہوں اپنے علم غیب خاص کے لئے چن لیتا ہوں پسند کر لیتا ہوں

پس اس آیت سے ثابت ہے کہ خداوند عالم اپنا علم غیب خاص اپنے خاص اور مجتبےٰ رسولوں کو ضرور عطا فرماتا ہے۔ لیکن یہ مسلمان کہتے ہیں کہ خدا کے سوا اور کسی کو علم غیب نہیں۔ معلوم نہیں ہوتا کہ خدا کیا فرماتا ہے اور یہ مسلمان کیا ثابت کر رہے ہیں۔

خدا فرماتا ہے کہ میں اپنا علم غیب خاص اپنے مجتبےٰ پسندیدہ رسولوں کو ضرور عطا کرتا ہوں مگر یہ مسلمان فرماتے ہیں کہ خدا کسی کو بھی علم غیب نہیں عطا کرتا۔ خدا رحم کرے۔

من چہ مے سرائم و طنبورہ من چہ مے سرائد = والا معاملہ ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ زبان عربیہ اور علوم مروّجہ درسیہ کی مدد اور قواعد استدلالیہ سے آج تک امور مختلفہ میں فیصلہ نہیں ہو سکا۔ آیہ وضو جیسی محکم آیت میں اختلاف قولی و فعلی موجود ہے حالانکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے عمل وضو اتنی دفعہ کر کے دکھایا ہے کہ جس کی تعداد شمار میں ہرگز نہیں آسکتی صرف نماز واجبی کے لئے ہی آپ نے اکتالیس ہزار چار سو دفعہ مسلمانوں کے سامنے وضو کا عمل کیا تھا۔ اور اس کے علاوہ نماز ہائے نوافل وغیرہ کے لئے جو وضو کیا تھا اس کا شمار ہی نہیں ہو سکتا اور اس سے زائد یہ ہے کہ ہر مسلمان ہونے والے صحابی کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وضو کرنے کی خود تعلیم دی تھی باوجود اس کے علوم مروجہ کی برکت

سے آج تک اختلاف چل رہا ہے جو کثیر طبقہ کی نماز کو باطل کر رہا ہے اور لوگوں کو اس آیت کا مصداق بنا رہا ہے۔

وجوہ یومئذ خاشعۃ عاملۃ ناصبۃ تصلی نارحامیۃ ۳۰/۱۲

اس واسطے ان کو چھوڑ کر اپنے طریقہ سے عرض کرتے ہیں کہ آیہ متذکرہ میں جس رسول کو خداوند عالم نے اپنے علم غیب خاص کے لئے چنا ہے وہ کون ہے اور یہ کہ خداوند عالم نے اپنے علم غیب خاص کے لئے کتنے رسولوں کو چنا ہے تا کہ عوام حضرات کے لئے حقیقت واضح ہو جائے جس سے وہ دھوکہ نہ کھا سکیں۔

خداوند عالم جل شانہ نے حسب مصلحت عہدہ نبوت و رسالت میں درجات و مراتب مقرر کر رکھے ہیں جس سے ثابت ہے کہ خدا کی مشیت میں یہ درجات و مراتب لازمی و ضروری تھے۔ جیسا کہ فرماتا ہے:۔

ولقد فضلنا بعض النبیین علے بعض واتینا داود زبوراً ۱۵/۵

اور بے شک ہم نے بعض انبیاء کو بعض انبیاء پر فضیلت عطا کی ہے اور داؤد کو ہم نے زبور عطا کی اور اسی طرح تمام رسولوں میں بھی درجات و مراتب مقرر ہیں جیسا کہ فرماتا ہے

تلک الرسل فضلنا بعضھم علے بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات واتینا عیسے ابن مریم البینٰت وایدنا بروح القدس ۳/۱

یہی وہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت عطا کی اور ان میں جس سے خدا نے کلام کی اور بعض کے درجات

اور بھی بلند ہیں اور ہم نے عیسٰے بن مریم کو معجزات عطا کئے اور اس کی مدد ہم نے روح القدس سے کی۔

پس ان آیات سے ثابت ہے خداوند عالم نے انبیاء و مرسلین میں درجات و مراتب قائم فرمائے ہوئے ہیں۔ بعض نبی بعض نبیوں اور بعض رسول بعض رسولوں سے فاضل و بلند مرتبہ و درجات ہیں اور انبیاء و مرسلین کی یہ فضیلت ملک و مال و اسباب دنیا کے جاہ حشم سے نہیں عطا کی بلکہ ان کو یہ فضیلت بذریعہ زیادتی علم ہی عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرماتا ہے۔

ولقد اخترنٰھم علٰے علم علے العٰلمین ۲۵/۱۵

اور بے شک ہم نے ان کو تمام عالمین پر علم میں اختیار کیا یعنی چنا۔
اس آیت میں انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر ہے کہ ان کو اس زمانہ کے تمام لوگوں پر علم میں فضیلت عطا کی۔

نرفع درجٰت من نشاء و فوق کل ذی علم علیم ۳/۲

ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کرتے ہیں اور ہر صاحب علم پر علیم کو فوقیت حاصل ہے۔

ان آیات سے ثابت ہے کہ درجات کی بلندی علم کی زیادتی سے ہوتی ہے ہر صاحب علم پر علیم یعنی زیادہ جاننے والے کو فوقیت و بلندی درجات حاصل ہوتی ہے

ہمارا مقصد یہاں پورا ہو جاتا ہے اور بحث ختم ہو جاتی ہے کہ ہر صاحب علم پر ایک علیم کا ہونا ضروری ہے اور یہ سلسلہ چلتے ہوئے آخر ایک نکتہ اور ایک مقام ایک فرد واحد پر پہنچ کر

ختم ہو جاتا ہے۔

پس رسولوں میں سے جو رسول سب پر علیم ہو وہی مجتبیٰ رسول ہے اور قرآن مجید سے زیادہ علوم رکھنے والی کوئی کتاب خدا نے نازل نہیں فرمائی لہٰذا جس رسولؐ کو قرآن مجید کی خدا نے تعلیم دی تھی وہی سب سے زیادہ علیم ہے اور وہ رسول محمدؐ مصطفیٰ و احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں۔

مگر معترض جب اس رسولؐ کو ہی ہر علم میں جاہل ثابت کرنے میں خدا سے نہیں ڈرتے نہ شرم کرتے ہیں تو ہماری دلیل کیونکر قبول کرینگے کسی کے دل پر تو کسی کو قدرت نہیں البتہ زبان کو بند کرنے کے لئے اور وحدت پرست جماعت کے استعجاب کے لئے کچھ اور ذکر کرتے ہیں تاکہ دل نہ تسلیم کرے تو بھی زبان کی حرکت تو بند ہو جائے لہٰذا عرض ہے کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا۔ کہ خداوند عالم کا فرمان (نعوذ باللہ) غلط یا جھوٹ ہو جائے۔ جب ایسا نہیں ہے تو پھر لازمی ہے کہ تمام رسولوں میں سے کوئی ایک یا دو یا چار رسول ضرور ایسے ہونے لازم ہیں جن کو خدا نے علم غیب خاص کے لئے چنا ہو۔ معترض یا جماعت موا حدہ" ان کے نام بتائے اور اگر نہ بتا سکے تو بھی ان کا یہ نظریہ کہ خدا کے سوا کسی کو علم غیب نہیں ہے) درست نہ رہا کہ خدا فرماتا ہے کہ رسولوں میں سے (من یشاء) جس کو چاہوں علم غیب خاص عطا فرماتا ہوں۔ لہٰذا جس کو خدا نے علم غیب کے لئے چن لیا وہی سب پر علیم ہوا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جس علیم پر کوئی دوسرا علیم آئیگا وہ پہلا

علیم جماعت ذی علم میں داخل ہو جائیگا لہذا ثابت ہوا کہ علیم وہی ہے جس پر کوئی دوسرا علیم نہ آئے اور یہ اسی رسول پر ختم ہے جو مسلمانوں کا رسول ہے اور "جماعت مواحدہ" اسی کے حق میں ثبوت دیتی ہے کہ وہ علم غیب نہ جانتا تھا۔ فاعتبروا

حالانکہ سلسلہ کتب آسمانی اور نسخ شرائع سابقہ اور دوام شریعت اسلامیہ سب اسی کے شاہد عینی وحقیقی ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس علیم علےٰ کل کی خبر دیں اور اس کا نام بتائیں۔ ھاتوا برھانکم وفاتوا بکتابکم

سلسلہ رفعت درجات ومراتب کو معلوم کرنے کے لئے بعثت انبیاء میں تدبر کی ضرورت ہے پہلا نبی وخلیفہ خدا حضرت آدمؑ تھا۔ آپ کی تعلیم اسماء اور مسمیات تک محدود تھی پھر اسماء ومسمیات کے لئے حروف ونقوش کی تعلیم حضرت ادریسؑ کو دی گئی جن سے درس تدریس کا سلسلہ جاری ہوا اور شریعت کی ابتدا حضرت نوحؑ سے جاری ہوئی الخ جس سے ثابت ہے کہ ہر آنے والا نبی علم میں فاضل ہوتا ہے اور یہی امر ہر شریعت میں احکام کی زیادتی سے ثابت ہے اسی طرح سلسلہ تعظیم انبیاء سے ثابت ہے حضرت آدمؑ کی تعظیم کے لئے ملائکہ کو امر سجدہ کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے سجدہ کا ذکر فرمایا ہے۔

ورفع ابویہ علے العرش وخروا لہ سجدا وقال یا ابت ھذا تاویل رویای من قبل قد جعلھا ربی حقا ۱۲/۱۳

اور اس کے والدین تخت پر چڑھے اور اس کے لئے سجدہ

میں گر پڑے اور یوسفؑ نے کہا اے باپ یہ ہی میری اس پرانی خواب کی تعبیر ہے بے شک خدا نے اس کو سچا کر دیا ہے۔

اس آیت میں خدا نے سجدہ یوسفؑ کا ذکر فرمایا ہے کہ باپ نے بیٹے کا سجدہ کیا۔ یہاں پر بھی حضرت آدم کے سجدہ کی طرح حضرت یوسف کے سجدہ کی بھی تاویلیں کی جاتی ہیں لیکن تاویل کرنے سے پہلے اس آیت بلکہ صرف ضمیر رأیتہم لی ساجدین اور لہ سجداً کو متشابہات میں تسلیم کرنا پڑیگا اس صورت میں تاویل کا حق علما کو حاصل نہ ہوگا۔ خواب والی آیت کو تو متشابہ کہا جا سکتا تھا مگر تعبیر کو متشابہ نہیں کہتے نہ ہوتی ہے لہذا یہاں گنجائش تاویل نہیں اور صرف ضمیر ہی متشابہ نہیں مانی جا سکتی۔ بلکہ ساری آیت متشابہ ہوا کرتی ہے پس رأیتہم لی ساجدین کی تعبیر سجداً لہ قابل تاویل نہیں۔

پس آیہ خواب اور آیہ تعبیر خواب کی ضمیر متفقہ طور پر حضرت یوسفؑ کی طرف راجع ہے جس سے ثابت ہے کہ والدین اور برادران یوسف نے آپ کا سجدہ کیا اور یہ عمل آپ کی علمی فضیلت و بلندی درجہ کے ثبوت و اظہار کے لیے ہی تھا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سابقہ رسول سے آنے والا رسول بلند درجہ ہوتا ہے سوائے صاحب شریعت کے کیونکہ صاحب شریعت سے صاحب شریعت ہی فاضل ہو سکتا ہے غیر صاحب شریعت رسول پر صاحب شریعت کی پیروی واجب ہوتی ہے اور صاحب شریعت صرف پانچ ہی ہیں حضرت نوح حضرت ابراہیمؑ حضرت موسےؑ حضرت عیسےٰ علیہم السلام

اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو تمام صاحبان شریعت وغیر صاحبان شریعت سب سے فاضل اور بلند درجہ و مرتبہ ہیں

اسی امر کی تصدیق و تائید حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ کے واقعہ سے ہوتی ہے۔ جیسا کہ خدا فرماتا ہے:۔

وداؤد وسلیمان اذ یحکمٰن فی الحرث اذ نفشت فیہ غنم القوم وکنا لحکمھم شٰھدین ففھمنٰھا سلیمان وکلا اٰتینا حکما وعلما $\frac{۲۱}{۶}$ اور جب داود اور سلیمان کھیتی یا کہ باغ کا فیصلہ کرنے لگے جب کہ ایک قوم کی بکریاں اس کو کھا گئی تھیں اور ہم ان کے فیصلہ کے نگران تھے پس ہم نے سلیمان کو اس کا فیصلہ سمجھا دیا اور دونوں کو یا کہ سب کو ہم نے ہی حکم اور علم دیا ہوا تھا۔

اس آیہ مبارکہ سے واضح ہے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلمان علیہما السلام ایک واقعہ کا جائزہ فیصلہ دینے کی خاطر لے رہے تھے۔ تو خداوند عالم نے حضرت داؤدؑ کو چھوڑ کر حضرت سلیمانؑ کو اس واقعہ کا فہم عطا فرمایا حالانکہ دونوں خدا کے رسول تھے اور دونوں کو حکم اور علم خدا نے ہی عطا فرمایا ہوا تھا باوجود اس کے خدا نے باپ کو بیٹے کے فیصلہ کے تحت عمل کرنا پڑا جس سے ثابت ہوا کہ بعد میں آنے والا نبی پہلے سے علیم ہوا کرتا ہے۔ پس اہل اسلام کو خداوند عالم کے فرمان اور نص صریحی

وما کان اللہ لیطلعکم علے الغیب ولکن یجتبی من رسلہ من یشاء $\frac{۴}{۹}$ کے تحت کسی نہ کسی رسول کے لیئے خدا کا علم غیب عطا کرنا تسلیم کرنا پڑیگا اگر نہ تسلیم کریں تو نص صریحی

فیصلہ کا فہم نہ عطا فرمایا بلکہ بیٹے کو جس سے باپ کو

کا انکار لازم آئیگا لہذا سوائے تسلیم کرنے کے اور کوئی چارہ نہیں۔
تو اب جس رسول کے لئے علم غیب کا عطا ہونا تسلیم کریںگے اس سے ان کا مفروضہ جملہ (کہ خدا کے سوا اور کوئی علم غیب نہیں جانتا) درست نہ رہا اور دوسرا یہ ثابت ہوگیا کہ اس رسول کے بعد آنے والے رسول کو اس سے زیادہ علم غیب عطا فرمانا لازمی و ضروری ہوگا ورنہ وہ علیم نہ ہوگا جس سے سلسلہ رفعت درجات و مراتب میں تعلل و بدنظمی پیدا ہو جائیگی جو خداوند عالم کے مقرر کردہ اصول اور قاعدہ کے خلاف ہے جس سے تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض کے خلاف لازم آئیگا جس سے خدا کے قول اور فعل میں تضاد و اختلاف پیدا ہوگا جو باطل محض ہے۔
پس جس رسول کے لئے علم غیب کا عطا ہونا تسلیم کیا جائیگا اس کے بعد آنے والے رسول (فوق کل ذی علم علیم) کے تحت یکے بعد دیگرے علم غیب میں فاضل آئینگے اور اس طرح سے آخری رسول جو سب کے بعد آئے وہ علم غیب میں سب سے فاضل ہونا لازمی و واجبی ہے اور سب سے آخری رسول ہمارا ہی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے جس کی امت میں مسلمان داخل ہیں کس قدر تعجب کی بات ہے کہ قانون خدا سے تو یہ ثابت ہو کہ خدا نے سب سے آخری رسول کو سب سے زیادہ علم غیب عطا فرما کر سب پر علیم قرار دیا ہے اور مسلمان ضد کریں کہ نہیں ہمارے رسول کو علم غیب نہ تھا (العیاذ باللہ)
اور کل العجب یہ امر ہے کہ فضلا عصر اور علم دہر حاضرہ اور شیعہ گر

اور نجف اشرف کے سند یافتہ حضرات شیعہ علماء اعلام ثابت کریں کہ محمدؐ و آل محمد علیہم الصلوٰت والسلام علم غیب نہ جانتے تھے اور علامہ محمد سبطین مرحوم اعلی اللہ مقامہ جن کو مولا امام حسین علیہ الصلوات و السلام نے جان کنی کی حالت میں گھر سے بلا کر اپنے قرب خاص میں مہمان بنا کر سرفراز رکھا ہے کی تصنیفات کو مورد الزام گردانیں۔

(گر ہمیں مکتب و ہمیں ملاں　　　کار طفلاں خراب خواہد شد)

پس ہمیں انظروا الی ما قال) کی تعلیم دی گئی ہے اور ولا تنظروا الی من قال سے ممانعت فرمائی گئی ہے۔ ہم حق کے طلبگار اور تابعدار ہیں جہاں کہیں ہو جہاں سے ملے ہم شخصیت پرست نہیں حق پرست ہیں الحق احق ان یتبع ۱۱/۹ حق زیادہ مستحق ہے کہ اس کا اتباع کیا جائے

الغرض مقصد و مراد یہ کہ فرمان خدا و نظام خدا کے مطابق سب سے آخری رسولؐ کو سب سے زیادہ علم غیب حاصل ہونا لازمی ہے۔ ورنہ وہ تمام رسولوں پر علیم نہ ہو سکیگا۔ جس سے کلام خدا کا ابطال لازم آئیگا۔ اسی لئے خداوند عالم نے قرآن مجید میں صاف اور واضح بیان فرمایا ہے واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتٰب وحکمۃ ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن بہ ولتنصرنہ قال أ اقررتم واخذتم علیٰ ذالکم اصری قالوا اقررنا قال فاشھدوا وانا معکم من الشھدین۔ فمن تولی بعد ذالک فاولئک ھم الفسقون ۳/۱۷ اور جب اللہ نے کل انبیاء سے اقرار لیا کہ جب میں تم کو کتاب وحکمت میں سے ے بخشوں پھر تمہارے پاس وہ رسول آئے

جو جو کچھ تم کو دیا گیا ہوگا اس کی تصدیق کرے تو تم ضرور ہی اس پر ایمان لانا اور ضرور ہی اس کی مدد کرنا خدا نے فرمایا کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور میرا یہ اقرار اس شرط پر اپنے ذمہ لیتے ہو تو سب نے کہا ہم نے اقرار کیا تو خدا نے فرمایا تم خود ہی اس پر گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ پس جو کوئی بھی اس امر کا انکار کرے وہی لوگ فاسق ہیں۔

اس آیہ مبارکہ سے صاف ظاہر ہے کہ تمام انبیاء و مرسلین سے مجتبےٰ چنا ہوا صرف آخری رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں اور کوئی نہیں ہے اور خدا کا فرمان ہے کہ میں رسولوں میں سے چنے ہوئے منتخب و مجتبےٰ رسول کو علم غیب عطا فرماتا ہوں اور کسی کو نہیں مطلع کرتا صرف اور محض رسول مجتبےٰ کو مطلع کرتا ہوں جس سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدا نے تمام انبیاء و مرسلین پر علیم قرار دیا ہے اور تمام پر بلند درجہ و مرتبہ قرار دیکر اپنا علم غیب خاص جو اور رسولوں کو نہ دیا تھا وہ بھی عطا فرمایا تھا۔ جماعت مواحدہ یاد رہیہ اور ہماری فاضلیت بتائے کہ محمد وآل محمد علیہم الصلوات والسلام کو کس طرح علم غیب حاصل نہ تھا اور گلاب شاہ صاحب قبلہ غور کریں کہ یہ بھی علامہ محمد سبطین اعلی اللہ مقامہ کی تصنیف ہے یا کہ جیا بلانہ قیاس ہے۔ اس کا انکار تو صریحاً آیات محکمہ کا انکار ہے۔ فاعتبروا۔

شیعہ وہابیت و مواحدیت کے لئے تو حضرت امیر المومنین

علی علیہ الصلوات والسلام کے لئے علم غیب کے حصول کے واسطے علیحدہ ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کہ سوائے درجۂ نبوت رسالت باقی جو کچھ رسول خدا کے لئے ثابت ہے وہی حضرت امیرالمومنین علی علیہ الصلوات والسلام کے لئے ثابت ہے۔

ہاں غیر شیعہ وہابیت یا مواحدیت کے لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان حضرات نے کل اہل اسلام سے اپنی اعتقادی راہ علیحدہ قائم کر رکھی ہے اگرچہ سابقہ بیانات کی موجودگی میں اس پر بحث کی قطعاً ضرورت نہیں لیکن ان کی تشفی کی خاطر عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اہل حدیث اگر احادیث رسولؐ کو مانتے ہیں تو ان کے لئے یہ حدیث متفقہ کافی ہے کہ انا مدینۃ العلم و علی بابہا (ارجح المطالب وکوکب دری اور صواعق محرقہ وغیرہ) اس سے ثابت ہے کہ جس قدر علوم الہیہ رسولؐ خدا کے لئے ثابت ہونگے ان سب کا اظہار حضرت علی علیہ السلام سے ہی ہونا لازمی ہے کہ شہر کی ہر چیز دروازہ سے ہی باہر آتی ہے اس سے ثابت ہے خدا نے تمام علوم رسولؐ کو تعلیم فرمائے اور رسولؐ نے وہ سب حضرت علی علیہ الصلوات والسلام کے حوالے کئے۔ اور آپ نے دنیا میں نشر کئے خواہ باطنی طور پر ہوں یا کہ ظاہری طور پر ہوں جیسا کہ ثابت کیا گیا ہے (معلم موسےٰ کا واقعہ ملاحظہ ہو) لیکن خداوند عالم نے ہر امر کو اپنے خاص طرز و طریقہ پر پوری طرح واضح کر دیا جس کو سمجھنا مسلمانوں کا فرض ہے جو کوئی نہ سمجھے وہ غنی مطلق کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام کے لئے

اپنے علم غیب خاص کا عطا فرمانا علیحدہ بھی بیان فرما دیا ہے جیسا کہ فرماتا ہے عٰلم الغیب فلا یظھر علٰی غیبہٖ احداً الا من ارتضٰی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ و من خلفہٖ رصداً لیعلم ان قد ابلغوا رسلٰت ربھم واحاط بما لدیھم واحصٰی کل شیء عدداً $\frac{29}{12}$

جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کوئی رسول تو وہ چلاتا ہے اس کے آگے اور پیچھے چوکیدار تا جانے کہ انھوں نے پہنچائے پیغام اپنے رب کے اور قابو میں رکھا ہے جو ان کے پاس ہے اور گن لی ہے ہر چیز کی گنتی (شاہ عبد القادرؒ محدث دہلوی)

اس کا ترجمہ سابقہ بیان کی گئی آیت کے مطابق کیا گیا ہے اس صورت میں اس کا مفہوم بھی وہی پیدا ہوگا جو سابقہ آیت کا بیان کیا جا چکا ہے (الا من ارتضٰی من رسول کو ولکن اللہ یجتبی من رسلہ من یشاء کے تحت سمجھا گیا ہے۔ یعنی من رسول کو من رسلہ بنایا گیا ہے اور یہ ظاہر ہے رسول واحد ہے جس کی جمع رسل ہے من رسلہ کے من کی طرح من رسول کے من کو بھی من تبعیضیہ یا تبعیضہ تصور کیا گیا ہے جس سے حقیقت ظاہر ہو رہی ہے۔

پس اس ترجمہ کے لحاظ سے یہ تو ثابت ہے کہ کوئی رسول ایسا ضرور ہے جس کو خدا نے اپنا علم غیب عطا فرمایا ہے۔ پس جس رسول کو بھی خدا اپنا علم غیب خاص عطا فرما دے وہی علم غیب

کا جاننے والا ہو گیا اس سے یہ نظریہ درست نہ رہا کہ (علم غیب سوائے خدا کوئی نہیں جانتا) کہ جس رسول کو خدا اپنا علم غیب خاص عطا کرے وہی علم غیب کا جاننے والا ثابت ہو گیا جس سے مذکورہ اعتقاد صحیح نہ رہا۔

اور یہ آیت علم غیب خاص کی بابت ہے جس پر غیبہ شاہد ہے لہذا ان کا اعتقاد خلاف تعلیم خدا ثابت ہوا جس سے اجتناب فرض و واجب ہے۔

اور اگر اس رسول سے مراد آخری رسول ہے تو پھر یہ کہنا کہ ہمارا رسول علم غیب نہ جانتا تھا کس قدر خلاف واقعہ ہے۔

دراصل یہ آیہ مبارکہ ہمارے ہی رسولؐ اور ان کے وصی کے شان میں نازل فرمائی گئی ہے اور اس میں وصی اور خلیفہ رسولؐ کے عالم بالغیب خاص ہونے کا ذکر فرمایا گیا ہے تدبر کی ضرورت ہے۔ اس آیت میں (من رسول) کا من تبعیضہ نہیں ہے کیونکہ لفظ رسول واحد ہے واحد کے لئے من تبعیضیہ یا تبعیضہ نہیں آتا۔ بلکہ جمع کے لئے آتا ہے جیسا کہ (یجتبی من رسلہ) میں آیا ہے پس من رسول میں من بیانیہ ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ (من ارتضیٰ من رسول) جو رسولؐ کا مرتضےٰ و پسندیدہ ہے اس کو علم غیب خاص دیا جاتا ہے اور اسی مقصد پر بعد کی آیت کا حصہ دلالت کرتا ہے۔ کہ (من ارتضیٰ من رسول) سے مراد وہ ہستی ہے۔ جس پر آگے اور پیچھے دونوں طرف سے زنجیر کی کڑیوں کی مانند علم غیب خاص کے لئے محافظ و نگران دیکھ بھال خدا نے مقرر کر رکھے

ہیں اور نزول قرآن کے زمانہ میں ایسی ہستی سوائے حضرت علی علیہ السلام کے اور کوئی نہ تھی جس کے آگے کی طرف سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم غیب کے محافظ و نگہبان تھے اور پیچھے کی طرف سے حضرات حسنین علیہما السلام محافظ و نگہبان تھے۔ اور یہ سلسلہ زنجیر کی کڑیوں کی مانند ذریۃ بعضھا من بعض واللہ سمیع علیم ۳/۳۴ ایک دوسرے کی اولاد کے سلسلہ میں منسلک ہو کر تا امام مہدی علیہم السلام پہنچ کر قائم ہے جن ہیں (ابلغوا رسلٰت ربھم) کے تحت اس علم غیب کی تبلیغ چلتی ہے جو چلتی رہی ہے۔ کیونکہ علم غیب کی تعلیم عام نہیں ہو سکتی بلکہ صرف مجتبےٰ اور مرتضےٰ کو ہی ہو سکتی ہے۔ سوائے مجتبیٰ اور مرتضےٰ کے اور کسی کو بھی علم غیب کی تعلیم نہیں دی جاتی نہ دی گئی ہے۔ اور مرتضےٰ من رسول سوائے حضرت علی مرتضےٰ علیہ السلام کے اور کوئی نہیں ہوا لہذا اس آیت میں من ارتضیٰ سے مراد حضرت علی علیہ السلام تھے۔

پس ثابت ہوا کہ یہ آیہ مبارکہ رسولؐ خدا اور حضرت علی علیہ السلام کے نشان میں نازل ہوئی ہے ان کے سوا اس آیت کا اور کوئی مستحق مصداق نہیں ہے۔ اسی امر کو حضرت امیر علیہ السلام نے اپنے ان الفاظ میں فرمایا ہے علمنی رسول اللہ الف باب و یفتح لی من کل باب الف الف باب

یہ تعلیم احکام دین کی نہ تھی کہ احکام دین کی تبلیغ تو تمام امت میں کی گئی تھی جو سب کے لیے مساوی لازمی تھی یہ علیحدی تعلیم ایسے ہی علوم کی تھی اسی لیے وہ فرماتے ہیں اور تصحیح فرماتے ہیں۔

نحن سدنة غیب اللہ کہ ہم ہی خدا کے علم غیب خاص کی محافظت کی جگہ ہیں۔

اس کے ساتھ حضرت امیر المومنین علیہ الصلوات والسلام کے ارشادات اور زیارات کو ملا کر غور کریں۔ ہماری قاہ تملیت اس آیت کا مصداق اس کے سوا کچھ اور ثابت تو کردے۔ فاتو ایکتا بکم

اس کی تائید میں دو تاریخی شہادتیں بالاختصار عرض کی جاتی ہیں تاریخ کے اوراق میں یہ واقعہ درج ہے کہ معاویہ نے اپنی موت کا علم حاصل کرنے کے لیے حضرت امیر المومنین علیہ السلام کے پاس اپنی ترکیب کے ساتھ تین آدمی روانہ کئے۔ جن میں سے ایک نے کوفہ کے لوگوں کو اطلاع دی کہ معاویہ مر گیا ہے لوگ یہ خبر لیکر امیر المومنین علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئے۔ کہ اس طرح ایک آدمی نے بیان کیا ہے کہ معاویہ مر گیا ہے تو آپ نے فرمایا یہ جھوٹ ہے وہ نہیں مرا۔ اس کے بعد دوسرا آدمی آیا جس نے کوفہ والوں سے بیان کیا کہ معاویہ فلاں موت سے فلاں دن مر چکا ہے پھر لوگ آپ کی خدمت میں خبر لے کر آئے تو آپ نے فرمایا یہ بھی جھوٹی خبر ہے وہ نہیں مرا۔ اس کے بعد تیسرا آدمی آیا جس نے ان دونوں کی خبر کی تائید کی اور معاویہ کے مرنے اور مرض اور دفن و کفن وغیرہ کی خبر دی پھر لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت آپ واعظ فرما رہے تھے۔ آپ نے خبر کو سن کر فرمایا کہ جھوٹ ہے وہ نہیں مرا لوگوں نے عرض کی یہ چشم دید شہادت دیتا ہے اور حلف کھاتا ہے وغیرہ

تو آپ نے فرمایا وہ نہیں مریگا جب تک کہ میرے سر کے خون سے میری داڑھی نہ رنگی جائے۔

پس اس بات کو لے کر وہ معاویہ کے پاس پہنچے اور اس کو خبر دی کہ (علیؑ نے یہ جواب دیا ہے)

اس واقعہ سے بہت سے امور ثابت ہوتے ہیں جن کو بخوف طوالت ترک کیا جاتا ہے۔ فاضلیت کی عبرت کے لئے صرف تین امور کو بیان کیا جاتا ہے۔ ناظرین حضرات غور کریں۔

(۱) پہلا یہ ہے کہ صدر اسلام میں یہ بات اس قدر مشہور تھی کہ دوست تو دوست تھے معاویہ جیسا دشمن بھی یقین رکھتا تھا کہ علیؑ لوگوں کی موت کے وقت وسن ماہ وغیرہ کو جانتا ہے۔ اس واسطے اس نے اپنی موت کے سال وغیرہ کو اپنی ترکیب سے حاصل کیا۔ جو صحیح نکلا۔

(۲) دوسرا یہ ہے کہ معاویہ یقین رکھتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام کبھی جھوٹ نہ بولیں گے نہ خبر میں تبدیلی کریں گے بلکہ بالکل صاف اور سچ بیان کریں گے۔

(۳) تیسرا یہ بھی یقین رکھتا تھا کہ حضرت علی علیہ السلام میری موت کی خبر کو بیان کرنے میں اپنے ذاتی نفع و نقصان کی کوئی پرواہ نہ کریں گے بلکہ جو کچھ ہونا ہے اور جس طرح ہونا ہے اسی طرح صحیح صحیح بیان کریں گے

ہماری مقدس فاضلیت معاویہ کے یقین سے سبق حاصل کرے تاکہ آپ کے بیانات و ارشادات کو غلو نہ تصور

کرے گیا موت کی خبریں بیان کرنا علم غیب خاص نہیں جس پر (وما تدری نفس بای ارض تموت ۲۱/۱۳) کی نص بھی واضح ہے۔ اس کے ساتھ اپنی موت کی خبر کو بیان فرمانا اور شبیب حضرت کے واقعات کو ملا کر عبرت حاصل کریں۔

دوسری تاریخی شہادت یہ ہے کہ جب بنی ہاشم وسادات فاطمیہ نے بنی امیہ کے خلاف خروج کے لئے مشورہ کیا تو اس مشورہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کو بھی طلب کیا گیا۔ آپ نے عبداللہ بن حسن مثنیٰ کو خبر دی کہ حکومت وامارت آپ کے لئے نہیں بلکہ ابوالعباس سفاح اور اس کے بھائیوں اور ان کی اولاد کے لئے ہے۔ پھر عبدالعزیز بن عمران سے فرمایا کہ سفاح عبداللہ اور اس کے بیٹوں کو قتل کریگا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد بھی ان کی موت اور قتل کی موت کی خبر ہے جو علم غیب میں داخل ہے۔ نہ معلوم کتیر والی روایت سے ان روایات کا مقابل کیوں نہیں کیا گیا ختصرا۔ اس قسم کی تمام روایات کو جمع کرنے کے لئے دفتروں کی ضرورت ہے اسی پر اکتفا کی جاتی ہے۔

شبہ و جواب شبہ

یہاں پہنچ کر ایک ایٹمی یا کہ ہیڈروجنی شبہ کا بم چھوڑ دیا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ (خدا کی تعلیم سے ان کے علم غیب جاننے کے تو ہم بھی قائل ہیں اور مانتے ہیں)

(کچھ تو مانا خدا خدا کر کے) عبد

خدا و رسول خدا اور آئمہ طاہرین علیہم الصلوات والسلام نے یہی فرمایا ہے اور ہم بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ خداوند عالم نے ان کو اپنی تعلیم اور عطا سے علم غیب عطا فرمایا ہے (پھر انکار کی وجہ کیا ہے) تو ارشاد ہوتا ہے کہ تعلیم کیا ہوا علم غیب۔ غیب میں داخل نہیں ہوتا۔ علم غیب تو وہ ہوتا ہے جو بغیر تعلیم کے حاصل ہو۔ خدا کے تعلیم کرنے سے تو ہر ایک جان سکتا ہے۔ لہذا علم غیب وہ ہے جو بلا تعلیم معلوم ہو۔ بعض حضرات فاضلین نے اس کا نام علم افادہ یا استفادہ رکھا ہوا ہے۔ کہ تعلیم کیا ہوا علم غیب افادہ ہوتا ہے اس کو علم غیب نہیں کہہ سکتے کہ تعلیم سے حاصل ہوا ہے وغیرہ

ہم عرض کر چکے ہیں کہ تمام علوم کی ابتداء اور اجراء خداوند عالم کی ذات سے ہے جس قدر علوم جاری ہوئے ہیں خدا کی تعلیم سے ہی جاری ہوئے ہیں۔ اگر کوئی جزوی علم یا کسی علم کا جزوی حصہ کسی نے ایجاد کیا ہے۔ تو وہ بھی خداوند عالم کی عطا سے ہی ہے کہ اس نے کسی شخص میں صلاحیت وقابلیت فطرۃ رکھدی ہے جس سے وہ شخص موجد بنتا ہے۔ جس کی نسبت خداوند عالم کی طرف ہی ہے پس تمام علوم خداوند عالم کی تعلیم سے جاری ہوئے ہیں۔ رہی یہ بات کہ تعلیم کیا ہوا علم غیب نہیں رہتا بلکہ افادہ کہلاتا ہے۔ تو اس کی بابت عرض ہے کہ ان دونوں آیتوں میں۔ علم الغیب اور علی غیبہ آیا ہے۔ اور احادیث رسولؐ اور آئمہ طاہرین

علیہم السلام میں بھی "علم غیب" ہی آیا ہے جس کا ذکر بیانات سابقہ میں موجود ہے کسی جگہ افادہ نہیں آیا اور نہ ہی یہ فرمایا ہے کہ تعلیم کے بعد وہ علم غیب نہیں کہلاتا تو حضرات فاضلین نے خدا اور رسولؐ خدا اور ائمہ طاہرین علیہ السلام کی مخالفت میں لفظ افادہ کہاں سے حاصل کیا ہے۔ خدا و رسولؐ و امامؑ کے بالمقابل ان حضرات کو اس ایجاد و اختراع میں کاذب کیوں نہ تصور کریں۔

ان حضرات نے یہ جرأت علے اللہ و علے الرسولؐ و علے الامامؑ کس سے حاصل کی ہے اور کیوں حاصل کی ہے۔ محض اپنے خیال کی تائید کے لئے اتنے بڑے امر کا ارتکاب آخر کس لئے۔ کیا بروز محشر خدا و رسولؐ و امامؑ کے سامنے اس علم غیب کو علم افادہ ثابت کر دیا جائیگا۔ جب خداوند عالم ہی علم غیب کو تعلیم کرنے کے بعد بھی "علم غیب" ہی فرمائے تو فاضلین کی اصطلاح کو کس طرح خلاف حق نہ کہا جائے اور کیونکر۔ خداوند عالم فرماتا ہے (وما ھو علے الغیب بضنین ۳۰/۶) اور نہیں ہے وہ علم غیب پر بخیل (شاہ عبدالقادر) اور نہیں ہے غیب کی بات بتانے میں بخیل (مراۃ القرآن۔ عبدالحی صاحب)

یہ آیت حضرت رسول خدا کے حق میں نازل ہوئی ہے جس میں آپ کی ذات اقدس سے بخل کی نفی کی گئی ہے۔ اور بخل ضد سخاوت ہے۔ اور بخل کی نفی علم غیب کے واسطے کی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ خدا کے پاس علم غیب تھا۔ اگر آپ کے پاس علم غیب نہ ہوتا تو اس سے بخل کی نفی کی ضرورت نہ ہوتی۔

علم غیب سے بخل کی نفی کی ضرورت نے ثابت کر دیا کہ آپ کو علم غیب حاصل تھا۔ اور یہ نفی علم غیب ثابت کرتی ہے کہ رسولؐ خدا پر علم غیب نہ بتانے کا الزام لگایا گیا تھا۔ اور یہ الزام لگانے والے وہی تھے۔ جن کو آپ علم غیب نہ بتاتے تھے۔ کہ یہ علم سوائے مجتبیٰ و مرتضیٰ لوگوں کے اوروں کو بتانے تعلیم کرنے کا حکم نہ تھا۔ اور وہ لوگ آپ کے صحابی ہی تھے ان ہی لوگوں نے یہ اعتقاد امت میں جاری کیا کہ رسولؐ خدا کو علم غیب حاصل نہ تھا۔ اور جن لوگوں کو آپ علم غیب تعلیم کرتے تھے انہوں نے ہی آپ کو علم غیب حاصل ہونے کا اعتقاد جاری کیا اور وہی آپ کی آلؑ طاہرہ ہے۔ اسی لئے آپ کی امت ان دونوں اعتقادوں پر قائم رہی ہے اور رہے گی۔

خطبات ملاحم اور علائم ظہور و خروج و حالات آخر زمن کی احادیث کو دیکھو سب اہلبیت و آلؑ رسول صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بیان کردہ ہیں صحابہ کرام کی نہیں ہیں فتفکر واقیہ

ہماری غرض یہ تھی کہ خدا نے رسولؐ خدا کو علم غیب تعلیم کرنے کے بعد بھی اس کو علم غیب ہی فرمایا ہے افادہ نہیں فرمایا ہے۔

(۱) جس سے ثابت ہے کہ ہمارے فاضلین کا یہ جملہ (کہ تعلیم سے علم غیب نہیں رہتا بلکہ افادہ ہوتا ہے یا کہ ہو جاتا ہے) اس آیت مذکورہ کے کس قدر خلاف ہے ان کو اس سے اجتناب کرنا فرض ہے۔

(۲) دوسرا یہ بھی ثابت ہے کہ نزول قرآن کے زمانہ میں اصحاب

رسولؐ قائل و معتقد تھے کہ خدا نے رسولؐ کو علم غیب عطا فرمایا ہوا ہے۔

(۳) تیسرا یہ ثابت ہے کہ بعض لوگ جن کو آپ علم غیب کی تعلیم نہ دیتے تھے وہ آپ کو اس امر میں بخیل بیان کرتے تھے جن کی رد اس آیت میں کی گئی ہے۔

(۴) چوتھا یہ ثابت ہے کہ کچھ لوگوں کو آپ علم غیب کی تعلیم دیا کرتے تھے۔

(۵) پانچواں یہ ثابت ہے کہ جن لوگوں کو آپ علم غیب کی تعلیم نہ دیتے تھے انھوں نے ہی آپ کے علم غیب نہ جاننے کا اعتقاد امت میں جاری کیا۔

(۶) چھٹا یہ ثابت ہے کہ جن کو آپ علم غیب کی تعلیم دیا کرتے تھے انھوں نے ہی آپ کے عالم غیب ہونے کا اور جاننے کا اعتقاد امت میں جاری کیا اور ثابت کیا ہے۔

(۷) ساتواں یہ ثابت ہے کہ جن کو آپ علم غیب نہ دیتے تھے وہ لوگ عوام میں سے تھے۔

(۸) آٹھواں یہ ثابت ہے کہ جن کو آپ علم غیب کی تعلیم دیا کرتے تھے وہی رسولؐ کے پسندیدہ تھے۔ اسی واسطے خدا نے الا من ارتضیٰ من رسول فرمایا ہے۔

(۹) نواں یہ ثابت ہے کہ آپ کے علم غیب نہ جاننے کا اعتقاد تعلیم صحابہ سے جاری ہوا۔

(۱۰) دسواں یہ ثابت ہے کہ آپ کے علم غیب جاننے کا اعتقاد

اہلبیتؑ رسولؐ سے جاری ہوا۔

ملک عشرہ کاملہ انہی دونوں تعلیموں کا اثر آج تک موجود اور ہم آہنگ ہے۔

اسی مضمون میں ہفتم بحار کی حدیث رسول منقول ہے جس میں یہ جملہ موجود ہے (نحن سدنۃ غیب اللہ) سدن اور سدنہ ایسے مقام کو کہتے ہیں جہاں کوئی شے حفاظت کے لیے رکھی جائے پس قلوب محمدؐ و آل محمدؐ ہی خدا کے علم غیب کی حفاظت کا مقام و جگہ ہیں (لا یمسّہ الا مطہرون $\frac{27}{16}$) جہاں سے سوائے صاحبان تطہیر کے دوسروں کو نہیں حاصل ہو سکتا اور نہ ہی ہوا ہے اسی امر کو زیارت جامعہ کبیرہ میں امام علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ "الفائزون بکرامتہ واصطفاکم بعلمہ و ارتضاکم لغیبہ واختارکم لسرہ واجتبٰکم بقدرتہ۔ خدا نے اپنی کرامت سے تمہیں فائز قرار دیا ہے۔ اور اپنے علم کی بنا پر تم کو اصطفےٰ کیا ہے اور اپنے علم غیب کے عطیہ کے لئے تمہیں پسند کیا ہے اور اپنے خاص رازوں کے لئے تمہیں چُن لیا اور اختیار کیا ہے اور اپنی قدرت سے تمہیں مجتبےٰ بنا لیا ہے۔ (مفاتیح الجنان کلاں شیخ عباس قمی علیہ الرحمہ)

پس اس سے ثابت ہے کہ علم غیب خداوند عالم اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کے نزدیک بر سہ مقام پر غیب میں ہی داخل ہے علم غیب کی غیبیت میں مقام کی تبدیلی سے کوئی فرق نہیں آتا جب خدا کے پاس ہو تو بھی

علم غیب اور جب رسولؐ خدا کے پاس ہو تو بھی علم غیب اور جب امام کے پاس ہو تو بھی علم غیب مقامات کی تبدیلی سے اس کے غیب ہونے میں کوئی فرق نہیں آتا۔

یہ دوسری بات ہے کہ خداوند عالم کا علم غیب ذاتی ہے بلکہ اس کا ہر علم ذاتی ہے کوئی علم خدا کی ذات سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا اور رسولؐ خدا اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کا ہر علم عطیہ وتعلیم خدا سے ہے اس واسطے ہی کہا جاتا ہے کہ ان کا علم ذاتی نہیں مگر ذات کے ساتھ عطا ہوا ہے جس کی وجہ سے ان کے علم کو علم بالذات کہا جاتا ہے اور یہ اس واسطے کہا جاتا ہے کہ جب ان کی ذات نہ تھی تو ان کو علم بھی نہ تھا اور جب سے خدا نے ان کی ذات کو خلق فرمایا ہے تب سے ہی ان کو علم بھی عطا فرمایا ہے یعنی ان کی ذات کو مقام علم سے خلق فرمایا ہے۔ اصطفاکم بعلمہ (اپنے علم کی بنا پر ان کو مصطفےٰ خلق کیا) اس جملہ کے عمل کو دیکھیں۔

ہمارے حضرات نے ضایین کو یہ تو اختیار ہے کہ کسی بڑے سے بڑے عالم دین کو جاہل کہہ دیں یا کہ ثابت کر دیں۔ مگر ہم حیران ہیں کہ ان کو یہ اختیار کہاں سے حاصل ہو گیا کہ وہ خدا اور رسولؐ اور امام کو جاہل بتا دیں یا ثابت کر دیں۔ ان کو یہ ٹھیکیداری بروز محشر بڑی مہنگی پڑے گی۔

پس خداوند عالم اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ طاہرین علیہم الصلوٰت والسلام علم غیب کو تعلیم اور عطیہ

سکے بعد "علم غیب" ہی فرماتے اور جانتے ہیں لہٰذا فاضلیت کی اصطلاح مذکورہ اس مقام پر قیاس و وسواس میں داخل ہے کہ خلاف قرآن و احادیث ہے فاعتبروا

عقیدہ عاصی کے خیال میں ہمارے فضلاء کرام دراصل علم غیب اور خبر غیب میں تمیز نہیں کر سکے وہ خبر غیب کو ہی علم غیب سمجھ رہے ہیں اس صورت سے جس کو خبر غیب دی جائے وہ اس خبر کے سوا از خود کچھ نہیں جانتا یہ صورت اوروں کے لئے تو کسی قدر درست ہو سکتی ہے مگر خلفاء اللہ اور خصوصاً محمدؐ و آل محمدؐ کے لئے وسواس خناسی ہے کہ محمدؐ و آل محمدؐ کا مقام اس سے اعلیٰ و ارفع ہے ان کے حق میں یہ وسواس یا قیاس سخت خطرناک اور مضر ایمان ہے۔

بلا تشبیہ علم غیب اور خبر غیب میں اسی طرح فرق ہے جس طرح کا علم جفر اور اس سے حاصل کی ہوئی خبر میں ہوتا ہے جس طرح علم جفر سے حاصل کی ہوئی خبر کسی کو بتا دی جائے تو وہ اس سے علم جفر کا عالم نہیں ہو سکتا اسی طرح خبر غیب کے بتا دینے سے علم غیب نہیں حاصل ہو سکتا۔ پس علم غیب اور ہے اور خبر غیب اور۔ حضرات چہاردہ معصومین علیہم الصلوات والسلام کو علم غیب کی تعلیم دی گئی ہے نہ خبر غیب بتائی گئی ہے۔ اس سے زیادہ بیان کرنا ہماری وسعت سے باہر ہے صرف ایک مثال سے اس بیان کی تائید کو پیش کر کے ختم کرتے ہیں۔

قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔ کہ عام انسان

بھی تزکیہ نفس کرتے ہے اور اسماء حسنہ کی ریاضت سے وہ کچھ حاصل کر سکتے ہیں جس کا تصور بھی بعض حضرات نہیں کر سکتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ علماء اعلام اور صاحبان ریاضت نے اس پر کتابیں لکھی ہیں جو دنیائے اسلام میں موجود ہیں ۔

جب تزکیہ نفس اور اسماء حسنہ کی ریاضت سے ایسا مقام حاصل ہو سکتا ہے جس کا تصور بھی مشکل ہے تو پھر صاحبان تطہیر اور مظہر اوصاف الہیہ جلالیہ وجمالیہ کاملہ کلیہ کے لئے شبہات وسواسیہ وقیاسیہ کی کیسے گنجائش ہے حالانکہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم کو خدا نے اسم اعظم تعلیم فرمایا ہے جس کا ذکر گذر چکا ہے لہذا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وآئمہ طاہرین علیہم السلام سے علم غیب کی نفی کا اعتقاد ہی وہ ظلمت ہیں ۔ جن کو خدا نے سورہ طلاق کی آیت میں ارشاد فرمایا ہے جس کو عبرت کے لئے اول میں درج کیا گیا ہے ۔ ففہم وتدبر ۔

اب خداوند عالم کے ایک جملہ پر چند اشارے عرض کر کے مضمون کو ختم کیا جاتا ہے ۔ خداوند عالم نے اکثر جگہ فرمایا ہے عالم الغیب والشہادۃ $\frac{7}{15}$ وغیرہ کہ خدا غیب اور شہادت کو جاننے والا ہے ۔ یہ تو ثابت ہو چکا کہ خداوند عالم سے کوئی شئی غائب نہیں ہو سکتی لہذا اس آیت کا مفہوم صرف یہی ہے کہ خدا نے دو طرح کے عوالم خلق فرمائے ہیں کچھ غیب میں اور کچھ ظاہر ہیں اور ان پر غیب وشہادت کا اطلاق

ہماری وجہ سے کیا گیا ہے نہ کہ اپنی ذات کی وجہ سے جس سے مراد یہ ہے کہ خداوند عالم نے کچھ عوالم ہم سے غیب میں خلق فرمائے جن کو ہم نہیں جانتے اور نہ ہی جان سکتے ہیں بلکہ محسوس بھی نہیں کر سکتے کہ ہمارے حواس خمسہ ان کا ادراک نہیں کر سکتے لہذا ان کو غیب فرمایا گیا ہے۔ اور کچھ عوالم خدا نے ظاہر میں خلق فرمائے جن کو ہم جان سکتے یا کہ کسی نہ کسی طرح جان سکتے اور ادراک کر سکتے۔ اس واسطے ان کو عالم شہادت فرمایا گیا ہے۔

ہمارا یہ عالم یعنی نظام شمسی عالم شہادت میں داخل ہے جس کو ہم محسوس وادراک کر سکتے ہیں۔ تکثیر عوالم کی خلقت پر اہل اسلام میں بکثرت احادیث رسول ناطق ہیں جن میں تعداد عوالم کو مختلف اعداد و شمار سے بیان فرمایا گیا ہے۔ جس سے وہم پیدا ہو سکتا ہے کہ ان احادیث کو بیان فرمانے والے صحیح اعداد و شمار عوالم کو نہ جانتے تھے یا .....
...... ان کو عوالم کے اعداد و شمار کا صحیح علم نہ تھا اور یہ بھی شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ دراصل یہ احادیث سب کی سب صحیح نہیں ہیں۔ یا یہ کہ ان میں سے کوئی ایک ہی صحیح ہو سکتی ہے یا یہ کہ جن احادیث میں اعداد و شمار پر اتفاق ہے وہی صحیح ہیں دوسری غیر صحیح ہیں۔

تکثیر عوالم پر تو سورہ الحمد کی پہلی آیت الحمد للّٰہ رب العلمین ہی ناطق ہے لہذا اکثرت عوالم میں کوئی شبہ نہیں

اس وجہ سے تمام احادیث جن میں تکثیر عوالم کا ذکر آیا ہے صحیح ہیں۔ رہی یہ بات کہ ان کا صحیح اعداد و شمار کیا ہے۔ تو اس بارے میں امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک چھوٹا سا جملہ کافی ہے۔ (اصول کافی) :۔

آپ نے سائل کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ تمہارا یہ عالم یعنی نظام شمسی کرسی الٰہیہ کی وسعت کے بالمقابل ایسا ہے جیسے ایک لق و دق صحرا تا حدِّ نظر میں ایک کان کی بالی کے حلقہ کی ہوتی ہے اور یہی حالت کرسی کی خداوند عالم کے عرش کے بالمقابل ہے (اصول کافی) وغیرہ

ان الفاظ میں ایک مثال دی گئی ہے کہ ہمارا نظام شمسی کرسی کی وسعت کے بالمقابل کان کی بالی کے حلقہ کی صورت و حقیقت رکھتا ہے سائل کی اصلاح کے لئے اس کی عقلی وسعت کے لحاظ سے جملہ بیان فرمایا گیا ہے اور کرسی کی باقی ماندہ وسعت کے بارے میں کچھ نہیں فرمایا کہ سائل کی عقل اسی کو قبول کر سکتی تھی

(تکلموا الناس علےٰ قدر عقولھم)

لوگوں کی عقل کے مطابق کلام کرو۔

. . . .

لیکن یہ ثابت کر دیا کہ کرسی صرف ہمارے نظام کے لئے ہی خلق نہیں ہوئی بلکہ اس میں بے شمار نظام شمسی گردش کر رہے ہیں۔ کیونکہ کرسی کی باقی وسعت کو خالی مانا جائے تو اس

کی وسعت عبث اور باطل ثابت ہوتی ہے اور خدا کی خلقت
عبث نہیں ہوتی جس پر افحسبتم انما خلقنکم عبثاً
وانکم الینا لا ترجعون ۱۸/۶ پس کیا تم نے گمان کر لیا ہے
کہ ہم نے تم کو بے فائدہ بلا ضرورت خلق کیا ہے اور تم ہمارے
پاس پھر نہ آؤگے۔
اس فرمان سے ثابت ہے کہ خدا کی خلقت عبث بے کار
نہیں ہوا کرتی اور فرمایا وما خلقنا السماء والارض وما
بینھما باطلا ۲۳/۱۲ اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ
ان کے درمیان ہے باطل و بلا وجہ خلق نہیں کیا۔
پس ان آیات سے ثابت ہے کہ خداوند عالم کی کوئی خلقت
بے کار اور بلا وجہ نہیں ہو سکتی لہذا کرسی کی وسعت بھی بیکار
اور بلا وجہ نہیں پیدا کی گئی اور کرسی میں ہمارے نظام کی
گردش سے ثابت ہے کہ کرسی نظامات شموس کی حفاظت اور
ان کو محدود رکھنے کے واسطے خلق ہوئی ہے۔ پس نہ معلوم اس
کرسی کی وسعت میں کس قدر نظام شمسی گردش کر رہے ہیں اور
یہ سب عالم شہادت سے تعلق رکھتے ہیں کہ ہمارا نظام شمسی
عالم شہادت میں داخل ہے اور اسی طرح کرسی اور عرش کے
تقابل سے واضح ہے کہ وسعت عرش کے تحت جس قدر کرسیاں
داخل ہیں وہ سب عالم غیب کی خلقت ہیں جن کا شمار نہیں
ہو سکتا اسی لئے فرمایا ہے الحمد للہ رب العلمین ان
تمام عوالم کو خلق کرنے پالنے اور جاننے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

اور حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ختمی مرتبت و مظہر اسم اللہ ان تمام عوالم کے لئے رحمت دائمیہ ہیں اور امیر المومنین علی علیہ الصلوات والسلام ان تمام عوالم اور ان کی ہر شئی کی ملکوت ہیں۔ اسی وجہ سے خداوند عالم نے فرمایا وکل شئ احصیناہ فی امام مبین۔ ہم نے امام مبین میں ہر شئ کا احصی احاطہ کر دیا ہے۔ احصیٰ کنکرہ کو کنکرہ کے ساتھ ملا کر جمع کرنے کو کہتے ہیں۔

لہذا خداوند عالم نے امام مبین میں ہر شئی کا علم نہیں بلکہ ہر شئی کے وجود کو جمع کر دیا ہے جس سے ثابت ہے کہ امام مبین سے کوئی شئ مخفی و پوشیدہ نہیں ہو سکتی خواہ عالم شہادت کی ہو یا کہ عالم غیب کی ہو جس پہ لفظ شئ کا اطلاق آئیگا وہ امام مبین میں جمع ہے۔ احصیناہ کے لفظ کو نہ دیکھیں بلکہ فعل حصلی کو دیکھیں اور حقیقت معلوم کریں رہی یہ بات کہ اس کا طریقہ کار کیا ہے۔ تو اس کی تکلیف انسانوں کو نہیں دی گئی اور نہ انسان افعال خدا کے طریقہ کار کو سمجھ سکتا ہے۔ پس انسان کے ذمہ یہی ہے کہ ایمان لائے اور مان لے نہ کہ طریقہ کار کو معلوم کرے۔ جب زمانہ حال کو مصنوعات کو بغیر طریقہ کار کے جانے مان لیتا ہے تو پھر خداوند عالم کی صنعت کو مان لینے میں کیا حرج ہے

بلا تشبیہ انسانی دماغ کی صنعت پر غور کریں کہ ظاہراً اس میں کوئی شئی نہیں معلوم ہوتی مگر جب کسی ایسی شئی کا نام لو۔

جس کو انسان نے دیکھا اور معلوم کیا ہوا ہے اور اس کے خواص واوصاف کو جانا ہوا ہے تو نام سنتے ہی وہ شے اپنی پوری شکل وصورت واوصاف وخواص کے ساتھ ذہن میں متشکل ہو جاتی ہے اسی سے قوت وجود امام مبین کو احساس کر لو۔

مگر دماغ انسانی کے ذہن میں یہ نقص ہے کہ جب کسی دوسری شی کا نام لوگے تو ذہن جب اس کی طرف متوجہ ہوگا تو وہ پہلی شی کی شکل وصورت وغیرہ محو ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ دوسری شی حاضر ہو جاتی ہے مگر وجود امام مبین علیہ السلام میں ایسا نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے وہاں ہر وقت ہر حال میں ہر شی کا وجود معہ اس کے خواص واوصاف اور شکل وصورت اور مقام اور جو اس پر عوارضات وارد ہونے والے ہوتے ہیں وہ بھی ساتھ ہی موجود ہوتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہماری بساط نہیں۔

پس خداوند عالم نے جن عوالم کو عالم غیب میں بیان فرمایا ہے ان کو ہم سے غیب ہونے کی وجہ سے غیب فرمایا ہے نہ کہ اپنی ذات اقدس سے غیب ہونے کی وجہ سے فرمایا ہے۔ اور نہ ہی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نہ ہی امام مبین علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غائب ہونے کی وجہ سے فرمایا ہے فتفکروا وتدبروا۔

الحمد للہ الذی ھدنا لھذا وما کنا لنھتدی

لولا ان ھدانا اللہ والصلوات والسلام علیٰ محمد
وآلہ الطاھرین والطیبین ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

معذرت

اہل انصاف حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ عقلاء دہر کا مقولہ کہ من آنم کہ من دانم۔ میں اپنے آپ کو خوب جانتا ہوں غیر معصوم سے خطاء ونسیان کا امکان بلکہ وقوع کبھی رفع نہیں ہو سکتا۔ لہذا اس ناموزوں تحریر میں جہاں غلطی دیکھیں اصلاح فرما کر اس عبد عاصی کو مطلع فرمائیں اور بصورت صحیح تائید فرما کر انصاف وعدل کا اظہار فرمائیں
خیر الختتام والسلام علےٰ من اتبع الھدیٰ

العارض

العاصی سید محمد عبد اللہ شاہ عبدی کاظمی المشہدی
سیدکسرانی گوجرخان ضلع راولپنڈی
حال وارد نیاز بیگ لاہور (اسلامی درس گاہ حسینیت) نیاز بیگ۔ ضلع لاہور

ناشر

مکتبہ تہذیب الاسلام ۱۹۱۵ F دبی بازار لاہور

ضرورتِ وقت کی مناسبت سے

ایک نہایت مفید کتاب

رُویتِ ہلال

(مع اسلامی کیلنڈر ۱۳۸۷ھ)

رویتِ ہلال کا مسئلہ اہلِ اسلام کیلئے دردِ سر بنا ہوا ہے۔ درآنحالیکہ بزرگانِ اسلام نے اس کے لئے واضح احکام و ہدایات جاری فرمائیں۔ کتاب ہذا میں اس مسئلہ پر قرآن۔ حدیث۔ عقل۔ سائنس اور علم ہیئت کی رو سے حتمی بحث کی گئی ہے جو کہ حرفِ آخر کا درجہ رکھتی ہے۔ اس میں حضرت علی المرتضیٰ کا وہ طریقہ بتایا گیا ہے جس سے ہر پڑھا لکھا مسلمان ہر اسلامی سال کا کیلنڈر سال شروع ہونے سے پیشتر ہی بنا سکتا ہے مکمل جنتری بنانے اور طریق شمار کا آسان ترین اور درست ترین طریقے درج ہیں۔ یہ کتاب بلاشبہ اس صدی میں مسئلہ "رویت ہلال" کے متعلق انقلاب آفرین کتاب ہے پڑھ کر اس دعوے کی صداقت معلوم کریں۔ قیمت نہایت معمولی یعنی صرف ایک روپیہ (علاوہ خرچہ ڈاک)

ناشر مکتبہ تہذیب الاسلام ۱۹۱۵/۴ ڈبی بازار لاہور

(مطبوعہ رشید عالم پریس لاہور)